﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

اور جو ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستے دکھاتے ہیں۔ (العنکبوت:۶۹)

مکتوباتِ مجددیہ، مکتوباتِ معصومیہ اور مشائخ نقشبند کے ملفوظات کی روشنی میں

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے 35 اسباق کی نایاب وضاحت

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

فقیر مصطفیٰ کمال نقشبندی مجددی

مکتبۃ الفقیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارج السلوک

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مرتب

فقیر مصطفی کمال نقشبندی مجددی

مکتبۃ الفقیر

ناشر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-41-2618003

نام کتاب ——— مدارج السلوک

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— فقیر مصطفیٰ کمال نقشبندی مجددی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اول ——— جولائی 2013

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
اور جو ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور بالضرور
اپنے راستے دکھاتے ہیں۔ (العنکبوت:۶۹)

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
129	④ مراقبہ احدیت فکر کا پہلا سبق
130	......کائنات میں سب سے زیادہ وزن اللہ کے نام کا
132	......ذکر کا تیسرا طریقہ......فکر
134	......مراقبہ احدیت......فکر کا پہلا سبق
135	......احادیث مبارکہ میں غور وفکر کے فضائل
138	......مراقبہ احدیت......فنائے قلبی کا سبق
143	......لطائف بینا ہوں گے تو اللہ رب العزت کے جمال کا صحیح لطف نصیب ہوگا
144	......الفانی لایرد فانی واپس لوٹتا نہیں ہے
147	⑤ مشاربات کے اسباق
147	......فنا کی ابتدا کسب سے ہے اور کمال عنایت ربانی سے ہے
149	......انبیاء کو جو فیض ملا، نبی ﷺ کے وساطت سے ملا
150	......ولایتیں مختلف انبیاء کے زیر قدم ہیں
152	......مراقبہ لطیفہ قلب اور تجلیات افعالیہ کا فیض
153	......یہ نعمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل تھی
156	......تجلیات افعال کی ولایت: بزرگوں کے واقعات
160	......مراقبہ لطیفہ روح اور تجلیات صفات ثبوتیہ کا فیض
162	......مراقبہ لطیفہ سر اور تجلیات شیونات ذاتیہ کا فیض
165	......مراقبہ لطیفہ خفی اور تجلیات صفات سلبیہ کا فیض
166	......مرشد عالم حضرت پیر غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

⑧ کمالاتِ ثلاثہ

صفحہ نمبر	عنوانات
249	......عنصرِ خاک کا عروج ونزول
250	......کمالات میں کیا حاصل ہوتا ہے؟
252	......کمالات کے مقام پر شوق وحلاوت اور زبان کا گنگ ہونا
254	......کمالات کی بے رنگی
258	......کمالاتِ نبوت میں کیا اعمال فائدہ دیتے ہیں
258	......محبت کا مطلب ارادۂ طاعت ہے
261	......اس سے زیادہ اس بارے میں کیا لکھا جائے اور کیا سمجھایا جائے
262	......کمالاتِ رسالت میں فیض مجموعی ہیئت وحدانی پر ہوتا ہے
263	...... دائرۂ کمالات الوالعزم
264	......خلاصۂ اسباق
265	⑨ حقائقِ الٰہیہ
267	......گزشتہ اسباق کا اجمالی خاکہ
267	......معیت میں حضوری کا نصیب ہونا
268	......واقعات
268	......ولایتِ کبری، ولایتِ علیا اور کمالاتِ ثلاثہ
269	......حقائق کے اسباق
270	......کمالات اور حقائق الٰہیہ کا تعلق
271	......کیا کعبہ معظمہ کی صرف ظاہری صورت ہے؟
272	......اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
275	......کعبہ کی حقیقت تمام مخلوقات کی مسجود الیہ ہے

صفحہ نمبر	عنوانات
277	......حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجوب ہے
278	......حقیقتِ کعبہ ربانی کا تعلق ہیئتِ وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے
281	......حقائق ثلاثہ کے وصول کا تعلق اللہ کے فضل سے ہے
282	......ہر مسجد میں ظہور حقیقت کعبہ ربانی
283	......حقیقتِ کعبۂ ربانی سے حقیقت قرآنِ مجید تک
284	......حقیقتِ کعبہ ربانی حقیقتِ قرآن سے بلند ہے؟
287	......سالک حقیقت کی طرف متوجہ رہے یا صورت کی طرف؟
290	......حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ قرآن، حقیقت نماز کا جزو ہے
292	......حقیقتِ قرآن اور حقیقت نماز
292	......نماز کی لذت میں نفس کا دخل نہیں
294	......حقیقتِ صلوۃ کے متعلق اشارات
294	......جب حقیقتِ نماز پالے تو کیا کیفیات حاصل ہوتی ہیں؟
296	......نماز کے سنن وآداب بجالانے سے حقائق کا حصول
297	......حقیقتِ نماز سے اوپر معبودیت صرفہ کا مرتبہ
299	......معبودیت صرفہ کا تعلق قدم سے نہیں نظر سے ہے
299	......معبودیت صرفہ میں کلمہ طیبہ کی حقیقت متحقق ہوتی ہے
301	......اس مقام میں نظر کی ترقی عبادتِ نماز سے وابستہ ہے
302	...... نماز تمام عبادتوں کی جامع ہے
304	⑩ حقائق انبیاء سے مراقبہ لاتعین تک
307	......خلاصہ سلوک

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆☆

عرضِ مرتب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

یہ ہمارے مرشد اور محسن محبوب العلماء والصلحا حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ کا سالکین پر احسان وکرم ہے کہ انہوں نے ملک زیمبیا میں ماہِ رمضان ۲۰۱۲ء کے اعتکاف میں روزانہ بعد نماز تراویح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق سے متعلق مجالس منعقد فرمائیں۔ ان مجالس میں حضرت دامت برکاتہم نے اسباق سے متعلقہ عبارتیں مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ نقشبند ارجمند کی دیگر کتابوں سے چن کر، شروع سے لے کر آخر تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق میں سے ہر ہر سبق کی تفصیلات کو کھولا۔ یہ کتاب مدارج السلوک حضرت دامت برکاتہم کے انہی بیانات کا مجموعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائیں، اور ایسی پر نور اور بابرکت مجالس سے ہمیں بار بار مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ رب العزت سے التجا ہے کہ اپنی رحمت سے ہم فقیروں کے لئے اپنے قرب کے منازل ومدارج طے کرنے میں آسانی پیدا فرمائیں۔ آمین۔

فقیر مصطفیٰ کمال نقشبندی مجددی

پیش لفظ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ دین کے ظاہری اور باطنی تمام علوم کے جامع تھے اورانہوں نے دونوں طرح کے علوم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتقل فرمائے۔ چنانچہ جس طرح انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کی ظاہری صورت سکھائی، اسی طرح انہوں نے نماز کی حقیقت، خشوع وخضوع، مقام احسان، بلکہ لقائے یار کی کیفیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے واضح فرمائی۔ شراب کے حرام قرار دیے جانے کے بعد جیسے اس خباثت سے ان کی جان چھڑوائی، ویسے ہی عجب اور تکبر کی حرمت کے پیشِ نظر ان باطنی بیماریوں سے ان کو نجات دلائی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ملنے پر زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی، وہاں دل میں منعمِ حقیقی کے سامنے احسان مند رہنے کی بھی تعلیم عطا فرمائی۔ معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شریعت کی صورت اور حقیقت دونوں کا علم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے یہ علوم نسل در نسل باقی امت تک پہنچے لیکن وہ جمعیت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل تھی، وہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد باقی نہ رہی۔ کسی ایک شخص کے لیے یہ تمام علوم اپنے اندر سمیٹنا ممکن نہ رہا، لہٰذا دین کے مختلف شعبے بنتے گئے۔ دین کے مختلف شعبوں میں تخصص کی ابتدا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی شروع ہو گئی تھی، سو ہم جانتے ہیں کہ

......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ امام القراء بنے۔

......حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ امام المفسرین بنے۔

......حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ امام المحدثین بنے۔

......حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام الفقہاء بنے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد، قُویٰ کی کمزوری اور زمانے کے فتنوں کے پیشِ نظر، اللہ رب العزت نے ہر زمانے میں علومِ نبوی کی حفاظت کے لیے متعدد ماہرین کا انتخاب فرمایا۔ جنہوں نے ایسے قواعد وضوابط اختیار کیے، اور درس وتدریس کی ایسی ترتیب مرتّب کی، جن کے ذریعے سے ان علوم کو محفوظ رکھنا اور درجہ بدرجہ آگے منتقل کرنا آسان ہوگیا۔ سب کا مقصد خالقِ حقیقی کی رضا حاصل کرنا تھا، لیکن جب معلّم اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمالیا اور سیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے شاگرد نہ رہے تو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے علمائے امت نے علوم کی تدوین کا کام قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں ہی شروع فرمادیا۔ وقت کے ساتھ تعلیم و تعلّم کے لیے کتب کا ایک نصاب پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

چنانچہ آج جو شخص بھی ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (المزمل: ۴) کے قرآنی حکم پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے نورانی قاعدے کی پہلی تختی سے ابتداء کرنی ہوگی، مخارج کی پہچان حاصل کرنی ہوگی، حروفِ قمریہ اور شمسیہ کی شناخت سیکھنی ہوگی، اور ادغام، اخفاء، اظہار اور اقلاب کے اصولوں کو ضبط کرنا ہوگا۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کی خاطر فقہ کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے، اسے ظنی اور قطعی دلائل میں فرق، قیاس کا طریقہ اور استحسان کے مسائل وغیرہ سیکھنے پڑیں گے۔

جس طرح اللہ رب العزت نے شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری تعلیمات کو فقہاء کے ذریعے سفینوں میں محفوظ رکھا، اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باطنی کیفیات کو

حضراتِ مشائخ کے ذریعے سینوں میں محفوظ رکھا، یہ کیفیات سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہوتی گئیں۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام میں پوری طرح داخل ہونے کے لیے نہ صرف ظاہری احکام بجالانے کی ضرورت ہے، بلکہ باطنی احکام کو پورا کرنا بھی اتنا ہی اہم ہے۔ بلکہ ظاہری اعمال ان باطنی احوال کے تابع ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر یہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جائے گا اور اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جائے گا، جان لو کہ وہ انسان کا قلب ہے۔ سو جہاں محدثین کرام ہمیں وہ احادیث مبارکہ سناتے ہیں جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ہر حال میں الحمدُ للہ کہنے کی تلقین فرمائی، وہاں حضرات فقہاء اس کے احکام کی تفصیل بتاتے ہیں۔ مشائخ کرام شکر کی کیفیت کو اپنے سینے سے ہمارے سینوں میں منتقل فرماتے ہیں۔

جیسے علومِ ظاہری کے حصول کے لیے اللہ رب العزت نے علمائے امت پر اس ترتیب کو کھولا جس کے ذریعے سے ان علوم کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح باطن کی محمود کیفیات حاصل کرنے کے لیے بھی جو اقدام اٹھانا ضروری ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے مشائخ کرام پر کھولا کہ کیسے:

...... ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی شدید محبت ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔

...... کیسے گناہوں سے ہماری جان چھوٹے اور تقویٰ طہارت کی زندگی ہمیں نصیب ہو۔

...... کیسے ہمارے دل ریاء ونفاق سے پاک ہو کر اخلاص سے بھر جائیں۔

...... کیسے حرص، حسد، بغض، کینہ، بخل، بدگمانی، تکبر، عجب اور غصے جیسی مہلک بیماریوں

سے ہمارے دل شفایاب ہوں اور سخاوت، ایثار، خیر خواہی، عاجزی، تحمل مزاجی، عفو ودرگزر کی صفات ہم میں پیدا ہوں۔

...... کیسے شکوک وشبہات سے نجات حاصل ہو اور یقین کی دولت ہمارے ہاتھ آئے، اسباب سے نظر ہٹے اور مسبب الاسباب پر نظر جمے۔

...... کیسے ہمارے اندر سنتوں کا شوق پیدا ہو، عبادات کی لذت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔

یہ سب نعمتیں حاصل ہوں گی تو انسان جنت میں جائے گا، ورنہ تو دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر تکبر بھی ہوگا تو جنت سے محرومی کا باعث بن جائے گا۔ ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مشائخ کرام نے ذکر وفکر کے اسباق کو ترتیب وار مرتب کیا۔

جس طرح فقہ میں چار مذاہب ہیں جن میں سے ہر ایک کا مقصد اللہ کی منشاء کو پورا کرنا ہے صرف رنگ وذوق کا اختلاف ہے، اسی طرح تصوف کے بھی چار سلسلے ہیں، جن میں سے ہر ایک کا مقصود اللہ کی معرفت کا حصول ہے، گو کہ ذکر کرنے کے انداز میں اختلاف ہے۔ چاروں سلسلوں میں سے تین، یعنی چشتیہ، قادریہ، اور سہروردیہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہم تک پہنچے۔ اسی طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے۔ نسبت نقشبندیہ اپنے اجمال کے ساتھ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ مشیت ایزدی نے اس کی تفصیلات کو حضرت بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر کھولا۔

حضرت نقشبند بخاری ۷۰۸ھ ہجری میں بخارا کے قریب قصرِ عارفاں میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ دورانِ سلوک حضرت پر چھ مہینے روحانی قبض کی کیفیت طاری

رہی۔ حتیٰ کہ انھوں نے محسوس کیا کہ شاید میرے لیے آگے ترقی کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ بالآخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ بازار میں جا کر بیوی بچوں کے لیے کچھ کما ہی لیتا ہوں۔ لیکن راستے میں ایک مسجد کے دروازے پر ایک شعر لکھا تھا جس کا ترجمہ تھا:

''اے دوست ادھر آ کہ میں تیرا ہوں، بیگانہ مت بن، تو دور کہاں جا رہا ہے؟''

بس اس شعر کو پڑھا تو طبیعت دوبارہ بحال ہوئی اور پھر مسجد میں آ گئے۔ اس حال میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی تو اللہ رب العزت نے الہام فرمایا کہ اے میرے بندے! مانگ مجھ سے کیا مانگتا ہے؟ خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے ایسی نسبت عطا فرما جس کا حصول آسان ہو۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے نسبت کی تفصیلات کو کھول دیا۔

ایک اور واقعہ بھی کتابوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کہیں سے گزر ہوا تو راستے میں ان کو ایک کتا نظر آیا جو نہایت بھوکا اور پیاسا تھا، لیکن معذور ہونے کی وجہ سے کھانے پینے سے محروم تھا۔ خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کی اس مخلوق پر رحم آیا اور انھوں نے چاہا کہ اس کی حاجت پوری کریں لیکن ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ اس کے لیے کھانے کو کچھ خرید سکتے۔ چنانچہ انھوں نے شہر میں کچھ دن مزدوری کی اور جو کمایا اس سے اس کتے کا علاج معالجہ کیا، اسے کھانا پینا پہنچایا۔ اللہ رب العزت کو ان کی یہ رحم دلی اس قدر پسند آئی کہ خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر نسبت شریفہ کی تفصیلات کو کھول دیا۔

چنانچہ خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ رب العزت نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پہلے سولہ اسباق کو کھولا۔ وہ خود فرماتے تھے کہ میں نے حق تعالیٰ سے ایک ایسا طریقہ

پایا ہے جو وصول الی اللہ کے طریقوں میں سب سے زیادہ قریب ترین طریقہ ہے، جس میں نفس کی اصلاح کے ظاہری کھانے پینے کے مجاہدے کم ہیں مگر احکام شریعت کی ہر حال میں رعایت کا مجاہدہ زیادہ ہے۔

یہ نسبت ماوراء النہر سے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے برصغیر میں آئی جہاں یہ امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں منتقل ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حیران کن روحانی استعداد عطا فرمائی تھی۔ اللہ رب العزت نے ان پر اس نسبت کو مزید کھولا، بلکہ علوم و معارف کی بارش چھم چھم برسائی۔ چنانچہ انھوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں انیس اسباق کی تفصیل کا اضافہ فرمایا اور یوں اسباق کی تعداد پینتیس تک پہنچائی، کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تمام سلاسل کی نسبتوں کے جامع تھے، اس لیے ان اسباق میں تمام نسبتوں کے کمالات ایک جگہ پر اکٹھے ہو گئے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے انہی اسباق پر محنت کر کے ہمارے اکابرین نے قرب الٰہی کے اعلیٰ ترین درجات پائے۔ آج کے سالک بھی اگر اخلاص کے ساتھ ان اسباق پر محنت کریں، تو وہ بھی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ فقیر کو ان اسباق کی افادیت پر اس طرح یقین ہے جیسے دو اور دو کے چار ہونے پر یقین ہے۔ رمضان المبارک، ۲۰۱۲ء کے اعتکاف کی خصوصی مجالس کے بیانات میں عاجز نے ان اسباق کو کھولا تاکہ سالکین میں ان مدارج کو طے کر کے ان سے منسلک کمالات و کیفیات کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ پھر عزیزم مصطفیٰ کمال کے ذمہ لگایا کہ ان دروس کو کتابی شکل دی جائے، تاکہ اور زیادہ لوگوں کو ان تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اللہ رب العزت ان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے یہ کام بہت احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ اللہ رب العزت ہمیں اس نعمت کی قدر کرنے اور قرب کی ان

منزلوں کو طے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ؎

عشق تیری انتہا عشق میری انتہا
تو بھی ابھی نا تمام میں بھی ابھی نا تمام

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
کَانَ اللّٰہُ لَہٗ عِوَضًا عَنْ کُلِّ شَیْءٍ

سالکین کیلئے مفید ہدایات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ○﴾ (الاعراف:68)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

سلوک کا راستہ حال ہے، قال نہیں

تصوف وسلوک کا راستہ، حال ہے قال نہیں ہے۔ اس لیے اس کا تعلیمی کورس (Course) نہیں کروا سکتے، کہ ایک مہینے میں یا دو مہینے میں لوگوں کو بلا کر تصوف کو سمجھا دیا جائے۔ یہ حال ہے۔ حال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا اس راستے کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام سلوک رکھا گیا کہ سلوک راستے کو کہتے ہیں اور سالک اس راستے پر چلنے والے کو کہتے ہیں۔ تو اس پر باقاعدہ چلنا پڑتا ہے، قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کا تعلق باتوں سے نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے بعض مشائخ بہت کم بات کرتے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ کسی نے کہہ دیا کہ حضرت! آپ گفتگو فرمائیں، لوگوں کو نفع ہوگا۔ حضرت نے جواب دیا کہ جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا، وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔ پس خاموش رہ کر بھی لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ دلوں کی توجہ دل پر پڑتی تھی۔ تو جیسے مقناطیس لوہے کے ٹکرے پر اثر کرتا ہے، اسی طرح دلوں سے دل اثر قبول کرتے ہیں۔ اعتکاف کی ان مجالس میں، پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ ذکر وسلوک کا معاملہ حال کا ہے، قال کا نہیں ہے۔

اہل حال کے حال کا تذکرہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہم نے مجالس کیوں رکھیں؟ اس کی ایک مجبوری تھی کہ مختلف سالکین اپنے حال اور کیفیات کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں۔ اعتکاف میں بہت دور دور سے آتے ہیں، ہجوم کی کثرت کی وجہ سے رابطہ نہیں ہو پاتا، ہر ایک کو الگ الگ وقت نہیں ملتا۔ اب کیا صورت ہو؟ اس کا یہی حل نظر آیا کہ یہ عوام کا مجمع تو ہے نہیں، فقط سالکین کا مجمع ہے۔ اس لیے اگر ہم اس میں گفتگو بھی کریں گے تو یہ قال نہیں کہلائے گا، بلکہ اہل حال کے حال کا تذکرہ کہلائے گا۔ پس بامر مجبوری ہم نے یہ مجالس رکھیں ہیں۔ چونکہ اکثر سالکین کے مختلف اسباق ہیں، تو کبھی کسی کے سبق کے بارے میں بات ہوگی، کبھی کسی کے بارے میں، تو فائدہ سب کو ہو جائے گا۔ جن کے اسباق ہیں اور ان کے سبق سے متعلق بات ہو تو، سبحان اللہ۔ اور جن کے اسباق کم ہیں، وہ اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ یہ کیفیتیں ہمیں بھی عطا فرما دے۔ مگر صرف بات کو سن لینے سے کبھی یہ نتیجہ اخذ نہ کریں کہ اب ہم نے سلوک سیکھ لیا ہے۔ اس لیے اس کو کھلے ڈھلے لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ یہ حال ہے، کیفیت کا معاملہ ہے۔ جب تک دل کی کیفیت نہیں بدلے گی، لاکھ کتابیں بھی بندے کو فائدہ

نہیں دیتیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانبِ دلدار کن

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ تو خود محرمِ راز تھے، بڑے عالم تھے اور ان کے والد تو اپنے وقت کے بہت بڑے مفتی تھے، تو ان بزرگوں کا یوں کہہ دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ تصوف وسلوک قال نہیں، حال ہے۔

سب سے پہلے عقیدہ ٹھیک کریں (اس راستے کا پہلا قدم)

جو بندہ چاہے کہ میں اللہ رب العزت کی محبت کے اس راستے پر قدم اٹھاؤں تو، سب سے پہلے اس کو اپنے عقیدے کو ٹھیک کرنا پڑے گا۔ جب تک اس کا عقیدہ اہل السنت والجماعت اکابر علمائے دیوبند کے مطابق نہیں ہوگا، اس کا کام نہیں سنورے گا، جتنی ٹکریں مارتا پھرے۔ یہ راستہ بہت کھلا راستہ ہے۔ سب سے پہلے بندہ عقائد کو ٹھیک کرے۔ کچھ لوگوں کو اپنی مرضی کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ کبھی اس امام کی پیروی، کبھی اس امام کی پیروی۔ سالک کو چاہیے کہ ایک امام کے پیچھے مستقل چلے، تقلید کرے جو اکابر کا طریقہ ہے، جس پر امت متفق ہے، اس کے مطابق اپنے عقیدے کو ٹھیک کرے۔ اس سے ہٹ کر کوئی بات ہوگی تو اس راستے کی رکاوٹ ہوگی۔ چنانچہ بدعتی سالک جتنی بھی ٹکریں مارتا پھرے، اس کو اللہ کا وصل نصیب نہیں ہوسکتا۔ چونکہ ہر بدعت ضلالت ہے، اور

﴿كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ﴾ (ابن ماجہ: ۱/ ۳۹)

تو اس لیے سب سے پہلا پوائنٹ (point) یہ ذہن میں رکھیں کہ اپنے عقیدے کو اہل السنت والجماعت اکابر علمائے دیوبند کے مطابق بنائیں۔ یہ

اکابر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تقلید کرنے والے ہیں۔ گو کہ بعض بدعتی لوگ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں، مگر اکابر علمائے دیوبند کا راستہ احتیاط کا راستہ ہے۔ ان کو جہاں بدعت کا شبہ پڑتا ہے وہ اس عمل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ہمارے اکابر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس راستے کو گناہوں کے ساتھ طے نہیں کر سکتے

دوسری بات یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں جو گناہ کرتا ہے، ان سب گناہوں سے سچی توبہ کرنا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ اس راستے کو گناہوں کے ساتھ طے نہیں کر سکتے، گناہوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ جو بندہ گناہ کرتا ہے، وہ نفس کا پجاری ہے، وہ اللہ کا پجاری نہیں ہے۔ زر پرستی، زن پرستی، نفس پرستی، یہ تمام کی تمام بت پرستی کی اقسام ہیں، خدا پرستی کوئی اور چیز ہے۔ جو خدا کی پرستش کرتا ہے، وہ پھر نفس کی پرستش نہیں کرتا۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ گناہ کفر کے قاصد ہوتے ہیں۔ دوبارہ پھر سنیں کہ گناہ کفر کے قاصد ہوتے ہیں۔ جو بندہ گناہوں کا ارتکاب کرے ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ سلوک کے درجے بھی اوپر چڑھتا رہے۔ آپ سفر کر رہے ہیں۔ اب آگے ایک ٹی جنکشن (T-junction) آجاتا ہے، دائیں مڑ سکتے ہیں یا بائیں۔ تو آپ کو دو میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دائیں بھی اور بائیں بھی آپ موڑ لیں گے۔ لہٰذا اب ہمارے پاس دو راستے ہیں: ایک خدا کا راستہ، دوسرا نفس کا راستہ۔ ہمیں ایک طرف موڑ لینا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ لینگے، اس کی طرف رخ پھیرینگے۔ تو سو فیصد گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پھر کبھی گناہ کا صدور ہی نہیں ہو سکتا۔ انسان ہے، زندگی میں احتمال ہر چیز کا ہے، مگر نیت تو بندے کی

ہو کہ مجھے گناہ نہیں کرنا۔ جب انسان یہ عہد کرتا ہے، تو پھر اللہ رب العزت راستے کو آسان کرتے ہیں۔

آپ یوں سمجھیں کہ ہم ایک گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور گھر کے دروازے پر آگے بندے کھڑے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ تم ہمارے دوست ہو یا دشمن ہو؟ ہم دوستوں کو اندر جانے دیں گے، دشمنوں کو باہر رکھیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دوست ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اچھا جو ہماری سب باتیں ہیں کیا تم ان کو مانتے ہو یا ان کی مخالفت کرتے ہو؟ ہم کہتے ہیں جی ہم تو باہر ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، مخالفت کرتے ہو تو پھر ہمارے گھر میں کیسے آرہے ہو۔ ؎

کہ بروں چہ کار کردی
کہ درون خانہ آئی

(تم باہر کیا کرتے پھرے کہ میرے گھر میں آنا چاہتے ہو)

اس لیے گناہ سے سچی توبہ کرنا ضروری ہے۔ اختیاری نہیں ہے، واجب ہے۔ ہم اگر گناہ بھی کرتے رہیں گے اور ساتھ ساتھ سلوک بھی سیکھنے کی کوشش کریں گے۔ تو ہم اپنی زندگی کا وقت ایسے ہی گزار دیں گے، دھکے کھاتے پھریں گے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ کہتے ہیں کہ جی ہمیں تو ملا ہی کچھ نہیں۔ لیکن اس کی وجہ کیا تھی؟ گناہ تو چھوڑے نہیں۔ گناہ چھوڑتے تو کچھ ملتا! اس لیے دوسرا قدم گناہوں سے سچی توبہ کرنا ہے۔

بنا ارادے گناہ کا بھی نقصان

انسان جسم کے مختلف اعضاء سے گناہ کرتا ہے۔ مثلاً آج کے زمانے میں آنکھ سے بہت گناہ ہوتے ہیں۔ اب آنکھ سے ایک گناہ تو یہ ہوتا ہے کہ غیر محرم کو دیکھا چلتے

ہوئے۔تو غیر محرم پر نظر کا پڑنا، یہ حرام ہے۔آپ جان بوجھ کر نظر ڈالیں تو بھی نقصان اور بنا ارادے کے بھی نظر ڈالیں بار بار پھر بھی نقصان۔

ہمارے ایک بزرگ تھے، حضرت صوفی محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں ذکر وسلوک کے راستے میں چل رہا تھا اور میری بڑی اچھی کیفیات تھیں۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد میری کیفیات ختم ہوگئیں۔میں مراقبہ بھی کروں، تہجد بھی پڑھوں، ہر چیز کی پابندی بھی کروں، مگر اثر کوئی نہیں۔کہنے لگے، چھ مہینے اپنی کوشش کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اپنا حال شیخ کو بتانا چاہیے۔شیخ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ غور کرو کوئی نہ کوئی گناہ آپ سے سرزد ہو رہا ہے۔یہ شیخ کی دعا کی برکت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقت حال کو کھول دیا۔ان کو احساس ہوا کہ جو ہمارے ہمسائے میں لوگ رہتے ہیں، ان کی بیٹی بچپن سے گھر آتی ہے، اور ہم اپنی بیٹی کی طرح اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔اب وہ لڑکی کچھ وقت سے بالغہ ہوگئی تھی اور اس کی طرف نظر کرنا شرعاً حرام تھا، انہیں اس بات کا دھیان ہی نہیں تھا کہ یہ چھوٹی بچی کی طرح گھر آتی ہے، بیٹھتی ہے، ہم اسے اپنے بچوں کی طرح دیکھتے ہیں۔یہ گناہ تھا جس نے ان کی ساری کیفیات کو زائل کر دیا تھا۔

اب ان کا گناہ کرنے کا ارادہ تو نہیں تھا، مگر زہر ارادے سے کھائیں، یا بغیر ارادے کے کھائیں، اثر تو دونوں طرح سے ہوتا ہے۔اسی طرح گناہ کا اثر تو ہوتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ ارادۃً گناہ بہت زیادہ ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔جبکہ بنا ارادے کے گناہ کیا جائے تو معافی مانگنے سے بہت جلدی معافی مل جاتی ہے۔

بے طمع ہو جائیں!

غیر محرم سے اپنی نگاہوں کی حفاظت۔ شریعت کا حکم ہے اگر اچانک نظر پڑ گئی، تو انسان آنکھ کو بند کرلے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کا پردہ اتنا چھوٹا اور جلدی بند ہونے والا بنایا ہے، کہ اس کا بند ہونا ضرب المثل بن گیا کہ جی پلک جھپکنے کی دیر ہے۔ یعنی اتنی تھوڑی سی دیر میں، اور کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ رب کریم جانتے ہیں کہ میرے بندے بہانہ بنائیں گے۔ ہم تو آنکھ بند کرنا چاہتے تھے۔ گیٹ بند کرنے میں دیر بڑی ہوگئی۔ تو اللہ رب العزت نے آنکھ کے پردے کو ایسا بنایا کہ ارادہ ہوا اور آنکھ بند۔ تو فرمایا کہ بس تم غیر محرم سے آنکھ بند کرو، دوسری مرتبہ دیکھو گے تو گناہ ہوگا۔

گناہوں سے مکمل پرہیز کا ارادہ کریں۔ جو گناہوں سے بچتے ہیں ان پر اللہ کی رحمت ہے، جو نہیں بچتے وہ آج سے بچنے کا مصمم ارادہ کرلیں۔ اس نکتے پر بھی غور کریں کہ گناہوں کا انجام حسرت وندامت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بقول شاعر

لمحوں نے خطائیں کیں، صدیوں نے سزا پائی

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

"غیر محرم کے چہرے تو مختلف ٹھپے ہیں، اللہ نے ایک سے ایک کو الگ بنایا ہے۔"

تو غیر محرم کے فتنے سے بچنے کا حل یہ ہے کہ ان سے بے طمع ہو جائیں! بہت سارے نوجوان پوچھتے ہیں کہ ہم سے نظر کنٹرول نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں ہوس اور طمع ہوتی ہے۔ اس ہوس کی وجہ سے آنکھ قابو میں نہیں آتی۔ آپ آج عہد کرلیں کہ مجھے گناہ نہیں کرنا، کسی غیر عورت کو ہاتھ نہیں لگانا۔ بے طمع ہو جائیں

پھر غیر محرم کو دیکھنے کو دل ہی نہیں کرے گا، دل کہے گا یہ موٹی ہے پتلی ہے، کسی اور کی ہے، ہمارا حق نہیں ہے۔

دوسری شادی کا شوق

بیرونِ ملک میں ایک مرتبہ مسجد میں یہ عاجز حاضر ہوا تو چند اپنے ہی ذکر وسلوک والوں کی مجلس جمی ہوئی تھی۔ ویسے ہی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ماشاءاللہ تقریباً سارے ہی شادی شدہ تھے۔ جبکہ دوسری شادی کا موضوع چل رہا تھا۔ لگتا ہے کہ یہ مردوں کا بڑا پسندیدہ موضوع ہوتا ہے۔ چونکہ ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ پوتے کا نکاح ہو رہا ہوتا ہے تو باپ کی بھی تمنا ہوتی ہے اور دادے کی بھی کہ اس وقت میرا بھی نکاح ہو رہا ہوتا۔ اللہ پاک نے مرد کی ایسی ہی فطرت بنائی ہے۔ بہرحال اس مجلس میں سارے نیک لوگ، تہجد گزار اور سالکین تھے، مگر وہ آپس میں بات کر رہے تھے کہ دوسری شادی سنت ہے اور سنت پہ عمل کرنا باعث اجر ہے۔ بڑی دلیل ان کے پاس یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کا تذکرہ ہی دو سے شروع کیا ہے ﴿مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (النساء: ۳) تو اللہ تعالیٰ نے شادی کی بات ہی دو سے کی ہے، تو اس تعلیم پہ عمل کرنا چاہیے۔

خیر مجھے وہاں بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ اب عاجز نے ان کی بات سنی، پھر اس کے بعد جو ان میں سے جو شخص اس بات کا زیادہ حامی تھا، عاجز نے اس سے کہا کہ ٹھیک ہے آپ سنت پہ عمل کریں مگر کامل سنت پہ عمل کریں۔ کہنے لگا: کیسے؟ عاجز نے کہا: دیکھیں! پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کی جو شادی ہوئی تو وہ بیوی پہلے کنواری تھی پھر آپ کے نکاح میں آئی۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں صرف ایک ہی ایسی بیوی تھیں جو کنواری حالت میں آئی تھیں، باقی یا تو بیوائیں تھیں یا مطلقہ عورتیں تھیں۔ اس لیے پہلی بات تو

یہ ہے کہ اگر دوسرا نکاح کرنا ہے تو پھر کوئی بیوہ ڈھونڈنا۔ اب ان کی نظر تو سولہ سال کی لڑکی پہ تھی۔ یہ بھی اللہ کی عجیب شان ہے کہ مرد کی عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے اس کی شادی کی جو پسند ہوتی ہے اس لڑکی کی عمر گھٹتی جاتی ہے۔ اس لیے آپ سنتے ہیں کہ فلاں اسی سال کے بوڑھے نے سولہ سال کی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ تو اس عاجز نے کہا کہ پہلی بات تو آپ یہ کریں کہ آپ کسی بیوہ سے شادی کریں۔ پھر جب سنت پر ہی عمل کرنا مقصد ہے تو پھر سنت بھی تو کامل ہونی چاہیے۔ کہنے لگا: ہاں! عاجز نے کہا: دیکھیں! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو پہلا نکاح ہوا، چلیں ہم آپ سے اسی سنت پہ عمل کرواتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں جو خاتون آئیں وہ پہلے دو خاوند کے پاس رہ چکی تھیں، تو آپ بھی پھر کامل عمل کریں، آپ صوفی ہیں تو ایسی بیوہ ڈھونڈیں جو ماشاء اللہ دو خاوندوں سے بیوہ ہوں۔ اب ان کا چہرہ ذرا بجھ گیا۔ پھر عاجز نے کہا: تیسری بات ایک اور بھی ہے کہ وہ عمر میں بھی آپ سے پندرہ سال بڑی ہونی چاہیے۔ اب اگر یہ تین باتیں ہو گئیں تو پھر سنت ہے، ان شاء اللہ میں ہی آپ کا نکاح پڑھا دوں گا۔ مگر ان باتوں کو سننے کے بعد مجلس والوں نے کہا کہ جی ٹھیک ہے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آج کے بعد ہم دوسری شادی کے بارے میں نہیں سوچیں گے۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ لیکن مزے کی بات یہ تھی کہ اگلے دن ان ساتھیوں کے بڑے آئے اور کہنے لگے کہ حضرت! جب سے ہم نے دوسری شادی کا خیال چھوڑا ہے، اپنی بیوی بہت اچھی لگنے لگ گئی ہے۔

یہ تو انسان کی فطرت ہے، طمع چھوڑے گا تو آنکھ بند ہو گی۔ جب تک دل میں طمع ہے، آنکھ بند نہیں ہو سکتی۔ آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ خاوند ناراض ہوتا ہے، بیوی بن سنور کے سامنے بیٹھی ہوتی ہے لیکن وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتا۔ کیا وہ مرد نہیں

ہے؟ کیا یہ عورت نہیں ہے؟ کیا دونوں کو تنہائی میسر نہیں ہے، مگر دل تھوڑا سا خفا ہے ،پس بیوی کی طرف نہیں دیکھتا۔اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم ذرا مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو نظروں کی حفاظت نہیں ہو پاتی۔اس کی بنیادی وجہ غیر محرم کی ہوس اور حرص ہوتی ہے۔اس حرص کو ختم کریں، دل سے یہ فیصلہ کرلیں کہ بس اللہ تعالیٰ نے ہمیں نکاح میں جو عورت دے دی ہے، ہماری زندگی کی ساتھی ہے، الحمد للہ ہمارے لیے کافی ہے۔بس آپ مطمئن ہو جائیں گے۔اس طرح نوجوان لوگ اپنی آنکھوں کو آسانی سے کنٹرول کر سکتے ہیں۔

اور پھر ایک بات یہ بھی سوچیں کہ ان چہروں کو دیکھ دیکھ کر ہم اللہ تعالیٰ سے دور رہیں، یہ ہمارا کتنا بڑا نقصان ہے! رب سے دور، اللہ سے دور، اللہ اکبر! اس لیے آنکھ کے گناہ کو چھوڑنا مشکل سہی، ناممکن نہیں ہے۔

دوسری بڑی مصیبت یہ ہے کہ بعض گھروں میں ٹی وی ہوتا ہے۔آجکل تو اکثر خاوند اپنی بیوی کا چہرہ اتنا نہیں دیکھتے جتنا ٹی وی کا چہرہ دیکھتے ہیں۔اور پھر بہانے کیا بناتے ہیں کہ خبریں سننی ہوتی ہیں، اور خبروں کے نام پہ غیر محرم لڑکیوں کو دیکھتے ہیں۔

انٹرنیٹ کی مصیبت۔ایک حافظ قرآن کا واقعہ

تیسری بڑی مصیبت کا نام ہے انٹرنیٹ (Internet)۔اس سے اتنا دل دکھا ہوا ہے کہ اگر ہم کہیں کہ دنیا میں کس چیز نے ہمیں سب سے زیادہ دکھ دیا تو شاید اسی کا نام آئے۔کسی انسان نے اتنا دکھ نہیں دیا جتنا سیل فون یا انٹرنیٹ نے دل کو دکھ دیا ہے۔جس کو دیکھو اس بیماری میں مبتلا ہے۔۔۔اللہ اکبر، قسمت سے ہی کوئی بچتا ہے۔ چنانچہ عاجز کے پاس ایک حافظ صاحب آئے جو ہر سال مکمل قرآن سنانے والے اور

بلا ناغہ تہجد پڑھنے والے تھے۔ بیوی بھی عالمہ تھی، تہجد قضا نہیں ہوتی تھی، تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوتی تھی، ذکر و سلوک میں دو تین سال سے محنت کرنے والے تھے۔ رونے لگ گئے۔ پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگے: بس آج توبہ کی نیت سے آیا ہوں۔ پوچھا کہ ہوا کیا؟ کہنے لگے کہ فرنیچر کا بزنس کرتا ہوں۔ کوٹیشن بنانے کے لیے کچھ ویب سائٹس دیکھ رہا تھا۔ ایک اشتہار آ گیا۔ مجھ پر شیطانیت غالب آئی تو میں نے کہا: دیکھوں تو یہ کیا ہے؟ ایک ایسے کلب کی ویب سائٹ پہ پہونچ گئے جہاں گوری عورتیں ننگی ہوتی ہیں۔ کہنے لگے: بس ایک گھنٹہ دل نے بھی ملامت کی، مگر میں نے دیکھا بھی۔ اب دوسرے دن وقت نہیں گزر رہا تھا۔ ایک سال گزر گیا، میں سب سے چھپ کے روزانہ ایک گھنٹہ یہ تصویریں دیکھتا ہوں۔ آج آپ کا بیان سنا تو دل میں بات آئی کہ اللہ کے ساتھ دوغلہ پن نہیں کر سکتا، ہم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے ہیں۔ میں اس طرح تو آگے قدم نہیں بڑھا سکتا۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ میں اس گناہ سے آج سچی توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب ذرا غور کیجیے کہ شادی شدہ، تین بچوں کا باپ جس کی بیوی عالمہ ہے اور میاں بیوی آپس میں بھی بہت خوش ہیں، مگر پھنس گیا۔

تو اس لیے جو نوجوان کمپیوٹر پہ کام کرنے والے ہیں وہ بالخصوص اس بات کو سنیں کہ انٹرنیٹ اصل میں ''انٹر اِن ٹو دی نیٹ'' (Enter into the net) ہے۔ آپ انٹرنیٹ سے کنیکٹ (Connect) ہوئے، آپ نیٹ (یعنی جال) کے اندر چلے گئے۔ اب اللہ ہی اس جال سے نکالے۔

تو ٹی وی کے ذریعہ دیکھنا، راستہ چلتے دیکھنا، انٹرنیٹ پہ دیکھنا، بات سب ایک ہے کہ غیر محرم کو ہی دیکھ رہے ہیں۔ اور اس کو دیکھنے سے دل کے اوپر ظلمت آتی ہے، ہر ہر نگاہ دل کے اوپر ظلمت کا غلاف چڑھاتی ہے۔ پہلے تو اس سے بچنے کی کوشش کریں،

اللہ سے دعائیں بھی مانگیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ایک دستور ہے کہ جو بندہ گناہ چھوڑتا ہے، اللہ اس کے بدلے اس کو اس کی امیدوں سے بڑھ کر اجر اور بدلہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جو شخص غیر محرم پر نظر ڈالنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندہ کو عبادت میں لذت عطا فرما دیتے ہیں۔ تو ذکرِ قلبی سے بڑھ کر عبادت کی لذت اور کیا ہوگی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر قلبی اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک کہ نگاہ کی حفاظت نہیں ہوگی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نگاہ بھی بد پرہیزی کرتی رہے اور عبادت کی لذت بھی مل جائے۔

''ایں خیال است و محال است و جنوں''

جھوٹ سے بچیں!

اس کے بعد زبان کا گناہ ہے۔ زبان کے گناہوں میں ایک تو جھوٹ ہے۔ جھوٹ اتنا عام ہوگیا ہے کہ ایسے لگتا ہے کہ شاید جھوٹ کو جھوٹ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ آج کے دور میں بدبخت شیطان نے جھوٹ کی نفرت کو کم کرنے کے لیے اس کا نام بہانہ رکھ دیا ہے۔ چنانچہ لوگ جھوٹ کا نام نہیں لیتے، کہتے ہیں کہ میں نے بس ایک بہانہ کر دیا۔

......بیوی کہتی ہے کہ میں نے خاوند کے سامنے بہانہ کر دیا۔

......خاوند کہتا ہے کہ میں نے بیوی کے سامنے بہانہ کر دیا۔

......شاگرد کہتا ہے کہ میں نے استاد کے سامنے بہانہ کر دیا۔

یہ بہانہ کیا ہے، کبھی سوچا؟ یہ سو فیصد جھوٹ ہے، تو اس کو بہانہ نہ کہیں۔ اس کو جھوٹ ہی کہیں تاکہ دل میں نفرت تو آئے۔ یہ شیطان کی چال ہے کہ جھوٹ کی نفرت

کو گھٹانے کے لیے اس کا نام بہانہ رکھ دیا۔ اور جھوٹ اتنا عام ہوتا جا رہا ہے کہ اللہ اکبر! انسان کئی مرتبہ بے لذت گناہ کرتا ہے۔ یعنی ایسا جھوٹ جس میں نفع بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ "میں ایک سکنڈ میں ابھی آتا ہوں"۔ اب بتائیں: ایک سیکنڈ میں کوئی آسکتا ہے؟ اب جس نے بھی کہا: "ایک سیکنڈ میں آتا ہوں" وہ جھوٹ ہے۔ یہ کہنا کہ بس میں ایک منٹ بعد فون کروں گا۔ ایک منٹ تو فون بند کرنے میں لگ جائے گا۔ تو اس قسم کی باتیں جو ہم کہہ جاتے ہیں مگر جھوٹ ہوتی ہیں، ان کا بھی دل پر اثر ہوتا ہے۔ اس لیے احتیاط کرنی چاہیے کہ خلافِ واقعہ کوئی بات زبان سے نہ نکلے۔

چنانچہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق پر پہنچ کر عاجز کو فرمایا کہ اب آپ اس پر محنت کریں کہ زبان سے جھوٹ نہ نکلے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا کہ تم سچ بولو، بلکہ میں نے کہا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ کیونکہ کئی مرتبہ بندہ سچ تو بول رہا ہوتا ہے، معاملہ جھوٹ کا کر رہا ہوتا ہے۔ اسی لیے جو مکارم اخلاق ہیں، اس میں بھی دو نکتے ہیں، سچ بولنا اور سچائی کا معاملہ کرنا۔ یہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ تو کئی مرتبہ انسان سچ بول کے بھی جھوٹ کا معاملہ کر لیتا ہے۔ الفاظ سچ ہوتے ہیں مگر كَلِمَةُ الْحَقِّ يُرِيْدُ بِهَا الْبَاطِلَ والا معاملہ ہوتا ہے۔

ہم اس لیے جھوٹ بولتے ہیں کہ اگلا بندہ ناراض نہ ہو، اس کو عیب کا پتہ نہ چلے۔ لیکن اگر ہمیں اس بندے کا اتنا ڈر ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی تو ہمارا جھوٹ سنا ہے، تو اللہ پاک کا ڈر کیوں نہیں؟ یعنی اس بندہ کے ڈر کی وجہ سے جھوٹ بول رہے ہیں کہ اس کو پتہ چل جائے گا حقیقت کا، یہ بندہ خفا ہو جائے گا، تو بھئی جس کو پہلے سے پتہ ہے کہ ہم نے کیا بولا اور جو جانتا ہے پروردگار، ہم اس کا ڈر کیوں نہیں دل میں رکھتے؟ ایک جھوٹ بولنے کے بعد پھر اس کو چھپانے کے لیے دوسرا جھوٹ بولنا پڑتا ہے، پھر دو

جھوٹ بول جاتے ہیں تو ان کو چھپانے کے لیے تیسرا جھوٹ بولنا پڑتا ہے اس طرح جھوٹ کا یہ سلسلہ چل پڑتا ہے۔ یاد رکھیں کہ جھوٹ جتنا تیز دوڑے، سچ بالآخر اس کو پکڑ لیتا ہے۔ اس لیے سچ کو اپنائیں۔ کئی مرتبہ سچ ناگوار ہوتا ہے، مگر حقیقت وہی ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی غلطی ہو گئی تو ماننے لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے، مگر جھوٹ سے بچیں۔

چونکہ روایت میں آتا ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے جس کی وجہ سے فرشتے دو میل اس سے دور چلے جاتے ہیں۔ منہ سے بدبو نکلنے کی بات تو حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔ اگر جھوٹ بولنے والے کے منہ سے بدبو نکلتی ہے اور فرشتے دور چلے جاتے ہیں تو پھر ایسا بدبودار بندہ اللہ کے قریب کیسے ہو سکتا ہے؟ جھوٹ کو چھوڑنے پر نظر رکھیں، دیکھیں کہ کون سی بات میں ایسا کرتا ہوں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہے، مزید برآں مجھے جھوٹ کیوں بولنا پڑتا ہے؟ ایسا کام ہی نہ کریں کہ جھوٹ بولنا پڑے۔

عاجز نے ایک مرتبہ کسی بزرگ سے پوچھا کہ حضرت! کوئی طریقہ بتا دیجیے کہ انسان مستجاب الدعوات بن جائے۔ عمر چھوٹی تھی، اسکول کی عمر تھی۔ وہ پہلے تو دیکھ کر ہنسے، پھر فرمانے لگے: بچے قریب آؤ، تو عاجز قریب گیا۔ فرمانے لگے: جس کی زبان سے ہمیشہ سچ نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو سچ کر دیتے ہیں۔ دوبارہ سنیے! جس زبان سے ہمیشہ سچ نکلتا ہے، اس زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو اللہ سچ فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

غیبت سے بچیں!

ایک تو جھوٹ سے بچیں دوسرا غیبت سے بچیں، چوں کہ یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔

﴿اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا﴾ (شعب الایمان۔ البیہقی ۵/۳۰۶)

''یہ زنا سے بھی زیادہ برا گناہ ہے''

غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ بندہ سے بھی معافی مانگنی پڑتی ہے ورنہ قیامت کے دن اس کے بدلے نیکیاں دینی پڑیں گی۔ اس گناہ سے بچنے کا آسان طریقہ ہے کہ آپ غائب کا تذکرہ ہی نہ کریں۔ یعنی جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں، سامنے ہیں، بس آپس کی بات کریں اور اگر کسی تیسرے بندہ کا تذکرہ ہو بھی جائے تو اچھے الفاظ میں ہو۔ جہاں آپ دیکھیں کہ اچھے الفاظ میں ذکر نہیں ہوا تو آپ اس کی تعریف کریں۔ مثلاً کسی نے کسی کے بارے میں ناگوار بات کر دی، آپ جواب میں کہیں کہ بھئی! وہ تو نمازی آدمی ہے، یا یہ کہیں کہ وہ تو بہت سمجھدار آدمی اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ کوئی نہ کوئی خوبی تو اس بندہ میں ہوگی۔ اگر آپ نے جواب میں اس بندہ کی کسی خوبی کا تذکرہ کر دیا تو آپ اس غیبت کرنے والے کے ساتھ شامل نہیں ہیں، متفق نہیں ہیں۔ یہ آسان کام ہے، مثلاً یہ کہہ دینا کہ وہ بچوں کا بڑا خیال رکھتا ہے، اس نے بیوی کو بڑا خوش رکھا ہوا ہے، وہ دوستوں کا تو بڑا اچھا دوست ہے، یا وہ بڑا اچھا کاروباری ہے، کوئی تو اس میں اچھائی ہے۔ اگر کسی نے برا تذکرہ کیا اور آپ سن کے خاموشی اختیار کریں گے، تو پھر متفق ہوں گے۔ فوراً اس کی کوئی اچھائی بیان کریں۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ اس غیبت کرنے والے کو کہیں کہ آپ نے ایسی بات کیوں کہی ہے؟ افضل درجہ تو یہی ہے۔ مگر کئی مرتبہ بندہ بات نہیں کر پاتا۔ دوسرا

طریقہ یہ ہے کہ اس کی کوئی اچھائی بیان کر دیں۔ چنانچہ جھوٹ سے بچیں اور غیبت سے بچیں۔

سیل (Cell) فون نہیں یہ ہیل (Hell) فون ہے

زبان سے متعلقہ تیسرا گناہ جو اس زمانہ میں عام ہو گیا ہے وہ ہے غیر محرم سے باتیں کرنا۔ یہ بھی حرام ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا غیر محرم کی بات سننا ہے اور زبان کا زنا غیر محرم سے بات کرنا ہے۔

یہ سیل فون اتنا غلط استعمال ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ! جتنی دیر بات ہوتی ہے، زنا کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ ہم نے تو یہاں تک سنا کہ لوگ طواف بھی کر رہے ہیں اور جس سے ناجائز تعلق ہے، اس کو طواف کے دوران طواف کی صورتِ حال بھی بتا رہے ہیں کہ اب میں رکن یمانی کے سامنے سے گزر رہا ہوں، اب اتنے چکر لگ گئے، آج اتنا رش ہے۔ طواف بھی کر رہے ہیں اور ٹیلیفون پہ باتیں بھی کر رہے ہیں۔ یہ ایک عجیب مصیبت ہے۔ اسی لیے اس سیل فون کو ہمیشہ ہیل فون (Hell phone) یعنی دوزخ کا فون سمجھا کریں کہ یہ بندہ کو جہنم میں بہت جلدی لے کر جائے گا۔ قسمت والے ہیں جو بچیں گے۔

پھر پیغام (sms یعنی messages) لکھنا، غیر محرم کی طرف ہاتھوں کا زنا ہے۔
غیر محرم کے پیغام پڑھنا، آنکھوں کا زنا ہے۔
باتیں کرنا زبان کا زنا ہے۔ تو ان سب سے توبہ کریں۔

سوچ کے گناہ سے بچیں!

پھر انسان دماغ کے گناہ سے بچے۔ دماغ کا گناہ کیا ہوتا ہے؟ کہ ذہن میں کوئی

برا خیال آیا اور اس خیال کو ہی آگے سوچنا شروع کر دیا۔ اگر وہ غیر محرم کا خیال ہے تو یہ دماغ کا زنا ہے، سوچ کا زنا ہے۔ اور اس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں زیادہ ملوث ہوتے ہیں۔ شاید وہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا تو کوئی پاس ہے ہی نہیں۔ اس کو فینٹیسی (Fantasy) کہتے ہیں۔ فینٹیسی کے گناہ سے دل پر براہ راست ظلمت آتی ہے۔ اگر کسی نے غیر محرم کو دیکھنے کا گناہ کیا تو پندرہ سکنڈ کے لیے دیکھا، پھر وہ چلی گئی۔ لیکن تصور تو آدھا گھنٹہ، پونا گھنٹہ، ایک گھنٹہ چل رہا ہے۔ جتنی دیر غیر محرم کا خیال دماغ میں چل رہا ہے، اتنی ہی دیر دل کے اندر ظلمت آ رہی ہے۔ تصوف کے میدان میں تصوراتی گناہ سب سے بڑا گناہ ہے، جو دل کو سیاہ کرتا ہے۔ ہم برے خیالات سے بچ نہیں سکتے، وہ تو آئیں گے، مگر ہم اس کو جھٹک تو سکتے ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ تم جھٹک دو۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھایا کرتے تھے کہ ٹریفک پولیس کا ایک آدمی چوراہے پر کھڑا ہوتا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ٹریفک جام نہیں ہونے دینی۔ لہٰذا دائیں طرف سے ٹریفک آتی ہے تو وہ بائیں طرف اور بائیں سے ٹریفک آتی ہے تو دائیں طرف بھیج دیتا ہے، آگے سے آتی ہے تو پیچھے اور پیچھے سے آتی ہے تو آگے کو چلاتا رہتا ہے۔ جب تک ٹریفک اپنی اپنی جگہ چلتی رہے گی، وہ ایک کامیاب ٹریفک کنٹرولر سمجھا جائے گا، اس کو انعام بھی ملے گا، تنخواہ بھی ملے گی۔ وہی بندہ اگر چوراہے پہ کھڑا ہو اور جو گاڑی چوراہے پر آ کر رک جائے، اس کو پوچھے ہی نہ، تو اس طرح ٹریفک جام ہو جائے گی، ہو سکتا ہے اس کو نوکری سے ہی نکال دیا جائے۔ تو دماغ بھی چوراہے کی مانند ہے، اس میں نیک خیال بھی آتے ہیں، برے بھی آتے ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ نیک خیال ہے تو بے شک سوچو اور اگر برا ہے تو ذہن سے

جھٹک دو، جمنے نہ دو۔ ایک اصول کی بات یاد رکھیں کہ برا خیال ذہن میں آجانا برا نہیں ہوتا، برے خیال کو ذہن میں لانا اور دل میں جمانا، یہ برا ہوتا ہے۔ چونکہ خیال کا آنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ہر طرح کے خیال آتے ہیں۔ اور خیالات کا آنا بھی اللہ کی قدرت ہے اور اللہ کی نعمت ہے۔ مثال کے طور پر آپ کو بیوی نے کہا کہ مجھے افطاری کا سامان بنانا ہے تو آپ ذرا بازار سے فلاں فلاں چیزیں لے آئیں۔ آپ گھر سے نکلے اور راستہ میں پندرہ بیس سال پرانے، ایک اسکول کے زمانہ کا دوست مل گیا، آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ کو بڑا اچھا لگا۔ آپ اس سے حال احوال پوچھنے لگے، بات چیت کرنے لگے، مگر جب آپ اس سے بات کر رہے ہیں تو آپ کے دل میں بار بار خیال آرہا ہے کہ مجھے گھر میں چیزیں پہنچانی ہیں۔ ہر دو چار منٹ بعد آپ اگلی بات کرتے ہیں، پھر دل میں خیال آتا ہے کہ سامان پہنچانا ہے۔ اگر یہ خیال نہ آتا اور آپ جس خیال میں لگے ہیں وہی ہوتا تو آپ کو تو وہیں کھڑے افطاری کا وقت ہو جاتا اور گھر آتے تو آپ کی افطاری بہت اچھی ہوتی۔ یہ اللہ کی رحمت ہے ہم کسی کام میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر ہٹ ہٹ کے خیال آتا رہتا ہے کہ آپ نے ائیر پورٹ پہ جانا ہے آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اب میں بات کو مکمل کرتا ہوں مجھے جانا ہے۔ اللہ کی رحمت ہے بار بار خیال کا آنا۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ خیالات آئیں گے، اچھے بھی آئیں گے، برے بھی آئیں گے، مگر ہوتا یہ ہے کہ مبتدی کو برے خیال زیادہ آتے ہیں، اچھے تھوڑے آتے ہیں اور جب سالک اپنے آپ پر محنت کر لیتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اچھے خیال آتے ہیں، برے خیال آتے ہی نہیں۔ الحمدللہ سوچ بالکل پاک ہو جاتی ہے، لیکن بقول شخصے:

مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

پیٹ کے گناہ سے بچیں!

اسی طرح پیٹ کے گناہ ہوتے ہیں۔انسان کئی مرتبہ بازار کے بنے بنائے کھانے اور بنی بنائی چیزیں کھانے کا عادی ہوتا ہے۔کس نے بنایا، اس میں کیا کیا ڈالا گیا اس کا پتہ کرنا ہمارے اوپر فرض ہوتا ہے۔جو کھانا ہم کھاتے ہیں، اس کھانے کا ایک فرض ہے۔کھانے کا فرض یہ ہے کہ جو منہ میں جا رہا ہے، وہ حلال ہے یا نہیں؟ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے تو کھا لیا تھا ہمیں کیا پتہ کہ وہ حلال نہیں تھا۔نہیں، شریعت پوچھتی ہے کہ کھانے سے پہلے تم نے پتہ کیوں نہیں کیا کہ یہ حلال ہے یا نہیں؟ ہم اس بات کے پابند ہیں کہ صرف حلال کھائیں۔تو ایسی چیزیں جو مشتبہ ہو سکتی ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

چونکہ بہت مختلف جگہوں کی بنی ہوئی چیزیں آتی ہیں کئی ملکوں کی بنی ہوئی، کافروں کی بنی ہوئی، آجکل تو ماشاء اللہ مشرق کی چیز مغرب میں بکتی ہے، مغرب کی چیز مشرق میں بکتی ہے، تو اس کا بھی بڑا خیال رکھیں۔بازار سے کوئی کھانے کی چیز خریدنا چاہتے ہیں مثلاً بسکٹ یا کوئی اور چیز تو اس کے لیبل (Label) کو ضرور پڑھیں کہ اس کے اندر جو اجزاء ہیں وہ حلال ہیں یا نہیں؟ اس کی فکر رکھا کریں۔یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جو چیز ہاتھ میں آگئی کھالی اور پیٹ کو ایک بوری بنایا ہوا ہے۔بلکہ آج کل کے بعض سالکین نے پیٹ کو کچرے کی ٹوکری بنایا ہوا ہے۔پیٹ میں اگر حرام چلا جائے تو انسان کی محنت ضائع ہوتی ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کسی دعوت میں شریک ہو گیا۔مجھے پتہ نہیں تھا مگر جو کھانا وہاں تھا وہ مشتبہ تھا اور میں نے کھا لیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ میری ساری کیفیات ضائع ہو گئیں۔میں بہت پریشان تھا، توبہ تائب ہوا، اللہ

سے معافی مانگی، اور بالآخر میں اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بتایا کہ حضرت! میرے ساتھ یہ ہوا ہے۔ حضرت نے بھی افسوس کا اظہار کیا، مگر ساتھ کہا کہ آپ میرے پاس آنا میں روزانہ آپ کو توجہات دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں جاتا اور حضرت مجھے توجہ دیتے۔ اور ایسی توجہ کہ ہاتھی پہ ڈالی جاتی تو وہ بھی متاثر ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ میں چالیس دن شیخ کے پاس جا کر توجہ لیتا رہا، ایک مرتبہ کھانے کی ظلمت تب دل سے دور ہوئی ہے۔ اگر ایک مرتبہ کی ظلمت چالیس دن کی توجہ سے دور ہوتی ہے، تو سوچیے ہمیں مشتبہ غذا سے بچنے کا کتنا خیال رکھنا چاہیے۔

اس لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غلام نے ایک ایسا ہی کھانا کھلا دیا تھا تو انہوں نے منہ میں انگلی ڈال ڈال کے قے کی تھی۔ کسی نے کہا کہ اتنا اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالا۔ فرمایا کہ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ کھانے کے ساتھ میری جان بھی نکل جائے گی تو میں پھر بھی کھانے کو نکال کے چھوڑتا۔ سبحان اللہ! تو اس کا بھی بہت خیال رہے کہ ہم جو چیز کھا رہے ہیں وہ حلال اور طیب ہو۔ ہمارے مشائخ تو اس سے بھی زیادہ احتیاط کرتے تھے کہ نمازی کے ہی ہاتھ کا کھانا کھاتے تھے، بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے کہ اس سے بھی ظلمت آتی ہے۔ اللہ اکبر!

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اسی طرح ہاتھ پاؤں سے گناہ نہ ہوں۔ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

...... کسی کا مال غصب نہ کریں۔

...... کسی کو دکھ نہ پہنچائیں۔

...... برائی کی طرف چل کر نہ جائیں۔

جب ہم ان سب اعضا کے گناہوں سے توبہ تائب ہو جائیں گے پھر ہم تائب کہلائیں گے۔

اگر ہم آج بیٹھ کر خود اپنا جائزہ لیں یا اپنا امتحان لیں کہ کیا ہماری آنکھیں مسلمان ہیں؟ جو آنکھ غیر محرم کو دیکھتی ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ جو زبان غیبت کرتی ہے، جھوٹ بولتی ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ ہمارا حال تو اتنا برا ہے کہ

......کان غلط سنتے ہیں، غیر محرم کے فون سنتے ہیں۔

......دل میں برے خیال باندھتے ہیں۔

......دماغ میں گناہ کے منصوبے باندھتے ہیں۔

......شرمگاہ سے گناہ ہوتے ہیں۔

......ہاتھ پاؤں سے گناہ ہوتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے پاس کیا چیز ہے جس کو ہم مسلمان کہتے ہیں؟

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

ہمیں سچا پکا مسلمان بننے کے لیے گناہوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ نفسانی شہوانی بتوں کو توڑنا پڑے گا۔ بقول شخصے: ع

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں یا پتھر کے!

پتھر کے بت ہوں تو بھی توڑنا پڑے گا، تخیل کے ہوں تو بھی توڑنا پڑے گا۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی حافظِ قرآن تھا۔ اس نے بدنظری کی تو بیس سال کے بعد قرآن مجید بھول گیا۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے اپنے شیخ حضرت مرشد

عالم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پوچھا کہ حضرت میں چھوٹا ہوں، نا سمجھ ہوں، تو مجھے کچھ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، آپ مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں۔

فرمایا: پوچھو! تو میں نے یہ سوال پوچھا کہ حضرت! یہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تلبیسِ ابلیس میں حافظِ قرآن والا واقعہ لکھا ہے۔ تو یہ بات اب سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک مرتبہ کی بدنظری سے قرآن جیسی نعمت سے محروم ہو گیا۔ ایک لمحے کی معصیت پر اتنی بڑی سزا مل گئی۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی غیرت کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محبوب حقیقی ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اے بندے! مجھ سے محبت کرو! مجھے اپناؤ! مجھ سے دل لگاؤ! جب بندہ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف محبت کی نظر ڈالتا ہے تو اللہ کو غیرت آتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ قرآن جیسی نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((أَنَا أَغْيَرُ وُلْدِ آدَمَ وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي)) (بخاری: ۵/۲۰۰۱)

''میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ غیور ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہیں''

اس لیے یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو لوگ غیر محرم کو یہ الفاظ کہتے ہیں: ''آئی لو یو''، ''آئی مس یو'' یہ الفاظ اللہ تعالیٰ بھی سن رہے ہوتے ہیں۔ اگر ہم غیر محرم کو یہ لفظ کہہ رہے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تو کہتے ہوں گے کہ ''مس'' غیر محرم کو کرتا ہے اور درجے مجھ سے چاہتا ہے۔ ''لو'' محبت اس سے کرتا ہے اور پھر سبق آگے بڑھنے کی تمنائیں مجھ سے کرتا ہے۔ جاؤ اور کسی شیخ کامل سے اپنی دورنگی کا علاج کراؤ!

یہاں تک دو باتیں واضح ہو گئیں۔ ایک عقائد کا ٹھیک کرنا اور دوسرا گناہوں سے توبہ کرنا۔ عقائد کا ٹھیک کرنا اس لیے ضروری ہے کہ امام ربانی حضرت مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ میرا ایک خادم تھا بہت عرصہ خدمت کرتا رہا۔ دل میں اس کے لیے محبت تھی۔ ایک دن وہ آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! میرا بھائی بس آخری لمحات میں ہے، موت کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں، آپ برائے مہربانی تشریف لائیے اور اس کو اس موقع پہ کچھ توجہ دیجیے تا کہ انجام اچھا ہو جائے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی وجہ سے اس کے گھر گیا اور میں نے جا کر ایک گھنٹہ بیٹھ کر وہاں توجہ دی یعنی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ ایک گھنٹہ اس بندہ کو توجہ دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں اس کے اوپر توجہ کا کوئی اثر نہیں تھا اور بالآخر وہ اسی طرح دنیا سے چلا گیا۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دل پہ اس کا بڑا غم رہا، بڑا صدمہ رہا۔ میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا رہا کہ یا اللہ! ایسا کیوں ہوا؟ کیوں ہوا؟ ایک ہفتہ رونے دھونے کے بعد اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ بات کھولی کہ اس بندہ کا بیٹھنا اٹھنا بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تھا، ان کی باتوں کے اثر کی وجہ سے اس بندہ پر فیض کا راستہ ہی بند تھا۔ تو اگر بدعقیدہ بندہ کی صحبت کا اتنا اثر ہے کہ اس بندہ کو وقت کا مجدد توجہ دیتا ہے تو اثر نہیں ہوتا تو پھر سوچیے کہ عقائد کا ٹھیک ہونا کتنا ضروری ہے۔

ذِكْرُ اللهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ

یہ راستہ محبت الٰہی حاصل کرنے کا راستہ ہے، اس لیے اس راستے میں ذکر کرواتے ہیں۔ چونکہ ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے۔ یہ باطنی بیماریوں سے شفا پانے کا راستہ ہے، اس لیے شیخ ذکر کرواتے ہیں۔ کہ:

ذِكْرُ اللهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ

''اللہ کا ذکر دل کی بیماریوں کے لیے شفا ہے''

گناہوں سے بچنے کا راستہ ہے۔ اس راستے پر چلنے سے انسان کی ایسی اصلاح ہوتی ہے کہ گناہوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔

چنانچہ کسی نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے، یہ تصوف کا مقصود ہے۔ اس راستہ میں اگر کوئی بندہ یہ نیت کر لے کہ میں بھی تصوف سیکھتا ہوں تا کہ

...... مجھے بھی کشف حاصل ہو جائے۔

......کوئی کرامت صادر ہو جائے۔

......میری شہرت ہو جائے۔

...... یا مجھے خلافت مل جائے۔

تو یہ سب کا سب شرک ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے، اس نیت کے ساتھ تصوف سیکھنا منع ہے۔ اس لیے نیت کو بھی پاک کر لیں کہ میں اس لیے ذکر سیکھنا چاہتا ہوں کہ میں خدا کا بندہ بن جاؤں، میں انسان بن جاؤں، اللہ کے بندوں میں میرا نام شمار ہو جائے۔ آمین۔

اب دل کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ دل کے اندر پہلے ہی ظلمت ہے، اس ظلمت کو نکالنا پڑتا ہے اور پھر ذکر کا نور اس کے اندر ڈالنا پڑتا ہے۔

اس کی ایک بہترین مثال ایئر کنڈیشنر (airconditioner) کی ہے۔ گھروں میں ایئر کنڈیشنر لگے ہوتے ہیں، کتنی ٹھنڈک کر دیتے ہیں، دل خوش ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ایئر کنڈیشنر ٹھیک نہ ہو تو اس کو ٹھیک کرنے کا ایک طریقہ ہے، کہ مکینک کے پاس لے جائیں۔ وہ پہلے کاپر ٹیوب میں ویکیوم (Vacum) کرتا ہے۔ ویکیوم

میں جتنی اندر ہوا ہوتی ہے، وہ سب نکالتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب تک ہوا ہے اس وقت تک یہ ٹھنڈک نہیں کرسکتا، ہوا نکالنی پڑے گی اور اس میں خاص قسم کی گیس ڈالنی پڑے گی، پھر یہ ٹھنڈک کرے گا۔ مگر اس میں کئی مرتبہ پائپ لائن کے اندر چھوٹا سا سوراخ ہوجاتا ہے، وہ ایسا سوراخ نہیں ہوتا ہے جو نظر آئے، نظر بھی نہیں آتا۔ ایئر کنڈیشنر ٹھیک کرنے والے پھر ویکیوم پمپ لگاتے ہیں اور ویکیوم بناتے ہیں اور وہ حیران ہوتے ہیں کہ ویکیوم اتنا بننا چاہیے تھا یہ پورا نہیں بن رہا، کم بن رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں سے ہوا آرہی ہے۔ پھر اس کو چیک کرتے ہیں صابون لگا لگا کر کہ کہاں سے لیکج (leakage) ہورہی ہے۔ جب تک سو فیصد لیکج بند نہیں ہوگی تب تک اس کے اندر گیس نہیں بھری جاسکتی۔ اگر لیکج کے ساتھ اس کو اسی طرح چلا دیں گے تو دو چار دن کے بعد پھر خراب ہوجائے گا، اس لیے سو فیصد ویکیوم کرنا پڑتا ہے۔ حتی کہ ہم نے دیکھا کہ وہ رات کو ویکیوم کرتے ہیں تو کئی گھنٹے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، پھر کئی گھنٹے کے بعد چیک کرتے ہیں کہ ویکیوم نیچے گرا کہ نہیں؟ اگر نہیں گرا اس کا مطلب ہے لیکج بند ہوگئی ہے۔ جب یقین ہوجاتا ہے کہ ایئر کنڈیشن کے سسٹم میں کہیں لیکج نہیں ہے پھر وہ گیس ڈالتے ہیں، اور گیس ڈال کے جب چلاتے ہیں تو ماشاء اللہ گیس کی ٹھنڈک ہر بندہ محسوس کرتا ہے۔

اسی طرح دل کے اندر سے جو ظلمت ہے، وہ جو گناہوں کے بداثرات ہیں، ہمیں اس کا ویکیوم کرنا پڑتا ہے۔ مگر گناہ لیکج کی مانند ہیں، اب جب تک گناہ رہیں گے، ویکیوم ہو ہی نہیں سکتا۔ اب آپ تیس سال ذکر کے راستے پہ چلیں یا پچاس سال چلیں، اگر گناہ نہیں چھوٹ رہے ہیں تو ویکیوم تو ہوگا ہی نہیں، نور کیسے آئے گا؟ اس لیے سو فیصد گناہوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ بار بار یہ بات دوہرا رہے ہیں کہ ذکر و سلوک کے اس راستے میں سو فیصد گناہوں کو چھوڑنا پڑے گا۔

لہٰذا بندہ یہ عہد کرلے کہ یا اللہ! میں نے نافرمانی نہیں کرنی ہے، میں نے گناہ نہیں کرنے ہیں۔اب جب یہ نیت کرلی تو دل کی ظلمت تو نکل گئی اور پھر جو ذکر کیا تو اس کا نور دل کے اندر آ گیا۔اس نور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی ٹھنڈک بندہ کو محسوس ہونی شروع ہوجائے گی، اس لیے یہ راستہ مشکل بھی ہے آسان بھی ہے۔مشکل اس لیے ہے کہ جو گناہ کے ساتھ اس کو طے کرنا چاہے، وہ کبھی نہیں کر سکتا۔اور اگر گناہوں کو مکمل چھوڑ کر طے کرنا چاہے تو یہ راستہ بہت آسان ہے۔

ایک دوسری مثال پر غور کریں۔اگر کسی راستہ میں پھسلن ہو اور کوئی بندہ ایک قدم اٹھائے دو قدم پیچھے چلا جائے تو وہ تو آگے منزل پر نہیں پہونچ سکتا۔تو یہ گناہ پھسلن ہیں، ہم آگے جانا چاہتے ہیں لیکن پھسل رہے ہیں۔پھر پیچھے آرہے ہیں، پھر پھسل رہے ہیں تو آگے جا ہی نہیں سکتے۔اس لیے گناہوں سے سو فیصد توبہ کریں پھر اس کے بعد آگے قدم بڑھائیں گے تو ان شاء اللہ ذکر کے انوار دل کے اوپر اثر کریں گے۔

تیسری مثال پر غور کریں۔اگر ایک پانی کی ٹینکی ہو اور اس میں سوراخ بھی ہو تو آپ بتائیں اس ٹینکی کے اندر پانی بھر دیں تو کیا وہ بھرا رہے گا؟ نہیں۔اگر آپ رات کو ٹینکی بھریں گے صبح دیکھیں گے تو ٹینکی خالی ہوگی۔ٹینکی خالی کیوں ہوگئی؟ اس میں سوراخ ہونے کی وجہ سے۔اب ذرا سنیے کہ ہم جیسے عام آدمی اور اولیاء میں یہی فرق ہوتا ہے کہ ہم بسا اوقات ایسی نماز پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں، نیکی کرتے ہیں کہ اس وقت دل کی ٹینکی نور سے بھر جاتی ہے۔مگر چونکہ گناہوں کا سوراخ ہوتا ہے، اس سوراخ کی وجہ سے وہ نور کی ٹینکی خالی ہوجاتی ہے۔اہل اللہ نے سب سوراخ بند کیے ہوئے ہوتے ہیں، تو جو نور ملتا ہے وہ اگلے نور سے اور اوپر ہوجاتا ہے، اور

بڑھتا جاتا ہے لہٰذا ان پر اللہ کی معرفت کے راستے کھلتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اعتکاف کے دس دنوں میں آپ خاموش رہ کر اللہ کے ساتھ اپنے دل کا تعلق جوڑے رکھیں۔ اس خاموشی کا مزہ آئے گا۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو کئی مرتبہ لوگ آتے تھے، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کو سوائے سلام کے اور گفتگو سے منع فرما دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بہت بڑے عالم آئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آتے ہی ان کو کہہ دیا کہ آپ نے کسی سے بات نہیں کرنی۔ وہ ہر وقت خاموش رہتے تھے۔ حتیٰ کہ تھانہ بھون کے لوگ ان کو گونگا سمجھتے تھے، چونکہ وہ سلام کا جواب بھی ہاتھ کے اشارے سے دیتے تھے، زبان سے نہیں دیتے تھے۔ چالیس دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے پاس اس طرح رکھا۔ چالیس دن پورے ہو گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حکم دیا کہ آج مسجد میں درسِ قرآن دیں۔ جب وہ درسِ قرآن دینے لگے، تو بستی کے لوگ حیران ہو گئے کہ یہ بندہ تو بولتا بھی ہے۔ ہم تو سمجھتے تھے یہ گونگے ہیں۔ چنانچہ آپ بھی خاموش رہنے کی مشق کریں۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت

جتنا جس کا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آپ حضرات اجتماعی دعائیں بھی مانگیں، مگر اجتماعی دعاؤں کے بعد انفرادی دعائیں بھی مانگیں۔

نماز کے لیے وقت سے پہلے آ کر صف میں بیٹھیں۔ ایک تو اس لیے کہ یہ سنت ہے، اور دوسرا جو بندہ نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا ہے اور اگر نماز کے بعد اور کوئی کام نہیں ہے تو نماز کے بعد وہیں بیٹھے مراقبہ بھی کریں، چونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نمازی جب تک اپنے مصلیٰ پر بیٹھا رہتا ہے،

اللہ تعالیٰ اپنے دیدار اور تجلی کو اس سے قطع نہیں فرماتے۔ بندہ مصلّے سے اٹھتا ہے تو تجلی کٹتی ہے، ورنہ جب تک وہاں بیٹھا رہتا ہے، تسبیحات کرتا ہے دعا مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر تجلی فرماتے رہتے ہیں۔ اگر محبوب ملنے کے لیے بلائے تو لوگ وقت سے پہلے جاتے ہیں۔ نماز کے لیے وقت سے پہلے آئیں، یہ بتانے کے لیے کہ اللہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ دوبارہ سنیے کہ صف میں نماز سے پہلے آئیں، کس نیت کے ساتھ؟ کہ اے اللہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، نماز سے پہلے آکر بیٹھ گیا ہوں۔ اور جب اٹھنے کا وقت آئے تو سب سے دیر سے اٹھیں، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یا اللہ! مجھے آپ سے وحشت نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ عوام کی طرح بس مارے باندھے نماز کے لئے آئے اور سلام پھیر کے بھاگے۔ تو یہ نکتہ یاد رکھیں کہ نماز سے پہلے آئیں، اللہ سے اپنی محبت کے اظہار کے لیے اور نماز کے بعد اسی جگہ پر بیٹھیں، یہ بتانے کے لیے کہ اللہ مجھے آپ سے وحشت نہیں ہے۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، انشاء اللہ یہ دس دن کا وقت اللہ رب العزت ہمارے لیے خیر کا وقت بنا دیں گے۔ اتنے لوگ ہیں رمضان کے مبارک اوقات ہیں۔ ان شاء اللہ خیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کو قبول فرمالیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لطائف کے اسباق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت: ۴۵)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق ہیں۔ بیعت ہوتے وقت سالک کو معمولات بتائے جاتے ہیں۔ معمولات الگ چیز ہیں اور اسباق الگ چیز ہیں۔ جو پانچ معمولات بتائے جاتے ہیں ان میں چار اوراد ہیں اور ایک سبق ہے جس کو لطیفۂ قلب کا مراقبہ کہتے ہیں۔ بقیہ معمولات ورد اور وظائف ہیں۔ یہ ورد اور وظائف تو ساری عمر وہی رہتے ہیں البتہ مراقبے کا سبق بدلتا رہتا ہے۔

اگر کسی چھت پر چڑھنے کے لیے پینتیس سیڑھیاں ہوں تو جو آدمی پینتیس

سیڑھیاں چڑھ جائے گا، وہ چھت پہ پہنچ جائے گا۔اسی طرح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی پینتیس سیڑھیوں کو وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یہ سولہ اسباق تھے، وہ سولہ سبق تو ویسے ہی رہے،لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اوپر کے اسباق کو باقاعدہ ترتیب دے کر دائرۂ لاتعین تک پینتیس اسباق بنا دیے۔گویا یہ پینتیس اسباق سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا سلیبس (Syllabus) ہیں۔

انتقالِ فیض کے لیے اتصال

جب سالک بیعت ہوتا ہے تو اس کو پہلا سبق ملتا ہے۔اسی لیے شیخ سالک کے لطیفۂ قلب پر دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت رکھ کر اللہ اللہ کی ضرب لگاتا ہے۔سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی ہر چیز کو کہیں نہ کہیں اوپر جا کر نسبت ملتی ہے۔اس سلسلہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر چیز کی اوپر کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک صحابی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بات سمجھائی کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ کی بہن سے زنا کرے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔بیوی سے؟ نہیں۔بیٹی سے؟ نہیں۔ماں سے؟ نہیں۔فرمایا: جیسے تمہیں یہ چیز اچھی نہیں لگتی تو اور لوگوں کو بھی یہ بات اچھی نہیں لگتی۔تم جس سے زنا کرو گے یا کسی کی بیٹی ہوگی یا کسی کی بہن ہوگی یا کسی کی ماں ہوگی یا کسی کی بیوی ہوگی۔

پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سمجھائی۔دلیل ایسی تھی کہ وہ مطمئن ہو گئے،مگر اس کے بعد نبی علیہ السلام نے ایک کام اور فرمایا۔حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ کے پیارے

حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعا دی:

﴿اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ﴾ (مسند احمد: ۵۔۲۵۷)

''اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف کردے اور اس کو پاکدامنی کی زندگی عطا فرمادے۔''

وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کے بعد زنا کی خواہش ہی ختم ہوگئی۔ اب جتنی نفرت مجھے اس گناہ سے تھی کسی دوسرے گناہ سے اتنی نفرت نہیں تھی۔

مشائخ کہتے ہیں کہ یہ نبی علیہ السلام کی قلبی توجہ تھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک آدمی اتنا جذبات میں بھرا ہوا ہے کہ وہ اپنے آپ کو روک نہیں پا رہا، اس کو پتہ ہے کہ زنا حرام ہے، لیکن غلبہ حال میں وہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ واقعی شہوت اتنی غالب تھی کہ ان کو روکنا مشکل تھا۔ اسی لیے وہ اجازت مانگ رہے تھے، مگر نبی علیہ السلام نے سینے پر ہاتھ رکھا تو سرے سے خواہش ہی ختم ہوگئی۔ اصل میں وہ ایک فیض تھا جو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ کے ذریعہ سے ان صحابی رضی اللہ عنہ کے سینہ میں اتر گیا تھا۔

اسی لیے انتقالِ فیض کے لیے کئی مرتبہ جسم کا اتصال بھی اہم ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے بہت سارے لوگوں کو نسبت دینے کے لیے ان کو سینے سے لگایا۔

جب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری تو جبرئیل علیہ السلام نے شروع میں کہا تھا: ''اِقْرَأْ'' تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: '' مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ '' میں تو لکھا پڑھا نہیں ہوں۔ پھر کیا ہوا ''فَاَخَذَنِیْ وَغَطَّنِیْ ''جبرئیل علیہ السلام نے پکڑ لیا اور خوب سینے سے لگا کر دبایا، '' حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدُ '' (بخاری: ۱/۱) فرماتے ہیں کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی، اتنے زور سے دبایا۔ اب جبرئیل علیہ السلام کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا زور سے سینے سے لگا کر دبانا یہ کوئی عبث فعل تو نہیں ہوسکتا، اس کے پیچھے کوئی حکمت ہے، اس کے پیچھے ہمارے لیے کوئی

تعلیم ہے۔اس لیے کہ جبرئیل علیہ السلام تو وہ ہیں کہ

﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾(التحریم:۶)

معلوم ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکمِ خدا تھا۔انہوں نے ایسا کیا جب دو تین دفعہ ایسا کیا تو نبی علیہ السلام نے پڑھنا شروع کر دیا۔وہ جو ایک مناسبت تھی وہ کامل ہوگئی۔تو یہ انتقالِ فیض کی پکی دلیل ہے۔

حدیثِ جبرئیل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب آئے، جن کے بال کالے تھے، رنگ سفید تھا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتنا قریب آکر بیٹھ گئے کہ ((رُکْبَتَهٗ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ)) (مسلم: ۸) ان کے گھٹنے نبی علیہ السلام کے مبارک گھٹنوں کے ساتھ مل گئے۔اب آپ بتائیں کہ اگر کوئی بندہ سوال پوچھنے آئے تو پوچھنے کا کیا طریقہ ہے؟ استاذ کے سامنے پیچھے ہٹ کر بیٹھتا ہے، اتنا قریب آکر بیٹھنا کہ گھٹنے سے گھٹنا ملے یہ تو عام دستور نہیں ہے۔کوئی بھی استاذ کے اتنا تو قریب نہیں بیٹھتا، مگر نہیں، یہاں جبرئیل علیہ السلام نے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر سوال پوچھے۔پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیے۔ثابت ہوا کہ ظاہری اتصال کو فیض کے انتقال میں ایک دخل ہے۔اسی لیے جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوجوان کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تو اللہ رب العزت نے ان کے سینہ سے گناہ کی خواہش کو ہی سلب فرما دیا۔بس خواہش ہی ختم ہوگئی۔اللہ اکبر کبیرا!

لفظ ''نقشبند'' کی وجہ تسمیہ

اس عاجز کو بخارا جانے کا موقعہ ملا تو وہاں کے ایک بڑے شیخ سے عاجز نے سوال کیا کہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ، لیکن ان کا نام ''نقشبند'' کے طور پر مشہور ہوگیا تھا۔ہمارا سلسلہ اس سے پہلے صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے چلا تھا تو صدیقیہ

سلسلہ کہلاتا تھا۔ مگر خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے بعد نقشبند کا نام ہی مشہور ہو گیا۔ تو ان کو نقشبند کیوں کہتے ہیں؟ بعض کتابوں میں تو لکھا ہوا ہے کہ وہ کپڑے کے اوپر پرنٹ (Print) کرتے تھے۔ جیسے آجکل پھول بوٹے ہوتے ہیں، اس زمانے میں ٹھپے ہوتے تھے، تو وہ رنگ کے ٹھپے لگاتے رہتے تھے، تو اس کی وجہ سے ان کو نقشبند کہا گیا۔ لیکن جب ان سے عاجز نے یہ سوال کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا، فرمانے لگے کہ ایسے نہیں تھا بلکہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اسم جلالہ اللہ کی شکل بنایا کرتے تھے۔ اگر آپ عاجز کی انگلیوں پر غور کریں تو ''ا''، ''ل''، ''ل'' اور ''ہ'' اس طرح اللہ کے نام کی شکل بن جاتی ہیں۔ تو وہ اس طرح انگلیوں سے اللہ کے نام کی شکل بنا کر اپنا ہاتھ سالک کے قلب پر رکھ کر اس کو توجہ دیتے تھے ''اللہ'' زور سے کہتے تھے۔

كَانَ يُنَقِّشُ اِسْمَ اللهِ عَلٰى قُلُوْبِ السَّالِكِيْنَ

''اللہ کا نام سالکین کے قلوب پر نقش کر دیتے تھے''

تو سالک کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے دل پر کسی نے اللہ کا نام لکھ دیا ہے۔ اس لیے ان کا نام ''نقشبند'' پڑ گیا کہ وہ اللہ کے نام کا نقش دل میں بند کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ ''سلسلہ نقشبندیہ'' مشہور رہا۔

رہی بات کہ اللہ کا لفظ کہنے سے دل پر اثر کیسے ہوتا ہے؟ تو ایک واقعہ سنیے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں ایک کافر آ گیا، تلوار لٹکی ہوئی ہے، اس نے درخت کی شاخ سے تلوار اتار لی اور اپنے ہاتھ میں لی۔ چاہتا تھا کہ وار کرے، اللہ کے پیارے حبیب ﷺ بیدار ہوئے تو وہ کافر پوچھتا ہے:

مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ (مسند احمد: ۳۔۳۶۵)

آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟

تو اللہ کے نبی ﷺ نے جواب دیا: اللہ!۔ یہ اسم ذات ''اللہ'' ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے پر اس کا اثر ہوتا ہے، فیض ہوتا ہے۔ اس کافر کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کانپنے لگا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ اب یہ بات کہنی تو آسان ہے، لیکن ذرا سوچیں تو سہی کہ اس لفظ نے اس کی کیفیت کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کے اوپر اتنا اثر ہوا کہ کہاں وہ وار کرنا چاہتا ہے، کہاں تلوار ہی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور جب چھوٹ گئی تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو اٹھا لیا۔ یہ تو اس واقعہ میں کہیں نہیں لکھا کہ تلوار کو لینے کے لیے اس کافر کے ساتھ دھینگا مشتی ہوئی، بلکہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے تلوار اٹھا لی اور پھر یہی پوچھا:

مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ (مسند احمد: ۳-۳۶۵)

اب بتا تجھے کون بچائے گا؟

پھر وہ معافیاں مانگنے لگا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو معاف بھی کر دیا اور بالآخر وہ شخص مسلمان بھی ہو گیا۔ تو اللہ کا لفظ کہنے سے دوسرے کے دل پہ اثر ہونا، احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اس لیے مشائخ بیعت ہونے والے سالکین کو ان کے لطیفہ کی نشاندہی کر دیتے ہیں اور قلب پہ اسی طرح انگلی رکھ کر اللہ کا لفظ تین مرتبہ کہتے ہیں، پھر اس جگہ پر ایک فیض کی کیفیت شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جس دل پر یہ انگلی رکھی گئی، اس دل کو کلمہ کے بغیر موت نہیں آ سکتی۔''

ایک دفعہ اس عاجز نے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال پوچھا کہ حضرت! میں کم عمر ہوں، کم علم ہوں، مجھے کچھ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ پوچھ لیا کروں؟ فرمانے لگے: ہاں پوچھو۔ تو اس عاجز نے جرأت کر کے پوچھا کہ حضرت! خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کتابوں میں پڑھا ہے، لیکن ایسے

محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو بہت بڑا دعوی ہے، جبکہ مشائخ کی زبان سے کوئی دعوے والی بات نہیں نکلتی۔ پوری دنیا کا دستور ہے کہ مدعا علیہ کو پکڑتے ہیں، تصوف کی دنیا کا دستور ہے کہ مدعی کو پکڑتے ہیں، تم نے دعوی کیوں کیا؟ اس لیے تصوف کی دنیا میں دعوی نہیں کسی کا، کوئی کر ہی نہیں سکتا، کوئی اپنے آپ کو کہہ ہی نہیں سکتا کہ میں بڑا ہوگیا ہوں، میں سنور گیا ہوں، میں اچھا ہوگیا ہوں۔ جتنا بڑا ہوگا، وہ اتنا جھکے گا۔ وہ اپنے آپ کو سب سے کم سمجھے گا۔

مشائخ کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے کہ پانچ حضرات آگے پیچھے سفر پہ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص چاہتا تھا کہ میں کسی بزرگ سے دعا کراؤں، تو اس نے پہلے کو دیکھا منور چہرہ...... متبع سنت...... ذکر کا نور...... تو اس نے ملاقات کر کے کہا کہ برائے مہربانی آپ میرے لیے دعا کریں۔ وہ کہنے لگے: جو میرے پیچھے آرہے ہیں، وہ بڑے ہیں، ان سے دعا کروانا۔ تو وہ انتظار میں کھڑا ہوگیا۔ جب دوسرے آگئے تو ان سے بھی اس نے یہی کہا۔ وہ کہنے لگے: بھئی جو بڑے ہیں، وہ میرے پیچھے آرہے ہیں۔ پھر تیسرے آگئے، ان سے بھی یہی کہا انہوں نے کہا جو بڑے ہیں وہ میرے پیچھے آرہے ہیں، پھر چوتھے نے بھی یہی جواب دیا۔ حتی کہ وہ انتظار میں رہا کہ میں اب آخر میں آنے والے سب سے بڑے بزرگ سے دعا کرواؤں گا۔ جب وہ آخر والے آئے تو اس نے کہا کہ آپ سب سے بڑے ہیں آپ دعا کریں۔ انہوں نے کہا: اوہو! بڑے تو آگے نکل گئے ہیں، میں تو سب سے چھوٹا ہوں۔ تو تصوف کی دنیا کا دستور یہ ہے کہ ہر بندہ اپنے آپ کو سب سے چھوٹا سمجھے۔ جو چھوٹا سمجھے گا، وہی بڑا ہوگا اور جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا، اللہ کی نظر میں وہی چھوٹا ہوگا۔ اس لیے تصوف کی دنیا میں کوئی بڑائی کی بات نہیں کرسکتا۔

تو عاجز نے اس وقت حضرت کے سامنے یہ بات پیش کی کہ حضرت! مشائخ کی

زبان سے عموماً کوئی ایسی بات نہیں نکلتی، مگر حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات کردی تو یقیناً کوئی حکمت ہوگی۔ حضرت فرمانے لگے: ہاں! تم نے اچھا سوال پوچھا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ حقیقت یہ ہے کہ جب شیخ قلب پر انگلی رکھ کر ''اللہ...... اللہ...... اللہ'' کہتا ہے تو فیض کی کچھ مقدار اسی وقت سالک کے دل میں منتقل ہو جاتی ہے، وہ اس کو محسوس اسی وقت کرے یا نہ کرے۔ اس کے بعد اس کی زندگی میں ایک واضح تبدیلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی اپنی محنت تو کوئی نہیں ہوتی، وہ تو ابھی بیعت ہوا تھا، اس نے کہاں محنت کی؟ مگر وہ شیخ کی توجہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی میں تبدیلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ تو فرمانے لگے کہ یہ تبدیلی عام حالات میں تو تھوڑی نظر آتی ہے، لیکن سالک پھر اس کو ذکر کے ذریعہ بڑھاتا ہے۔ آپ یوں سمجھیں کہ شیخ کی انگلی لگنے سے زیرو واٹ کا بلب تو روشن ہو ہی جاتا ہے، لیکن یہ سب سے چھوٹا بلب ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں رات کو جب سونے لگتے ہیں تو زیرو واٹ کا بلب آن کر دیتے ہیں، سب سے چھوٹی روشنی اسی کی ہوتی ہے۔ اب وہ جتنی محنت کرتا جائے گا، پاور بڑھتی جائے گی۔ بیس واٹ...... پچیس واٹ...... چالیس...... سو...... دوسو...... پانچ سو...... ماشاء اللہ بڑھتا جائے گا۔ فرض کرو کہ وہ محنت نہیں کرتا، اس کو نہیں بڑھاتا تو فرمایا کہ پھر ظاہر ہے کہ غفلت کی زندگی ہے، مگر وہ جو زیرو واٹ کا بلب تھا، وہ روشن رہتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ موت کے وقت ایک ایسی کیفیت آتی ہے، جب انسان عالمِ دنیا کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے، عالمِ برزخ کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔ گویا اس دنیا سے برزخ کی طرف جاتا ہے تو ایک ایسا لمحہ آتا ہے کہ جہاں پہ وہ اس دنیا میں ابھی زندہ ہوتا ہے، آخری سانس ہوتے ہیں، مگر اس کو آگے کے مناظر بھی نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ یہی تو وجہ تھی کہ فرعون نے آخری لمحے میں کہا تھا: ﴿اٰمَنْتُ بِرَبِّ

مُوْتٰی ﷺ اس کا مطلب ہے کہ اس نے آگے کے نظارے بھی دیکھ لیے تھے اور ابھی اسے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بھی یاد تھے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ پیچھے سے پوری طرح منقطع نہیں ہوئے تھے اور آگے پوری طرح ابھی گئے نہیں ہوتے۔ یہ درمیان کا ایک عجیب لمحہ ہوتا ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالک بیعت ہونے کے بعد اگر چہ غفلت کی زندگی گزارتا رہا مگر آگے کی منزلیں دیکھ کے وہ جو زیرو واٹ کا بلب ہوتا ہے وہ بھی اس کو روشنی مہیا کرتا ہے، اس کی برکت سے بندے کو کلمہ نصیب ہو جاتا ہے۔ پس بندے کی کلمہ پہ موت آجاتی ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ تو حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی اس کو ذکر کے بغیر موت نہیں آسکتی اور واقعی ایسا ہی ہے۔

بلکہ حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ علاقے کا ایک غیر مقلد تھا اور بہت ہی زیادہ بحث مباحثہ کرنے والا شخص تھا۔ اتنا متشدد تھا کہ عام لوگوں سے تو سلام ہی نہیں کرتا تھا کہ یہ بھی مشرک ہے وہ بھی مشرک ہے۔ اب اللہ کی شان دیکھیے کہ وہ گاؤں سے آرہا تھا اور حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ گاؤں میں جارہے تھے تو اچانک کھیت کے درمیان جو چھوٹی سی پگڈنڈی ہوتی ہے، ایک طرف سے وہ آرہا تھا۔ دوسری طرف سے آپ آرہے تھے، دونوں طرف کھیت تھے، وہ پیچھے ہٹ کے جا بھی نہیں سکتا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ آگے چلے آرہے تھے تو وہ چاہتا تھا کہ میں ان کو سلام نہ کروں چونکہ یہ مشرک ہیں، لہٰذا اس نے ایک ڈھنگ نکالا کہ قریب آتے ہی بجائے سلام کرنے کے اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا: آپ کو پتہ ہے کہ میں حج پہ جا رہا ہوں۔ وہ سمجھا تھا کہ اسی بات کے دوران ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ قریب سے گزر جائیں گے اور مجھے سلام بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن قریب آتے ہی جب اس نے کہا کہ میں حج پہ جا رہا ہوں، تو قریب تو تھا ہی سہی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے

اس کے قلب پر انگلی لگا کر یہ کہا: اچھا وہاں جاتے ہوئے یہاں "اللہ اللہ" کرتے جانا۔ وہ اپنے ایک طرف چلا گیا اور حضرت دوسری طرف چلے گئے۔ لیکن جب وہ شخص حج کر کے واپس آیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ آپ نے کیا آگ لگا دی؟ پورے حج کے دوران مجھے قرار نہیں آیا۔ اس نے اپنا عقیدہ بھی ٹھیک کر لیا اور اس کے بعد اس کی زندگی بھی بن گئی اور وہ اپنے وقت کا تہجد گزار بن گیا۔ صرف قلب پر انگلی رکھ کر چلتے چلتے "اللہ اللہ" کہہ دیا تو ایک شخص کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ سبحان اللہ۔

مراقبہ کرنے کا طریقہ

جب سالک کا پہلا سبق شروع ہو جاتا ہے تو اس پر منحصر ہے کہ خوب محنت کرے۔ مثل مشہور ہے کہ جتنا گڑ اتنا میٹھا۔ جلدی زیادہ محنت اتنی جلدی ترقی ملتی ہے۔ یہ محنت دو طرح سے ہوتی ہے، چھوٹے بڑے گناہوں سے بچے تو یہ ایک محنت ہے۔ ذکر مراقبہ، اتباع سنت، نفلی عبادات، اللہ کی طرف توجہ، اللہ سے دعا مانگنا، نیک محفلوں میں جانا، یہ دوسری محنت ہے۔ تو پھر یہ دونوں محنتیں کرنے سے انسان کے قلب کی روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے، حتی کہ دل روشن ہو جاتا ہے۔ پھر دل جاری ہو جاتا ہے، تو "اللہ اللہ" کہنا شروع کر دیتا ہے۔

ہمارے مشائخ مراقبے کا طریقہ یہی سمجھاتے ہیں کہ انسان ظاہر کی آنکھوں کو بند کر لے۔ یہ بند کرنا کوئی شرط نہیں ہے اس لیے کہ مشائخ تو کھلی آنکھوں سے ذکر کرتے ہیں، ان کو کہاں آنکھ بند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، باقی ساری زندگی انسان کھلی آنکھوں سے ذکر کرتا ہے، لیکن سالک چونکہ مبتدی ہوتا ہے تو توجہ مرکوز کرنے کے لیے آنکھ بند کر لے تو اس میں بہتری ہوتی ہے، فائدہ ہوتا ہے ورنہ آس

پاس کی چیزیں اس کے خیالات کو پراگندہ کردیتی ہیں۔ وہ کھلی آنکھوں سے مراقبہ کرے گا تو کبھی بچے کو دیکھنے لگ جائے گا اور کبھی بڑے کو دیکھنے لگ جائے گا، اس لیے کہتے ہیں کہ آنکھوں کو بند کرلو لیکن یہ کوئی شرط نہیں ہے اسی طرح سر پر کپڑا ڈالنا بھی ضروری نہیں ہے۔ ہاں یکسوئی بڑھ جاتی ہے اور اس کی دلیل حدیث پاک سے ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر جب وحی اترتی تھی تو اس وقت نبی علیہ الصلوۃ والسلام چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب واقعہ افک میں نبی علیہ السلام میرے والد کے گھر تشریف لائے اور گفتگو فرما رہے تھے تو اس وقت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ انور پر کپڑا ڈالا۔ فرماتی ہیں کہ جب آپ نے وہ کپڑا اٹھایا تو میں نے پیشانی کے اوپر پسینے کے وہ قطرے دیکھے جو خاص وحی کی حالت میں ہوا کرتے تھے۔ گویا وحی کے وقت اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یکسوئی کی خاطر چہرۂ انور پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے۔ تو سالک بھی اگر اس پر عمل کرلے تو یہ کہاں کی بدعت بن گئی؟ یکسوئی کے لیے انسان ایسا کرتا ہے اور ہم اس کو کوئی شرط بھی نہیں بناتے، اپنا فائدہ ہے۔ آنکھیں بند کرنا لازم نہیں، بہتر ہے۔ کپڑا ڈالنا لازم نہیں، بہتر ہے۔ اسی طرح بیٹھ کے مراقبہ کرنا بھی لازم نہیں، بلکہ بہتر ہے۔ آپ لیٹ کر بھی مراقبہ کرسکتے ہیں، مگر لیٹ کر مراقبہ کریں گے تو پہلے نیند والی فنا غالب آجائے گی، اس لیے بیٹھ کر مراقبہ کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت خوبصورت دلیل دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر خاموش رہتے تھے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کندھوں سے پرندے آکر بیٹھ گئے ہیں۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی لمبی دیر کی خاموشی غفلت کی خاموشی نہیں ہوسکتی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اتنی لمبی دیر جو خاموش رہتے تھے تو وہ غفلت

کی خاموشی تھی؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ جبکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ تَعَالٰى فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ﴾ (بخاری ۱:۸۳)

''نبی علیہ السلام ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے''

اب اگر ان دونوں کو ملائیں کہ ایک تو ہر وقت ذکر کرتے تھے اور دوسرا لمبی دیر خاموش رہتے تھے اگر دونوں کو جمع کریں تو اسی کا نام مراقبہ ہے۔ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی دیر خاموشی فکر ہوتی تھی۔ اسی کا نام مراقبہ ہے۔

اس لیے تسلی کے ساتھ، سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنے دل کے اوپر اپنی توجہ کو مرکوز کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے اندر الٹے سیدھے ہر قسم کے خیالات آتے رہتے ہیں۔ ہم ان خیالات کو نکال کر دل کے اندر اللہ کا خیال ڈالنا چاہتے ہیں تو محنت کرنی پڑے گی۔ اس لیے بیٹھنے کے شروع میں ایک دفعہ نیت کرلیں کہ اللہ رب العزت کی رحمت آرہی ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قلبِ انور پر اور وہاں سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب سے نورانی شعاع کی طرح مشائخ کے قلوب سے گزر کر وہ نور میرے شیخ کے قلب سے میرے قلب میں پہنچ رہا ہے، اور میرے دل کی سیاہی اور ظلمت دور ہو رہی ہے اور میرا دل ''اللہ...... اللہ...... اللہ'' بول رہا ہے۔ زبان سے یہ الفاظ نہیں پڑھنے، زبان تالو سے لگی ہوئی ہو، سانس نارمل (معمول پر) چل رہی ہو، جسم کو حرکت نہیں دینی، سکون کے ساتھ ایک دھیان رکھنا ہے کہ جیسے ایک کیسٹ چل رہی ہوتی ہے اور ہم سکون کے ساتھ قرآن کی تلاوت سن رہے ہوتے ہیں، اسی طرح میرے دل کی کیسٹ بول رہی ہے، ''اللہ اللہ اللہ'' اور میں سن رہا ہوں۔

شروع میں نہ دل کہے گا، نہ آپ سنیں گے، البتہ الٹے سیدھے خیال خوب آئیں

گے۔ یہ الٹے سیدھے خیال ہمیں ہماری روحانی کیفیت کی اطلاع دے رہے ہیں کہ دیکھو! تمہارے اندر یہ گندگی بھری ہوئی ہے۔ کچھ نوجوان تنگ ہو جاتے ہیں کہ ویسے تو یہ خیال نہیں آتے، جیسے ہی مراقبہ میں بیٹھتے ہیں تو خیال آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرا دھیان کو جمانے کی کوشش کریں گے تو جہاں دل لگا ہوا ہے وہی چیز سامنے آئے گی۔ اب تک تو دنیا میں ہی دل لگا رہا، تو جن چیزوں میں دل لگا ہوا تھا، وہ سامنے آئیں۔ یہ تو فکرمند ہونے والی بات ہے کہ یا اللہ! میرے دل کی حالت کتنی گندی ہے کہ ذرا سی دیر میں سر جھکاتا ہوں تو مجھے یہی شہوانی شیطانی خیالات آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ تو اس دل کو تو دھونے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اس سبق کی کامیابی بیٹھنے میں ہے اور زیادہ دیر مراقبہ میں بیٹھنا ہی اصل نکتہ ہے۔ جو بیٹھتا رہے گا، وہ مراد پالے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الزمر:۲۳)

''جن کے دل اور بدن نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں''

تو ''تلین جلود'' کا مرتبہ پہلے ہے، بیٹھنا پڑے گا۔ کمر بھی تھکے گی، گردن بھی تھکے گی، شیطان آ کر کہے گا: گھنٹہ گزر گیا ہے جبکہ گزرے پانچ منٹ ہوں گے۔ یعنی اس شیطان کی شیطانیت دیکھو کہ اگر ڈرامہ دیکھتے ہیں، ٹی وی دیکھتے ہیں، تو گھنٹے کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ابھی تو پانچ منٹ ہوئے ہیں۔ اور ذکر کا معاملہ یہ ہے کہ پانچ منٹ بیٹھتے ہیں تو شیطان کہہ دیتا ہے کہ گھنٹہ گزر گیا۔

ہمارے مشائخ نے اس کے اوپر خوب محنت کی ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ بندے کو ذکر میں بیٹھے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ بندے کی طلب کا اظہار اس طرح ہوتا ہے۔ دنیا کا دستور ہے کہ جب دروازے پر کوئی فقیر صبح سے آ کر بیٹھ جائے تو مالک

اس کو خیرات دے ہی دیتا ہے۔تو مراقبے میں بیٹھنا ہی پڑتا ہے۔اکثر سالکین کو یہاں غلطی ہوتی ہے کہ بیٹھتے نہیں ہیں۔چنانچہ آپ جتنے دوستوں سے پوچھیں،اکثر و بیشتر سے جواب یہ ملے گا کہ حضرت،درود شریف بھی پڑھتے ہیں،استغفار بھی پڑھتے ہیں،تلاوت بھی روزانہ ہوتی ہے،بس حضرت مراقبہ نہیں ہوتا۔مراقبہ ہی تو اصل چیز تھی۔اگر مراقبہ نہ ہوا تو صرف اوراد کا ثواب تو ملا،لیکن قرب نہیں ملا۔ثواب کا ملنا الگ چیز ہے،قرب کا ملنا الگ چیز ہے۔

لبوں پہ مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

مثال کے طور پر دنیا کی نوکریوں میں،تنخواہ بڑھ جانا ایک چیز ہوتی ہے اور اس کا رتبہ (Rank) بڑھ جانا دوسری چیز ہوتی ہے۔اس لیے

......درود شریف پڑھیے خوب ثواب ملے گا۔

......قرآن پاک پڑھیے خوب ثواب ملے گا۔

......استغفار کیجیے خوب ثواب ملے گا۔

لیکن روحانی ترقی ذکر و مراقبہ سے ہوتی ہے۔اگر آپ مراقبہ نہیں کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی روحانی ترقی نہیں ہو رہی،آپ جیسے پہلے تھے اب بھی وہی حال ہے۔

پس مراقبہ میں بیٹھنا ضروری ہے،اللہ تعالیٰ بندے کو مراقبہ کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔جتنا بیٹھے گا،اتنی زیادہ برکتیں ہوں گی اور اللہ کی شان کہ تھوڑے ہی دنوں میں روحانی حالت میں ترقی محسوس ہوتی ہے۔انسان بیٹھتا ہے تو فرض کریں کہ پہلے دن سو گندے خیال آئے،پھر دو چار دن کے بعد وہ پچانوے رہ گئے......نوے رہ گئے......ساٹھ رہ گئے۔وقت کے ساتھ ساتھ الٹے خیال کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں

اور یکسوئی کا وقت بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، حتی کہ ایک وہ کیفیت آتی ہے کہ انسان جب سر جھکاتا ہے تو اللہ کی یاد میں ڈوب جاتا ہے۔ ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

وہ جن کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پہ مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

پھر یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ بندہ مراقبہ میں بیٹھتا ہے تو ایک جمعیت نصیب ہو جاتی ہے۔ ہمارے مشائخ نے دو لفظ استعمال کیے: ایک تفرقہ اور دوسرا جمعیت۔ جو پریشان خیالات آتے ہیں یہ تفرقہ کی کیفیت ہے، یہ ہر بندہ کو شروع میں پیش آئے گی مگر بیٹھتے رہنے سے یہ جمعیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور جب جمعیت ہوتی ہے تو پھر اللہ کی طرف سے ایک ایسا ادراک مل جاتا ہے، ایسا دھیان مل جاتا ہے کہ پھر گھنٹوں بیٹھنے سے بندے کا دل نہیں بھرتا۔

سالکین کے حال احوال ہم نے سنے، سبحان اللہ! اس دور میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھ کر پھر مراقبہ کرنے بیٹھتے ہیں کہ کوئی شخص مجھے ڈسٹرب (Disturb) کرنے نہ آجائے، دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ نہ بچے روئیں، نہ کسی کا فون آئے۔ بس میرے اللہ! میں سکون سے دو گھنٹے یا تین گھنٹے مراقبہ کرسکوں، ایسے بھی اللہ کے بندے آج کے دور میں موجود ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا!

اسباق کا بڑھنا حقیقت میں قرب کی منزلیں طے کرنا ہے

لطیفۂ قلب پر ذکر خفی کا اشارہ قرآن مجید سے ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾

(الاعراف:205)

"ذکر کر اپنے رب کا اپنے نفس میں، گڑگڑاتے ہوئے اور خفیہ طریقہ سے"

مفسرین نے لکھا: اَیْ فِیْ قَلْبِكَ یعنی اپنے دل میں۔ تو اب دل میں اللہ کا ذکر کیسے کریں؟ آگے طریقہ سمجھایا کہ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً گڑگڑاتے ہوئے اور بہت خفیہ طریقہ سے۔ چنانچہ معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً کے الفاظ سے، قرآن مجید سے ذکر قلبی کا ثبوت مل رہا ہے اور آگے وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے ذکر جہری کا بھی ثبوت مل رہا ہے، تو دونوں طریقۂ ذکر ٹھیک ہیں۔ بعض حضرات خفی طریقہ کو پسند فرماتے ہیں، بعض حضرات جہری طریقہ کو پسند فرماتے ہیں۔

تو یہ مراقبہ اصل میں ہمارا پہلا سبق ہے، جب انسان قلب پر مراقبہ کرتا ہے تو قلب میں حضوری کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سالک کا لطیفہ جاری ہوتا ہے اور اسے ہر وقت قلب سے اللہ...... اللہ...... اللہ کی آواز آنے کا ادراک شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا نام ذکر قلبی ہے۔ جب سالک پر پہلے سبق کی کیفیات نمایاں ہونا شروع ہو جاتی ہیں تو شیخ اپنے کشف کی نظر سے یا بصیرت کی نظر سے یعنی اللہ نے جو نور فراست دیا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے سے محسوس کر لیتا ہے کہ اب اس کا قلب جاری ہے۔ پھر وہ اس کو دوسرے سبق کی تلقین کر دیتے ہیں۔ گویا ایک سیڑھی کے بعد دوسری سیڑھی پر سالک چڑھ جاتا ہے۔

یہ اسباق کا بڑھنا حقیقت میں قرب کی منزلیں طے کرنا ہے، اس لیے شیخ کو اپنے حالات بھی بتانے چاہییں اور اسباق کی کیفیات بھی بتانی چاہییں۔ سالک یہ نہ سوچے

کہ بن بتائے سبق خود ہی مل جائے گا۔ کبھی آپ نے جسمانی بیماری کے متعلق ایسا سوچا کہ ڈاکٹر کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ میری بیماری کیا ہے؟ آپ پہلے ڈاکٹر کو اپنی حالت بتاتے ہیں پھر وہ سمجھ لیتا ہے کہ بیماری کیا ہے؟ اسی کا نام اطلاع دینا ہے۔ یہ سالک کی ذمہ داری ہے۔ ہاں اگر اطلاع کے بعد شیخ سبق نہ بڑھائیں تو اسی کو غنیمت سمجھیں کہ ابھی اور زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر بڑھا دیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ یہ پینتیس سیڑھیاں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ کی زندگی میں طے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

ذکر اسم ذات لطائف پر کیسے کریں؟

لطائف عالمِ امر کے پانچ اسباق ہیں: قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ۔ گویا یہ پانچ سیڑھیاں ہوگئیں۔ پھر اس کے بعد عالمِ خلق کے دو سبق ہیں: لطیفۂ نفس اور لطیفۂ قالبیہ جس کو سلطان الاذکار بھی کہتے ہیں۔ یہ کل سات لطائف کہلاتے ہیں۔ ان سات لطائف پر سبق کرنے سے انسان سات سیڑھیاں اوپر چڑھ جاتا ہے۔ یعنی اپنے محبوب کے قریب ہو جاتا ہے۔ ہم اس بات کو واضح کرنے کے لیے اپنے مشائخ کی عبارات میں سے کچھ عبارات پڑھتے ہیں تاکہ بات بھی آپ کے دل میں بیٹھ جائے اور مشائخ کی عبارات سے ہمیں برکتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

لطائف پر اسم ذات کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۱۱۴ ہے۔ اس کو ذرا سنیے گا۔

''اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگالے اور پوری توجہ کے ساتھ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو جائے (یعنی جہاں شیخ نے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کیا تھا، اس جگہ پر لطیفہ

قلب ہوتا ہے، چونکہ اس کی خاص شکل ہوتی ہے تو اس کو قلبِ صنوبری کہہ دیا)
جو کہ بائیں پہلو میں واقع ہے اور یہ قلبِ صنوبری قلب حقیقی کا آشیانہ ہے
جو کہ عالمِ امر سے ہے اور اس کو حقیقتِ جامعہ بھی کہتے ہیں (ہمارا اصل
قلب تو عالم امر کی چیز ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسانوں کے دل
﴿بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ﴾ (مسند احمد: ۱۷۳۲/۲) اللہ کی دو
انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اب دو انگلیوں کے درمیان دل سے مراد یہ لوتھڑا
نہیں ہے۔ وہ قلب تو حقیقی قلب ہے، یہ لوتھڑا اس کا سایہ سمجھ لیجیے، اس کا ظل سمجھ
لیجیے یا اس کا آشیانہ سمجھ لیجیے۔ ہمارے سینے میں گوشت کا لوتھڑا ہے، اصل قلب
اس کے اندر روح کی مانند ہے جو حقیقی چیز ہے۔) اور لفظ مبارک ''اللہ'' کو دل
میں خیال کے طور پر گزارے اور دل کی زبان سے اس بزرگ لفظ کو دل
کی صورت کا تصور کیے بغیر کہے (یعنی دل کی صورت کا تصور نہیں کرنا کہ دل
صنوبری شکل کا ہے۔ بس بغیر کسی ایسے دھیان کے اللہ کا ذکر کرے) اور سانس
کو نہ روکے اور ذکر کہنے میں زبان کو کسی طرح کا دخل نہ دے، سانس
حسبِ معمول آتا رہے اور لفظِ مبارک اللہ سے بے مثل ذات مراد لے
اور اس کی کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھے تاکہ ذات کی بلندی سے صفات کی
پستی میں نہ آجائے اور تنزیہہ سے تشبیہ کی طرف مائل نہ ہو جائے (کیا
عجیب بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس وقت دھیان نہ کرے۔ کیونکہ
اس وقت تو ذات کا دھیان ہوتا ہے اور ذات صفات سے بلند ہے۔ اس لیے
فقط ذات کا تصور کر کے اللہ کا نام اپنے دل سے گزاریں۔ اس کو مراقبہ کہا جاتا
ہے۔)

تو پہلے لطیفۂ قلب پر یہی سبق کرتے ہیں۔ پھر جب شیخ دوسرا سبق دے دیتا ہے تو لطیفۂ روح پر مراقبہ کرتے ہیں، پھر سر...... پھر خفی...... اخفی ...... پھر نفس اور قالبیہ۔ یہ سات لطائف ہیں ان کے ذکر کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے، لیکن پہلے کے بعد دوسرا سبق۔ اسی طرح فنا اور بقا بھی پہلے کے بعد دوسرے کی، پھر تیسرے کی آتی ہے۔

اب اسی کو ایک اور بزرگ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

''آپ نے یہ بھی پوچھا ہے کہ ذکر اسم ذات لطائف میں اپنے فکر اور توجہ سے جاری ہوتا ہے، یا متواتر لطائف پر خیال رکھنے سے جاری ہوتا ہے؟ بھائی جان! مقصود بالذات ان ہر دو طریقوں سے اونچا ہے۔ لیکن اس قدر ضرور ہے کہ ابتدائے سلوک میں ذکر اسمِ ذات ہر لطیفے کے اندر اس وقت جریان کرتا ہے کہ جب سالک کامل توجہ سے ذکر کرتا ہے۔''

یعنی پہلے تو بیٹھنا پڑتا ہے اور بہ تکلف یہ ذکر کرنا پڑتا ہے بعد میں بے تکلف ہو جاتا ہے، سالک کو اس کی عادت ہو جاتی ہے، اس کو پھر حضور دائمی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ سات قدم ہیں

چونکہ عالمِ امر وخلق کے سات لطائف ہیں، تو ہمارے مشائخ نے کہا کہ اللہ رب العزت تک پہنچنے کا راستہ سات قدم ہے۔ چونکہ سات لطائف ہیں تو ہر لطیفہ اگر ایک قدم ہوا تو کل سات قدم ہوئے۔ پھر اگلی سیر اسماء وصفات، شیونات اور ذات میں ہوتی ہے۔ یہ اس سیر سے پہلے کے اسباق ہیں۔ ان سات قدم پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی خوبصورت بات لکھی ہے۔ مکتوبات مجدد الف ثانی

دفتر اول مکتوب ۵۸ میں فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق (یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور قالب ونفس) کل سات قدم ہے، (جن میں سے) دوقدم عالمِ خلق میں ہیں جو کہ قالب یعنی بدن عنصری اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں جو کہ (لطائف) قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں (ہر لطیفہ کا سبق کرنے پر دس ہزار پردے پھٹتے ہیں اور قرب ملتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ دلہن کے اوپر ستر ہزار پردے پڑے ہوئے تھے، کسی نے چہرہ دیکھنا ہے تو ایک ایک کر کے پردہ ہٹانا پڑے گا۔ اس طرح کل ستر ہزار پردے ہٹانے پڑیں گے۔ اور پھر جب ساتویں میں بھی فنا ہو جاتی ہے تو ستّر ہزار پردے پھٹ جاتے ہیں کہ) خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی۔ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ ''بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے نور وظلمات کے ستّر ہزار پردے ہیں''

اب دیکھیے! ہمارے مشائخ نے حدیث مبارکہ سے اس کی سند پیش کی ہے! یہ حدیث قدسی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشکوۃ شریف میں مروی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے۔ اب بتائیں کہ محدثین فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ تو حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ستر ہزار پردے نور یا ظلمت کے ہیں ان کو پھاڑنا پڑتا ہے، اب ان ستر ہزار پردوں کو ہم تو نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے

ہمارے مشائخ کو کہ جنہوں نے حقیقت کو سمجھنا آسان کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک لطیفہ میں فنا حاصل کرو گے تو دس ہزار پردے پھٹیں گے، سات لطائف پر فنا نصیب ہو جائے گی تو یہ سارے پردے ہٹ جائیں گے، پھر تجلی ذات نصیب ہونا شروع ہو جائے گی۔

شش جہات سے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی کیا مراد تھی

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ قلب کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ جب کہ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شش جہات ہوتی ہیں یعنی چھ جہتیں ہوتی ہیں۔ تو اب اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ پہلے مشائخ چونکہ نفس کی اصلاح کے ذریعہ سے سلوک طے کراتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ قلب روح اور نفس کے درمیان کی چیز ہے۔ تو لہٰذا قلب کی دو جہتیں ہوئیں، ایک جہت اس کی روح والی اور دوسری جہت اس کی نفس والی ہے۔ لیکن ہمارے سلسلہ میں چونکہ سات لطائف ہیں، ایک قلب ہوا اور باقی چھ ہوئے، تو شش جہات کا مطلب یہ ہو گا کہ ہر لطیفہ کا قلب کے ساتھ ایک تعلق ہے، لہٰذا ہمارے مشائخ کے نزدیک قلب شش جہات ہے۔ ہر لطیفہ کے ساتھ اس کا ایک تعلق ہے۔ جتنے لطائف ہیں آخر ان کا تعلق قلب کے ساتھ بنتا ہے اس لیے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

((اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ آدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ)) (بخاری:۵۲)

''بے شک بنی آدم کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ سنور جائے تو پورا جسم سنور جاتا ہے''

پس حدیث کے مطابق اگر دل سنور گیا تو سارا جسم سنور گیا کہ لطائف کے

سنورنے سے تو دل ہی سنورتے ہیں۔ ہمارے مشائخ کی بات کا حدیث پاک سے ثبوت بھی مل گیا۔ الحمدللہ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مبدا و معاد (منھا: ۱۲) میں لکھتے ہیں کہ

''حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہتیں ہوتی ہیں، لیکن میرے آئینے کی (یعنی قلب کی) چھ جہتیں ہیں۔ یقیناً آج تک اس بزرگ خاندان کے کسی ایک خلیفہ نے بھی اس کلمۂ قدسیہ کی کوئی تشریح بیان نہیں کی بلکہ اشارہ اور کنایہ میں بھی کسی نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی۔ اس حقیر اور کم مایہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی شرح و بیان میں لب کشائی کرے اور اس کی توضیح میں زبان کھولے، لیکن چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمّہ کا راز اس حقیر پر کھول دیا ہے اور اس کی حقیقت کو جیسا کہ چاہیے واضح فرما دیا ہے۔ لہٰذا دل میں آیا کہ اس چُھپے ہوئے نایاب موتی کو بیان کی انگلیوں سے تحریر کی لڑی میں پرو دوں اور ترجمانی کی زبان سے معرضِ تقریر میں لے آؤں۔ استخارہ کرنے کے بعد اس بارے میں تحریر کیا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ غلطی سے محفوظ رکھے اور بیان کی توفیق عطا فرمائے۔''

آگے فرماتے ہیں کہ:

''جاننا چاہیے کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان ایک برزخ ہے۔ (جیسے پہلے مشائخ نے کہا کہ دل درمیان

میں ہے، ایک طرف روح اور دوسری طرف نفس) اور بزرگوں نے آئینے
کی دونوں جہتوں سے اس کی روح والی جہت اور نفس والی جہت مراد لی
ہے۔لہذا مشائخ کو جب مقامِ قلب پر رسائی ہوتی ہے تو اس کی دونوں
جہتیں ان پر منکشف ہو جاتی ہیں۔''

برخلاف اس طریقہ کے جس میں حضرت خواجہ (نقشبند رحمۃ اللہ علیہ)
خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔اور اس مقام میں چونکہ انتہا ابتدا میں مندرج
ہوتی ہے، لہذا اس طریقہ میں آئینہ قلب کی چھ جہتیں نمایاں ہو جاتی ہیں
اور اس کی تشریح یہ ہے کہ کارکنانِ قضا وقدر نے اکابرینِ طریقۂ عالیہ پر
یہ بات منکشف فرمائی ہے کہ چھ لطائف (یعنی نفس، قلب، روح، سر، خفی
اور اخفیٰ) میں سے جو کچھ افرادِ انسانی کے مجموعے میں موجود اور ثابت
ہے، وہ سب تنہا قلب کے اندر بھی متحقق ہے کیوں کہ چھ جہتوں سے مراد
یہی چھ لطیفے لیے گئے ہیں۔

ہر لطیفہ کی ظاہری صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی

شیخ سالک کے جسم میں متعین جگہ پر انگلی رکھ کر ہر لطیفے کو جاری کرتا ہے، وہ اس کی
ظاہر کی جگہ ہے لیکن عالم امر میں بھی اس کی جگہ ہے۔تو گویا ہر لطیفہ کا ظاہر بھی ہوا اور
اس کا باطن بھی ہوا۔مکتوبات مجددیہ دفتر دوم، مکتوب ۹۳ میں حضرت مجدد الف
ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بلکہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفے کی ظاہری
صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی۔جس طرح عنصرِ خاک ظاہر بھی

رکھتا ہے اور باطن بھی، اسی طرح اخفیٰ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اور یہ باطن جو کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے روز بروز اعمالِ صالحہ کے توسل سے بلکہ محض خداوند جل سلطانہ کی بخشش سے اس باطن سے جو کہ اسمِ قیوم کے ساتھ وابستہ ہے، آہستہ آہستہ ملحق ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور سوائے ظاہرِ صرف کے جو کچھ بھی ہے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔''

یعنی سالک کا باطن اللہ رب العزت کے اسم قیوم کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، چونکہ قیوم نے ہی تو پوری دنیا کو اپنی جگہ پہ تھاما ہوا ہے۔ پس باطن کا تعلق وہاں عالمِ امر میں جڑ جاتا ہے مگر ظاہر یہاں عالمِ خلق میں موجود ہوتا ہے۔

عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطائف کا تعلق

عالمِ خلق کے لطائف کے ساتھ عالم امر کے لطائف کا تعلق ہے۔ وہ ایسے کہ عالم امر کے پانچ لطائف ہیں (قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ)۔ لیکن عالم خلق کے دو لطائف ہیں نفس اور قالبیہ، لیکن قالبیہ چار عناصر (آگ، ہوا، پانی اور مٹی) کا مجموعہ ہے۔ اگر ہر ہر عنصر کو الگ الگ کر دیں تو نفس کے ساتھ ملا کر وہ بھی پانچ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا پانچ عالمِ امر کے لطائف اور پانچ عالمِ خلق کے لطائف ہیں۔ اور ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہے۔ وہ اس طرح کہ

......قلب کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔

......روح کا تعلق ہوا کے ساتھ ہے۔

......سر کا تعلق پانی کے ساتھ ہے۔

......خفی کا تعلق آگ کے ساتھ ہے۔

......اور اخفیٰ کا تعلق خاک کے ساتھ ہے۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۴ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''عالم خلق کے یہ لطائف خمسہ عالمِ امر کے لطائفِ خمسہ کی اصل ہیں۔ لطیفۂ نفس کا معاملہ لطیفہ قلب کے معاملے کی اصل ہے، اور لطیفۂ باد (ہوا) کا معاملہ لطیفۂ روح کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفۂ آب (پانی) کا معاملہ لطیفۂ سر کے معاملے کی اصل ہے، اور لطیفۂ نار (آگ) کا معاملہ لطیفۂ خفی کے معاملے کی اصل ہے اور لطفیۂ خاک (مٹی) کا معاملہ لطیفۂ اخفی کے معاملے کی اصل ہے۔''

لطائف کے مختلف رنگ

آگے مکتوباتِ معصومیہ، دفتر دوم مکتوب ۵۳ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صوفیہ کے قول پر قلب کا نور زرد اور روح کا نور سرخ اور سر کا نور سفید اور خفی کا نور سیاہ اور اخفیٰ کا سبز ہے۔''

اصل بات تو یہ ہے کہ انوارات کے رنگوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے کہ کونسا رنگ ہے؟ ہمیں رنگوں سے کیا واسطہ؟ مقصود تو فائدہ ہے، رنگ چاہے جو بھی ہو۔ لیکن یہ رنگ کیوں ہوتے ہیں؟ ان کی مثال روشنی کے سات رنگوں کی سی ہے۔ الگ الگ کرنوں سے روشنی کے سات رنگ بنتے ہیں، پھر یہ سب مل کے روشنی کہلاتے ہیں اور یہ وہ روشنی ہے جسے ہم دیکھتے ہیں۔

اسی طرح ہر لطیفے کے اوپر الگ رنگ کا نور اترتا ہے۔

......لطیفہ قلب کے اوپر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ زرد ہے۔

......لطیفہ روح کے اوپر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ سرخ ہے۔

......لطیفہ سر پر جو نور اترتا ہے، اس کا نور سفید ہے۔

......لطیفہ خفی کے اوپر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ سیاہ ہے۔

......اور لطیفہ اخفیٰ کا جو رنگ ہے وہ سبز ہے۔

یہ مختلف انوار مشائخ نے کشف کی نظر سے دیکھے اور انہوں نے ان کو قلمبند کیا۔ کسی کو نظر آئے تو بھی ٹھیک ہے، کچھ بھی نظر نہ آئے تو بھی ٹھیک ہے، اتنا کافی ہے کہ نور لطیفے کے اوپر اتر جائے۔

کیا ذکرِ قلبی افضل ہے یا خوارق وکرامات؟

آگے مکتوباتِ معصومیہ دفتر اوّل مکتوب ۵۰ میں ایک بہت ہی پیاری بحث فرمائی ہے کہ کیا ذکر قلبی خوارق وکرامات سے افضل ہے؟ فرماتے ہیں کہ

''حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) ''عوارف'' میں خوارق وکرامات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ

ان سب خوارق وکرامات کا مرتبہ قلب کو ذکر کے ساتھ آراستہ کرنے اور ذکرِ ذات کے وجود کے مرتبہ سے بہت نیچے ہے۔''

جو عام مادی قسم کی کرامات صادر ہوتی ہیں۔ ان کی تو شریعت کی نظر میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ ایسے خوارق عادات تو جادوگروں سے بھی صادر ہو جاتے ہیں، ہندوؤں کو بھی یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ خوارق عادات کا ظاہر ہونا کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، لیکن قلب کا زندہ ہو جانا یہ انوکھی بات ہے۔ یہ فقط اللہ والے ہی کر سکتے

ہیں۔ اور اس میں دل کے نور کو دخل ہے، لہٰذا قلب کا جاری ہو جانا باقی تمام کرامتوں سے بڑی کرامت ہے۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم تھا، صاحبِ نسبت بھی تھا اور عاشقِ صادق بھی تھا۔ وہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے مسکین پور جا رہا تھا۔ وہ ملتان شہر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا کہ میں گاڑی کے ذریعہ سے سفر طے کروں لیکن پتہ چلا کہ گاڑی تو چلی گئی۔ اب وہ پریشان کھڑا تھا، ایک اور شخص بھی ساتھ تھا۔ اتنے میں ریلوے لائن پر ایک ٹھیلہ آیا۔ جو ریلوے لائن کی مرمت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، ان کے پاس اپنا انجن ہوتا ہے اور اس کے ساتھ انہوں نے ٹھیلہ لگایا ہوتا ہے اور وہ چل کے راستے میں دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کہاں لائن ٹھیک ہے اور کہاں مرمت کی ضرورت ہے۔ اب اس نے اس اسٹیشن پہ آگے جانا تھا تو دونوں ساتھی انجن والے کے پاس آ گئے اور کہنے لگے کہ بھئی! آپ ہمیں بھی ساتھ لے جائیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو کیسے لے جاؤں؟ میں تو سواری کو نہیں لے جا سکتا۔ یہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ انجن چلانے والا ڈرائیور انجن کو چلاتا ہے تو انجن چلتا نہیں۔ کافی دیر کوشش کے باوجود انجن چلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اتنے میں اس ڈرائیور کو خیال آیا کہ یہ جو شخص پلیٹ فارم پر کھڑا ہے اس سے ہی دعا کروالی جائے۔ تو ڈرائیور نے اس سے کہا کہ آپ دعا کرو یہ انجن چل جائے تو میں آپ کو ساتھ لے جاؤں گا۔ جب اس نے یہ کہا تو وہ عاشق صادق انجن کے قریب گئے اور زور سے ''اللہ'' کے نام کی ضرب لگائی: ''اللہ...... اللہ...... اللہ''، تین دفعہ انہوں نے انجن پہ توجہ ڈالی اور پھر جب ڈرائیور نے چلایا تو انجن چل پڑا۔ پھر یہ بھی وہاں بیٹھ گئے اور منزل پر پہنچ گئے۔ جب حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے صاحب نے کارگزاری کے طور پہ سنایا کہ حضرت راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا، اور یہ جو ہمارے ساتھی ہیں انہوں نے انجن کو

توجہ دی تو وہ چل پڑا، تب ہم یہاں پہنچے۔ ان کی بات سن کر خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ پہ ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا کہ ہم نے تمہیں جو نعمت دی تھی یہ دلوں کو زندہ کرنے کے لیے تھی، تم نے اس کو مادہ کے اوپر کیوں استعمال کیا؟ سبحان اللہ! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب کا جاری ہونا باقی تمام کرامات سے بڑی کرامت ہوتی ہے۔

لطائف کے اصول میں سیر

عالم امر کے پانچ لطائف ہیں، جبکہ ان کے اصول عالمِ خلق میں ہیں۔ جب سیر ہوتی ہے تو اپنے اصول میں سیر ہوتی ہے۔ مکتوبات مجددیہ دفتر اول، مکتوب ۲۵۷ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

> ''میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کی سیر کی ابتدا ''قلب'' سے ہے جو کہ ''عالمِ امر'' سے ہے اور قلب کی سیر سے گزر کر مراتبِ روح ہیں جو اس سے اوپر ہیں اور روح سے گزرنے کے بعد معاملہ سِر کے ساتھ ہے جو اس سے اوپر ہے اور اسی طرح خفی واخفیٰ کا حال ہے۔ ان لطائفِ پنجگانہ (پانچوں لطائف) کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق علیحدہ علیحدہ علوم و معارف حاصل کرنے کے بعد اور ان احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص (احوال) ہیں، ان کے متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ (لطائف) کے اصول میں جو عالمِ کبیر میں ہے، سیر واقع ہوتی ہے، کیونکہ جو کچھ بھی عالمِ صغیر میں ہے، اس کی اصل عالمِ کبیر میں موجود ہے۔''

عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے مراد یہ پوری کائنات ہے۔ عالمِ صغیر میں عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں، جو ہمارے سینے میں ہیں اور ان کی اصل: ہوا، پانی، آگ اور مٹی، وہ باہر کی کائنات یعنی عالمِ کبیر میں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ عالمِ صغیر کی سیر پہلے ہوتی ہے، پھر اس کے بعد عالمِ کبیر کی سیر ہوتی ہے۔

جدید سائنس اور لطیفہ نفس اور قالبیہ

سات لطائف میں آخری لطیفہ سلطان الاذکار کہلاتا ہے اور اس کا اصل نام لطیفۂ قالبیہ ہے۔ قالب پورے جسم کو کہتے ہیں یعنی اس سبق پر انسان کا پورا جسم ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا مقام ہمارے مشائخ نے وسطِ سر یعنی سر کے درمیان متعین کیا ہے۔ اللہ کی شان کہ ہمارے مشائخ نے کشف کی نظر سے دیکھ کر لطیفہ نفس کا مقام پیشانی میں رکھا۔ اور اب دماغ کے اوپر ماڈرن ریسرچ میں یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انسان کے دماغ کا جو حصہ پیشانی کی طرف ہے، انسان کے تکبر، عجب کا سارا معاملہ اسی جگہ سے وابستہ ہے۔ غور کیجیے کہ سائنس کی دنیا چودہ سو سال کے بعد تجربات کے ذریعہ اس جگہ کو پہچان رہی ہے، اور ہمارے مشائخ نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال سے پہلے کشف کی نظر سے پہچان لیا تھا کہ انسان کے اندر عجب تکبر کا مبداء سب کا سب پیشانی کے اندر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ لطیفۂ نفس پیشانی میں ہے اور نفس کو ہی تو جھکانا تھا اس لیے فرمایا کہ بندہ میرے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب اپنے سر کو اس نے زمین پر ٹکایا ہوتا ہے، یعنی نفس کو پامال کیا ہوتا ہے۔ بندہ نفس کو پامال کرنے کی انتہا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اٹھانے کی انتہا کرتے ہیں۔ فرمایا:

((اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ))

(النیسابوری فی تفسیرہ والسیوطی فی شرح ابن ماجہ)

''نماز مومن کی معراج ہے۔''

سائنس نے ایک چیز اور بھی بتائی کہ انسان کے دماغ میں جسم سے جتنے مختلف پیغام آتے ہیں، ان کی دائیں طرف کی تاریں بائیں طرف جاتی ہیں اور بائیں طرف کی دائیں طرف آتی ہیں، لیکن سر کے درمیان میں وہ دونوں تاریں ایک جگہ پر اکٹھی ہوجاتی ہیں۔ یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ انسان کے دائیں اعضا کو دماغ کا بایاں حصہ کنٹرول کرتا ہے اور بائیں اعضا کو دماغ کا دایاں حصہ کنٹرول کرتا ہے۔ تو یہ ساری کی ساری تاریں درمیان میں ایک جگہ اکٹھی ہوتی ہیں اور اسی کو ہمارے مشائخ نے لطیفۂ قالبیہ کہا ہے۔ آج سائنس کی دنیا اس کو ثابت کر رہی ہے، جبکہ ہمارے مشائخ نے کشف کی نظر سے بلکہ اللہ کے فضل سے اور توفیق سے اس کو پہلے سے دیکھ لیا تھا کہ پورے جسم کے کنٹرول کا مرکز وسطِ سر ہے۔

دیگر سلاسل کے مشائخ نے بھی لطائف کی تصدیق کی

چنانچہ مشائخ ''لطیفۂ قالبیہ'' کے سبق کی نشاندہی سر کے وسط میں انگلی رکھ وہاں کرتے ہیں اور جب یہ لطیفہ جاری ہوجاتا ہے تو پورا جسم ذکر کرتا ہے۔

﴿وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل:44)

''اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اسکی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے''

جو کوئی بھی چیز ہے اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ جب انسان اپنے پر محنت کرتا ہے تو اس

کا بھی جسم ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے، اللہ اکبر کبیرا! جب یہ ذکر ملتا ہے تو انسان کے رونگیں رونگیں سے اور انگ انگ سے اللہ اللہ اللہ کی آواز آئے صدا آئے۔ یہ بات ہی عجیب ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو سلطان الاذکار کہا گیا یعنی باقی ذکروں کا بھی یہ سردار بن جاتا ہے کہ پورا جسم ہی ذکر کر رہا ہے، سبحان اللہ! سالک سراپا ذکر بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ! پنجابی میں کہتے ہیں: ع

رانجھا رانجھا کردیاں میں آپ وی رانجھن ہوئی

یہ وہی بات ہے کہ اللہ اللہ کرتے کرتے پورا جسم ہی اللہ اللہ کرنے لگ جاتا ہے، سبحان اللہ! ایک زبان سے ہی ذکر نہیں ہوتا بلکہ پورے جسم کا انگ انگ اللہ اللہ کرتا ہے۔ اور یہ وہ کیفیت ہوتی ہے کہ جس میں بندہ کے اوپر استغراق کی کیفیت آجاتی ہے، ایک بیخودی کی کیفیت ہوتی ہے۔

یہ نعمتیں صرف نقشبندی سلوک کے بزرگوں کو ہی نہیں، بلکہ جتنے مشائخِ سلاسل ہیں ان سب کو نصیب ہوتی ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے بارے میں مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۲۳۱ میں لکھا ہے، حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ نے لکھا تھا کہ ”ایک روز حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے حقائق و معارف کا ذکر ہو رہا تھا، سلطانِ ذکر کے بارے میں بات چلی تو صدرِ مجلس نے سوال کیا کہ اب تک اس نام کے ساتھ کوئی ذکر سنا نہیں گیا ہے اور کتابوں میں بھی نظر سے نہیں گزرا، کیا یہ بات اولیائے سابقین کی ہے یا اُن کی کوئی حالت ہے“ میرے مخدوم! سلطانِ ذکر ہمارے طریقے میں مشہور و معروف اور عام ہے اور ہم نے اس کو اپنے

پیروں سے سنتے آئے ہیں ہماری اختراع نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے بزرگوں کی طرف سے ہے۔ (قطبِ عالم) حضرت شیخ عبدالقدوس (گنگوہی قدس سرہٗ) جو کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہما کے قریبی زمانے میں ہندوستان کے اکابر مشائخ میں سے گزرے ہیں، آخر عمر میں ان پر استغراق وبیخودی غالب آگئی تھی، چنانچہ اکثر اوقات استغراق میں رہتے تھے۔ نماز کے اوقات میں ان کو بلند آواز سے بیدار کیا جاتا تھا، (آگے پیچھے بیخودی اور جب الصلوۃ! الصلوۃ! کہتے تو ہوش میں آجاتے اور کھڑے ہو کے نماز پڑھتے اور نماز کے بعد پھر وہی بیخودی) لوگوں نے اُن سے اس کا راز دریافت کیا (یہ کیا نشہ ہے؟) تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے دل کو ذکر سے بہت کوٹا ہے (یعنی ضربیں لگائی ہیں) اس لئے سلطانِ ذکر ہر وقت غالب رہتا ہے اور مجھ کو اپنے آپ سے بیخود کر دیتا ہے۔ (یعنی ذکر میرے اوپر اتنا غالب رہتا ہے کہ مجھ کو مجھ سے چھین لیتا ہے، اللہ!)''

لطائف کی حکومت اور احوال کا پیش آنا

ایک یہ بھی کیفیت ہے کہ بسا اوقات سالک کے اوپر تھوڑے وقت کے لیے کچھ کیفیات آتی ہیں، پھر وہ غائب ہو جاتی ہیں، مستقل نہیں رہتیں۔ مبدأ و معاد (منھا: ۱۵) میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ مختلف لطائف ہیں اور ان کی فنا چلتی ہے تو کبھی انسان کے اوپر کوئی کیفیت آتی ہے، کبھی کوئی کیفیت آتی ہے۔ اس لیے وہ کیفیت جس لطیفہ کے فنا کی ہوتی ہے، سب میں وہی رنگ آجاتا ہے۔ باقی لطائف میں بھی وہی کیفیتیں کچھ وقت کے لیے آجاتی ہیں

مگر اس کے بعد پھر وہ اگلے لطیفہ کی فنا ملنے کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ اس لیے کیفیتیں آتی ہیں اور زائل ہوجاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

''ہر آدمی کے سات لطیفے ہوتے ہیں اور ہر لطیفہ کی حکومت اور غلبے کی مدت جداگانہ ہوتی ہے۔ پھر اگر وارد ہونے والی حالت ان میں سے لطیف ترین لطیفہ پر وارد ہوتی ہے اور کوئی قوی حالت اس پر نزول کرتی ہے تو سالک کی مجموعی کیفیت (کلیت) اسی لطیفہ کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ اور وہی حالت تمام لطیفوں میں سرایت کرجاتی ہے اور جتنے عرصے تک اس لطیفہ کا غلبہ قائم رہتا ہے، یہی حالت باقی رہتی ہے۔ اور جب اس لطیفہ کا غلبہ ختم ہوجاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہوجاتی ہے۔''

لطائف خمسہ کا لطیفۂ نفس سے متحد ہونا

حضرت شیخ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تیرھویں صدی کا مجدد لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کے خلفاء سے بہت کام لیا۔ ان کے خلفاء مختلف ریاستوں میں چلے گئے تھے اور جو ریاستوں کے نواب تھے ان کے اوپر محنت کرکے انہوں نے ان سے دین کو قائم کروایا اور اس زمانے میں دین کو زندہ کیا، اس لیے ان کو تیرھویں صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔ ان کے ملفوظات درالمعارف (بروز منگل ۱۰ جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ) میں ان کے خلیفہ شیخ رؤوف احمد رافت مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''لطائف کے ایک ہونے سے مراد ہے، ہر لطیفے کی سیر مکمل ہونا۔ ہر ایک لطیفہ اپنے بعد کے لطیفہ سے اتحاد رکھتا ہے یعنی لطیفہ قلبی کی انتہا لطیفہ

روح کی ابتداء سے جڑی ہوئی ہے، اسی طرح باقی کو لطائف کی ترتیب کے لحاظ سے قیاس کرو۔ پس جو سالک ایک لطیفہ کو مکمل کرتا ہے وہ دوسرے میں قدم رکھتا ہے اور اس کی سیر کو شروع کرتا ہے۔"

یعنی قلب جب جاری ہو جاتا ہے، اس کی جو انتہا ہے وہ لطیفۂ روح کی ابتدا سے جڑی ہوئی ہے۔ پھر روح شروع ہو جاتا ہے پھر روح میں ترقی ہوتی ہے تو وہ پھر سر کے ساتھ جڑا ہوا ہے...... پھر وہ خفی کے ساتھ...... پھر وہ اخفیٰ کے ساتھ...... اور وہ نفس کے ساتھ۔ تو گویا یہ پانچوں لطائف بالآخر نفس کے ساتھ متحد ہو جاتے ہیں۔ یعنی پہلا سبق مکمل ہوا تو دوسرے کی سیر شروع ہو گئی۔

لطیفہ قلب کی سیر "توحیدِ وجودی"، لطیفہ نفس کی سیر "توحیدِ شہودی" ہے

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۵ شعبان ۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

"توحیدِ وجودی حالات کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے، یعنی لطیفہ قلب کی سیر میں، اور توحیدِ شہودی لطیفہ نفس کی سیر میں۔"

یہ ایک بڑی گہری سی بات ہے مگر اتنا ہی بتانا کافی ہے کہ چونکہ پہلے لطیفہ قلب میں مشائخ کو بہت کمال حاصل ہوتا تھا تو ان پر ایسی کیفیت ہوتی تھی کہ ان کو ہر طرف اللہ ہی کی نشانیاں نظر آتی تھیں۔ حتیٰ کہ درخت کے پتوں سے ان کو ذکر سنائی دیتا تھا، اللہ کا نام ہر جگہ لکھا نظر آتا تھا۔ میر درد کا شعر ہے: ؎

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

تو اس کو انہوں نے "توحیدِ وجودی" کہہ دیا۔

لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں: "ہمہ اوست" کہ

سب وہی ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اصل ہے: ''ہمہ از اوست''، کہ سب اسی کی طرف سے ہے۔ جس چیز کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ خدا نہیں ہے یہ تو مخلوق ہے، اس کی بجائے یہ کہیں کہ ''ہمہ از اوست''۔ اس کا نام انہوں نے ''توحیدِ شہودی'' لیا۔ تو اس کی تفصیل میں وہ کہتے ہیں کہ جب لطیفۂ قلب کی فنا کی تکمیل ہوتی ہے تو ''توحیدِ وجودی'' کی کیفیت بندے پر آتی ہے، لیکن جب اس کو لطیفۂ نفس کی انتہا اور فنا مل جاتی ہے تو پھر اس کے اندر ''توحیدِ شہودی'' کی کیفیت آجاتی ہے اور حقیقت اس پر کھل جاتی ہے۔

کون سا لطیفہ فنا اور بقا سے متحقق ہوتا ہے

فنا اور بقا ہر لطیفہ میں ہوتی ہے لیکن ان تمام لطائف میں زیادہ اہمیت لطیفۂ قلب کی ہے اور قلب کی اصل لطیفۂ نفس ہے۔ تو اصل میں فنائیں دو ہی ہیں: لطیفۂ قلب کی فنا اور لطیفۂ نفس کی فنا۔ قلب کی فنا پہ انسان کو ولایتِ صغریٰ ملتی ہے اور لطیفہ نفس کی فنا پر انسان کو ولایتِ کبریٰ ملتی ہے۔ مگر چونکہ قلب نفس کے ساتھ متعلق ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ اصل فنا تو لطیفہ نفس ہی کی ہے۔ یعنی اصل تو نفس کو ہی مارنا ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ: ع

بڑے موذی کو مارا، نفس امارہ کو گر مارا

اصل مقصود تو یہی ہے کہ نفسِ امارہ مطمئنہ بن جائے، تو وہ اس طرح ہے کہ لطیفہ قلب کی فنا ابتدا میں ملتی ہے اور لطیفہ نفس کی فنا انتہا میں ملتی ہے، لیکن نفس قلب کے ساتھ چونکہ متعلق ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ اصل فنا لطیفۂ نفس کی فنا ہے۔ اس بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات مجددیہ دفتر سوم، مکتوب ۵۳ میں فرماتے ہیں:

''(سوال) اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف بکثرت ہیں کیا وہ سب کے

سب فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہوتے ہیں یا بعض، پھر وہ بعض کون سے ہیں؟ (جواب) ہم کہتے ہیں کہ وہ لطیفہ جو ان (فنا و بقا) سے متحقق ہوتا ہے وہ لطیفۂ نفس ہے جو اصل میں انسان کی حقیقت ہے جس کی طرف قول ''انا'' سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ پس یہی (نفسِ امارہ) ابتدا میں برائی کی طرف بلانے والا اور آخر میں مطمئنہ ہو جاتا ہے، (اسی طرح) ابتدا میں وہ حق جل شانہ کی دشمنی پر قائم ہوتا ہے اور انتہا میں حق تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے، اور یہی بروں میں سب سے برا اور نیکوں میں سب سے زیادہ نیک ہے، اس کی شرارت ابلیس کی شرارت پر سبقت لے گئی اور اس کی نیکی اہلِ تسبیح و تقدیس (ملائکہ) کی نیکی سے بھی بڑھ گئی۔

سبحان اللہ! بگڑ جائے تو شیطان سے برا اور سنور جائے تو فرشتوں سے بھی اونچا۔ اللہ اکبر کبیرا!

پھر نفس عالم امر کے لطائف کا سردار ہو جاتا ہے

مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۹۷ میں ایک عبارت لکھی ہے بہت دلچسپ ہے سنیے گا کہ لطیفۂ نفس سب سے برا ہوتا ہے لیکن جب اس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو سب لطیفوں کا وہی سردار بن جاتا ہے۔

''نفس جب اوصافِ رذیلہ سے پاک ہو جاتا ہے تو ہمسری اور انانیت (سرکشی) کے دعویٰ سے بَری اور تائب ہو جاتا ہے اور مطمئنہ و مقبول ہو جاتا ہے اور آیت کریمہ ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ (نساء:۷۵) (اے ہمارے رب! ہمیں اس ظالموں کی

بستی سے نکال دے) کے مقتضا کے مطابق اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے (سبحان اللہ! ہمارے مشائخ کی یہ عجیب خوبصورت بات ہے کہ جو بات بھی ہوتی ہے قرآن وحدیث سے اس کی سند کہیں نہ کہیں سے ضرور لے آتے ہیں) اور گناہ کی زمین سے ہجرت کر جاتا ہے اور نیکوں کی ہمسائیگی جو کہ عالمِ امر کے لطائف ہیں اختیار کر لیتا ہے، خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوْا۔ (بخاری: ۳۴۹۶) (تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں (آنے کے بعد بھی) بہتر ہیں جبکہ انھوں نے (دین کو) سمجھ لیا ہو) کے مطابق عالمِ امر کے لطائف کا سردار ہو جاتا ہے اور تختِ صدر (سینہ) پر قرار پکڑ کر تسلط قائم کر لیتا ہے، جب (نفس) اپنی ہستی و انانیت سے غربت ونیستی میں آیا اور خواہشات وتعلقات سے خالی ویکسو ہو گیا اور ان چیزوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دیا اور موت اور عدم ہونے کے ساتھ موافقت کر لی تو حق تعالیٰ نے اس کو اُس عزت کے ساتھ نوازا اور خلعتِ سلطنت کے ساتھ مشرف کر دیا۔ ﴿فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (الروم: ۳۰۔۵۰) (پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد کسی طرح زندہ کرتا ہے) اس وقت اوصافِ ذمیمہ واخلاقِ سیئہ (برے اخلاق) کی بجائے اوصافِ حمیدہ واخلاقِ حسنہ اس کو عطا ہو جاتے ہیں کہ اس سے نیکی کے سوا اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی اور وہ حق کی طرف بلاتا ہے ﴿فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الفرقان: ۲۵۔۷۰) (وہ لوگ ہیں جن کی

برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔)

اب تک تو ہم یہی سمجھتے رہے کہ صرف گناہ نیکیوں میں بدلتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر نفس جیسے گنہگار کو اچھا بنا کر نیکوں کا سردار بنا دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

نماز کے دوران لطائف کا حال

دستور یہ ہے کہ نماز کے دوران انسان ذکر کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ ذات کی طرف متوجہ ہو۔ چونکہ ذکر نیچے کا درجہ ہے اور وہ غائب کے لیے کیا جاتا ہے لیکن مشاہدہ تو حاضر کا ہوتا ہے۔ اور نماز میں تو مشاہدہ کی کیفیت ہوتی ہے، اس لیے ذکر کے بجائے ذات کی طرف دھیان کی کیفیت ہو۔ لیکن اس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وہ مشائخ جن کے ذمہ فنا اور بقا کا کام مکمل ہو کے لوگوں کی رشد و ہدایت کا کام ہوتا ہے، ان کی جتنی بلندی ہوتی ہے یعنی عروج ہوتا ہے، ان کا اس کے بعد نزول بھی سب سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اتنا نزول ہو جاتا ہے کہ عام بندہ محسوس بھی نہیں کر سکتا کہ یہ عام بندہ ہے یا کوئی خاص ہے اور اس پر وہ دلیل دیتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا عروج سب سے زیادہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول بھی کائنات میں سب سے کامل تھا، اس لیے تو کافر کہتے تھے:

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾

(الفرقان: ۲۵-۷)

''یہ کیسے رسول ہیں؟ کھانا کھاتے ہیں، راستوں میں چلتے ہیں''

ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی بالکل عام نظر آتی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل میں

بلندی یہ ہوتی ہے کہ ظاہر بالکل عالم اسباب کے مطابق ہو مگر باطن ہر وقت اللہ کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ تو وہ کافر لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے، وہ تو ظاہر بیں لوگ تھے، وہ صرف ظاہر کو دیکھتے تھے۔ اس لیے باہر سے جو لوگ آتے تھے ان کو پوچھنا پڑتا تھا:

مَنْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ ﷺ؟

آپ میں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟

اتنی ظاہر کی زندگی عام زندگی تھی۔ اس کی وجہ کیا تھی کہ جتنا عروج کامل تھا اتنا ہی نزول کامل تھا۔ اب وہ فرماتے ہیں جب اتنا نزول کامل ہو تو پھر ایسے بندہ کی نماز کے وقت توجہ الی اللہ کیسے ہوگی؟ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مبداء و معاد (منہا،۸) میں فرماتے ہیں:

''نماز ادا کرتے وقت جو کہ مومن کی معراج ہوتی ہے صاحبِ رجوع کے لطائف کی توجہ بارگاہِ قدس جل سلطانہ کی طرف رہتی ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ پھر اپنی پوری ذات کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ البتہ فرائض اور سنتوں کو ادا کرتے وقت چھ کے چھ لطائف (یعنی پانچ عالم امر کے اور چھٹا لطیفۂ نفس) بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور نوافل کو ادا کرتے وقت ان لطائف میں سے صرف وہی لطیفہ متوجہ رہتا ہے جو ان سب میں لطیف تر ہوتا ہے۔''

سب کے سب لطائف کی پرواز اونچی ہو جاتی ہے۔ اسلیے ان مشائخ کے اوپر نماز کے اندر ایک کیفیت ہوتی ہے، جیسے کہ تحریمہ سے پہلے کوئی اور جہاں تھا اور تحریمہ کے بعد کوئی دوسرا جہاں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفل میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ نفل میں صرف ایک لطیفہ کو عروج ملتا ہے اور اس لطیفہ کو لطیفۂ قلب کہتے ہیں۔ مگر ایک لطیفہ کا تو

عروج رہتا ہی ہے، اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

((قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ)) (نسائی شریف: ۱/ ۶۱)

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''

چونکہ اللہ کے حبیب ﷺ رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ رشد و ہدایت کا کام تو ہے کہ اللہ کا حکم ہے، مگر اللہ سے محبت والا بھی معاملہ ہے، اور وہ مشاہدہ ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو اس میں ہے کہ میرے محبوبِ حقیقی کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

نماز میں لطائف کی پرواز سے متعلق کچھ باتیں تھیں جو اس وقت آپ کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ اللہ رب العزت ہمیں باطن کی یہ نعمتیں عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں صرف قال کے بجائے حال عطا فرما دے۔

آمِيْن بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن

حبس دم اور تہلیل لسانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالَّذِیْنَ جٰھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (العنکبوت:٦٩)

(اور جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور بالضرور ہمارے راستے پر چلائیں گے اور بیشک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پہلے سات اسباق اور روحانی بیماریوں کا علاج

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پہلے سات اسباق عالمِ امر اور عالمِ خلق کے لطائف سے متعلق ہیں۔ان میں ہر ہر لطیفے کے اندر اسمِ ذات اللہ کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان

تمام لطائف میں ذکر کرنے کا طریقہ ایک جیسا ہے۔ ان پانچ لطائف کے ساتھ پانچ بیماریاں ملی ہوئی ہیں۔ جب کسی لطیفہ میں سبق کیا جاتا ہے تو اس سے متعلقہ بیماری کا علاج ہوتا ہے۔ چونکہ ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں کے لیے شفاء ہے، تو اس لیے پانچ لطائف پر ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ لطیفۂ قلب کے ساتھ شہوت کا تعلق ہے۔ شہوت سے اشتہا مراد ہے۔ یہ اشتہا پیٹ کی بھی ہوسکتی ہے، کھانے پینے کی اشتہا۔ اور یہ جنسی بھی ہوسکتی ہے کہ مرد عورت کے تعلق والی اشتہا۔ اشتہا کا لفظ عام ہے۔ تو شہوت کم ہوجاتی ہے۔ کم سے یہ مراد نہیں کہ بندے کی قوت کم ہوجاتی ہے، بلکہ ہوس ختم ہوجاتی ہے۔ انسان کے اندر سے وہ زور ٹوٹ جاتا ہے جو انسان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شادی شدہ آدمی اپنے گھر میں خوشیوں کی زندگی گزار رہا ہے۔ اب اس بندے کو باہر نکل کر بدنظری نہیں کرنی چاہیے۔ اگر وہ بدنظری کرتا ہے، تو اس کا تعلق حرص اور ہوس کے ساتھ ہے، ضرورت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ ضرورت تو اللہ نے گھر میں پوری کردی۔ گھر میں نیک، خوبصورت، تقیہ، نقیہ، دل لبھانے والی بیوی موجود ہے۔ تو پھر باہر کیوں نظر اٹھی؟ حرص کی وجہ سے، ہوس کی وجہ سے، شیطانیت کی وجہ سے، شہوت کی کثرت کی وجہ سے اٹھی۔ اب اس کثرت کو نارمل کرنا اس سبق کا کام ہے۔ جتنا لطیفۂ قلب پر زیادہ سبق کرینگے، تو یہ شہوت کنٹرول ہوجائے گی۔

شہوت کی اقسام

- بچوں میں کھانے پینے کی شہوت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کو کھانے کے لیے ایک سے ایک نئی چیز چاہیے۔ میٹھی چیز نظر آئے گی، تو لینے کے لیے شور مچادینگے۔
- عورتوں کے دل میں بننے سنورنے یا کپڑے جوتے کی شہوت بہت ہوتی ہے۔

ایک جوتا ہے تو دوسرا چاہیے، دوسرا ہے تو تیسرا چاہیے۔ کپڑے ہیں تو روز نئے چاہیے ہوتے ہیں۔ اور بعض اللہ کی بندیاں کپڑے دھو کر لٹکاتی بھی نہیں ہیں، کہ پہننے سے پہلے کوئی نہ دیکھے، جب میں پہنوں تب دیکھیں۔ اب یہ چیز مردوں میں نہیں ہوتی۔ تو کھانے پینے کی شہوت بچوں میں زیادہ، کپڑوں کی شہوت عورتوں میں زیادہ۔

✪ اور جنس کی شہوت مردوں میں زیادہ۔ چنانچہ جتنی بدنظری مرد کرتے ہیں، عورتیں اس سے آدھی بھی نہ کرتی ہوں گی۔ کیونکہ ان کے اندر فطرتاً حیا اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے۔ تو شادی کے بعد وہ اپنے میاں کے ساتھ خوش ہوتی ہیں تو ان کی نظر ادھر ادھر زیادہ نہیں بھٹکتی۔ یہ اور بات ہے کہ بعض عورتوں میں فسق و فجور بھرا ہوتا ہے وہ خود بھی پھسلتی ہیں اور دوسروں کے لیے بھی فتنہ بن جاتی ہیں۔ بقول شخصے: ؏

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

عمومی طور پر مرد جنسی شہوت کے زیادہ مریض ہوتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

لطیفۂ قلب پر سبق کرنے کے اثرات

لطیفہ قلب پر سبق کرنے سے یہ تینوں قسم کی شہوتیں کم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ طبیعت ایسی بن جاتی ہے کہ انسان کو جو ملتا ہے، وہ کھا لیتا ہے، جو کپڑا ملتا ہے، خوش ہو کر پہن لیتا ہے، اور جب بھی جنسی ضرورت ہوتی ہے، وہ جائز طریقے سے گھر میں بیوی سے پوری کر لیتا ہے۔

اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نئے کپڑے بنواتا ہی نہیں۔ اسکی تفصیل سن لیجیے۔ کپڑے تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک ہوتے ہیں زیبائش کے لیے، کہ عورت اس لیے کپڑے بنائے کہ وہ خاوند کو پسند آئیں، بیوی خاوند کی نظر میں خوبصورت ہو جائے۔ تو زیبائش کا لباس بھی جائز ہے۔

دوسرا ہوتا ہے آسائش کا لباس، کہ کپڑے پہنے تو بندے کو سہولت ہو۔ تو آسائش کا لباس بھی جائز ہے۔

ایک ہوتا ہے نمائش کا لباس، وہ حرام ہے۔ اس لیے کپڑے اس نیت سے بنوانا کہ لوگ دیکھیں اور تعریف کریں۔ شریعت کہتی ہے کہ نہیں، تم اگر اس نیت سے کپڑے پہنو گی اور دکھاوا کرو گی تو غریب عورتوں کے دل دکھیں گے۔ تم اپنا دل خوش کرنے کے لیے کتنوں کا دل دکھاؤ گی؟

تو شریعت کہتی ہے کہ اس کے پیچھے مقصد ٹھیک ہونا چاہیے۔ اگر اپنے خاوند کے لیے سنورنا ہے، تو جتنا مرضی سنور لے، روز دلہن بن کر بیٹھے۔ مگر یہ توفیق بھی تو کسی کسی کو ملتی ہے روز دلہن بن کر بیٹھنا۔ اور یہ بھی ہے کہ خاوند اتنا خوش بھی تو رکھے کہ بیچاری روز دلہن بنے۔

تو اتنا ضرور ہے کہ لطیفۂ قلب کا سبق کرنے سے، انسان کی شہوات کنٹرول میں آجاتی ہیں اور اس کی پہچان یہ ہے کہ بدنظری چھوڑنی آسان ہو جاتی ہے۔ اب اگر کوئی سالک خود دیکھنا چاہے کہ میں سبق میں کتنی ترقی کر رہا ہوں، تو اثرات کو دیکھے، کہ میرے اوپر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ نگاہ قابو میں ہے یا نہیں؟ اگر اس کا دل غیر محرم کی طرف دیکھنے کو نہیں چاہتا، غیر کی طرف دیکھنے سے ڈر لگتا ہے کہ اللہ ناراض نہ ہو جائیں، تو اس کا مطلب ہے کہ پہلے سبق کی کیفیت اس کی اچھی ہو گئی ہے، اثرات واقع ہو گئے ہیں، بیماری ختم ہو گئی ہے۔

لطیفۂ روح پر سبق کرنے کے اثرات

دوسرا سبق لطیفۂ رُوح کا ہے، اس کے ساتھ غصہ اور غضب کا تعلق ہے۔ اللہ رب العزت نے یہ غصہ والی نعمت بندے کو دی تاکہ بندہ اپنی جان کی، مال کی، عزت وآبرو کی حفاظت کر سکے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان کو تو اپنی عزت کی بھی پروانہ ہو۔ تو اس کا ہونا بھی ضروری ہے، مگر جائز حدود تک ہو۔ اور اگر طبیعت ایسی ہو کہ ذرا ذرا سی بات پر غصہ آ جائے، ہر وقت ہی منہ بنا رہے اور ہر وقت ہی دوسروں پر غصہ نکالتا رہے تو پھر یہ بیماری ہوتی ہے۔ تو لطیفۂ رُوح کا سبق کرنے سے یہ بیماری بھی قابو میں آ جاتی ہے اور انسان کا غصہ پہلے کی نسبت کم ہو جاتا ہے۔ پھر اگر غصہ ہوتا ہے تو اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک طالب علم نے غلط کام کیا تو اس کی پٹائی کی۔ جب تھپڑ لگایا تو اس نے کہا: اللہ کے لیے نہ ماریں! فرمانے لگے: ''میں اللہ کے لیے ہی تو مار رہا ہوں۔''

تو پھر انسان کا غصہ نفس کے لیے نہیں ہوتا، اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ تادیب کے لیے، تعلیم وتربیت کے لیے، اور اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ بلا وجہ نہیں ہوتا۔ البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ کر جانا، یا غصے والی طبیعت کا ہونا تو بیماری ہے، اللہ اس سے محفوظ فرمائے۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: میں تمہارے اندر ایمان تو دیکھتا ہوں، ایمان کی حلاوت نہیں دیکھتا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایمان کی حلاوت کیا ہے؟ فرمایا: ''ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور الفت کا معاملہ کرنا، یہ ایمان کی حلاوت ہے۔'' تو جس بندے کو الفت اور محبت دے دی جائے، یہ

اللہ کی نعمت ہے۔ تو یہ لطیفۂ روح پر مراقبہ کرنے سے انسان کا غصہ قابو میں آسکتا ہے۔

باقی لطائف پر سبق کرنے کے اثرات

پھر لطیفۂ سر ہے، اس کے ساتھ بخل کا تعلق ہے۔ اس میں انسان مراقبہ کرتا ہے تو اس کے اندر سے بخل ختم ہوجاتا ہے۔ پھر دین کے راستے پر انسان خوب کھلا خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سخی دل دے دیتے ہیں۔

چوتھا سبق لطیفۂ خفی ہے، اس کے ساتھ حرص اور حسد کا تعلق ہے۔ جب انسان اس پر ذکر کرتا ہے، تو حسد دل سے نکل جاتی ہے۔ وہ جو ہر وقت دل میں دوسروں کے بارے میں حسد کی کیفیت رہتی تھی، وہ ختم ہوجاتی ہے۔ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ انسان کے دل سے حسد ہی ختم ہوجائے۔ حسد کی بیماری برے لوگوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دیندار لوگوں میں بھی ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے:

لَوْلَا الْحَسَدُ فِي الْعُلَمَاءِ لَصَارُوْا بِمَنْزِلَةِ الْاَنْبِيَاءِ

''اگر علماء میں حسد نہ ہوتا تو شاید انبیاء کے درجے تک پہنچ جاتے''

پانچواں سبق لطیفۂ اخفیٰ ہے۔ اس کے ساتھ عجب اور تکبر کا تعلق ہے۔ تو جب سالک اس پر ذکر کرتا ہے تو طبیعت کے اندر سے ریا، عجب اور دکھاوا نکل جاتا ہے۔ بس انسان جو کرتا ہے صرف اللہ کے لیے کرتا ہے۔ اب تکبر سے نجات مل جائے تو سبحان اللہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ تو پانچ اسباق کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ پانچ مہلک روحانی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے۔

اب بتائیں کہ ہمارے بعض حضرات اس کو نفلی کام سمجھتے ہیں۔ فلاں بندہ بیٹھا ہوا مراقبہ کررہا ہے، ہاں جی نفلی کام کررہا ہے۔ بھئی! نفل نہیں ہے۔ شہوت، غصے، حسد،

کینہ، بغض اور عجب سے نجات پانا ہر بندے پر فرض ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ)) (مسلم: ۹۱)

’’جس کے دل میں ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔‘‘

تو ہمیں تکبر سے جان چھڑانی چاہیے۔ جس طرح بخار ہو جاتا ہے، تو سمجھدار آدمی اس کا علاج کرتا ہے، دوائی بھی لیتا ہے، ڈاکٹر کو بھی چیک کراتا ہے، اس کو احساس ہوتا ہے کہ میں بیمار ہوں۔ اسی طرح ان روحانی بیماریوں کا بھی احساس کرنا چاہیے، کہ میرے اندر یہ بیماریاں ہیں اور مجھے ان کا علاج کروانا ہے۔ لہٰذا ذکر و مراقبہ میں زیادہ وقت لگائیں، جب سب لطائف میں ذکر جاری ہو جائے گا، تو یہ ساری روحانی بیماریوں کا علاج خود بخود ہو جائے گا۔

اگر بالفرض یہ بیماریاں مکمل ختم نہیں ہوئیں تو یقینی بات ہے کہ کم ضرور ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ جتنا گڑ اتنا میٹھا۔ تھوڑی محنت کی جاتی ہے تو تھوڑی بیماری ختم ہوتی ہے، زیادہ محنت کر لیتے تو پوری بیماری ختم ہو جاتی۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ کوئی بندہ بیعت ہو اور ذکر اذکار کرتا ہو اور اس کی طبیعت میں تبدیلی نہ آئے۔ یہ تو قصہ ہی نہیں ہے کہ بیعت ہونے کے بعد بھی نہ بدلے۔ ہاں! اتنا فرق ضرور ہے، کسی میں تھوڑی تبدیلی آئے گی، کسی میں زیادہ تبدیلی آئے گی، اور وہ اس لیے کہ جس نے جتنی محنت کی اتنا نتیجہ اس کو مل گیا۔ جس کو مراقبہ کیلئے وقت ہی پانچ اور دس منٹ کا ملتا ہے، اس پر اثرات بھی اتنے ہی ہونگے۔ جو باقاعدہ ذکر، مراقبہ، طریقہ سے کرتا ہے، تو اس کو اللہ روحانی بیماریوں سے کلی نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ مگر جتنے بھی بزرگوں نے اللہ کو پایا، انھوں نے انہی لطائف پہ ذکر کر کے ان

مہلکات سے پہلے جان چھڑائی۔ پھر اللہ کے قرب کا مقام ملا۔ حسد، بغض، کینہ کے ساتھ رہ کر کسی کو اللہ کا قرب نہیں مل سکتا۔ ان بیماریوں سے جان چھڑانی پڑے گی۔ تو اس لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔

اب کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ انسان نے ایک سبق کیا، تو شیخ ان میں اثرات دیکھتے ہیں، اور پھر ان کو دوسرا سبق بھی دے دیتے ہیں...... پھر تیسرا بھی دے دیتے ہیں۔ تو سات اسباق عام طور پر آسانی کے ساتھ دے دیتے ہیں۔ چونکہ سب کے اثرات ایک ہی جیسے ہیں۔ اور جو بھی ذکر کر رہے ہوں، باقی سب لطائف کو فائدہ ہو رہا ہوتا ہے۔ پہلا...... دوسرا...... تیسرا...... چوتھا، جو سبق بھی کر رہے ہیں، ان لطائف کے اسباق سے سب لطائف کو فائدہ ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے، آپ نے پہلی میں داخلہ لیا، پھر جب دوسری میں چلے گئے، تیسری میں چلے گئے، تو جب تیسری میں جاتے ہیں تو، پہلی کلاس کی کتابیں بالکل سمجھ میں آجاتی ہیں، حالانکہ پہنچے تو تیسری میں ہوتے ہیں۔ تو مشائخ بھی اسی طرح بسا اوقات، ایک سالک کی استعداد کو دیکھتے ہوئے، اس کو ایک سبق کے ساتھ دوسرا بھی دے دیتے ہیں۔ تاکہ اس کی ترقی جاری رہے۔ اگرچہ پہلے لطیفے کی فنا مکمل نہیں ہوئی ہوتی، سالک کو دوسرا سبق کرنے کی بھی اجازت دے دی جاتی ہے۔

اب بالفرض ایک آدمی دوسرے ملک میں رہتا ہے، اور سال میں ایک مرتبہ ملاقات ہو سکتی ہے۔ تو ایسی صورت میں صرف ایک سبق دینا، اور پھر اگلے سال آنے پر دوسرا سبق لینا تو پھر راستہ طے نہ کرنے والی بات ہوئی۔ اللہ رب العزت نے مشائخ حضرات کو دانائی اور حکمت دی ہوتی ہے، تو وہ بندے کی کیفیات کو، حالات کو دیکھتے ہیں، تو اس کو اسباق کئی مرتبہ جلدی جلدی دے دیتے ہیں۔ سالک کو یہ وہم نہیں

کرنا چاہیے کہ پہلا سبق تو ہوا نہیں، دوسرا دے دیا۔ وہ یہی سمجھے کہ اگر چہ دوسری کلاس کی کتابیں پڑھنے کے لیے کہہ دیا، لیکن اگر میں اچھی طرح پڑھونگا، پہلی کلاس کی مجھ کو خود بخود یاد ہو جائیں گی، پہلی کلاس کی باتیں خود بخود سمجھ میں آجائیں گی۔ جو پانچویں کلاس میں پہنچ جاتا ہے، اس کی تیسری کلاس کی کتابیں اگر پہلے کمزور بھی تھیں تو اب وہ پوری طرح پکی ہو جاتی ہیں۔ تو لطائف کے اسباق سب ایک جیسے ہیں، ان پر ڈٹ کر محنت کرنی چاہیے تا کہ سالک کے لطائف پر خوب انوارات نازل ہوں۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مشائخ نے فرمایا کہ اگر لطائف کے اسباق کرنے کے باوجود کچھ روحانی بیماریوں کے اثرات رہ جائیں تو اس کو دوسری دوا کھلائیں۔ اس کا نام کلمہ کا ذکر ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ گناہوں کی ظلمت کو مٹانے کے لیے، حتی کہ کفر اور شرک کی ظلمتوں کو ختم کرنے کی ایک تریاق ہے۔ یہ ایک جھاڑو ہے جو باطن کو صاف کر کے رکھ دیتا ہے۔

چنانچہ کلمہ طیبہ کے فضائل میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائل ذکر میں فرماتے ہیں، کہ

> ''اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی جلاءُ القلوب (دلوں کی صفائی) ہے۔''

یعنی کلمہ طیبہ کا نام ہی جلاء القلوب، دلوں کو جلا دینے والی، منور کرنے والی عبادت ہے۔ تو محدثین نے اس کا نام ہی ''جلاء القلوب'' رکھا، سبحان اللہ!

لطائف پر مراقبے کے بعد ذکر کا طریقہ پہلے کی نسبت دوسرا ہو جاتا ہے۔ پہلے اسمِ ذات کا ذکر تھا، پھر آٹھواں سبق تہلیل کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے بارے میں حدیث مبارکہ سنیے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

''جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

قِيْلَ وَمَا اِخْلَاصُهَا

''کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟''

﴿قَالَ اَنْ تَحْجُزَهٗ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ﴾ (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۵۰۷۴۔ مجمع الزوائد: ۱/۳۱) فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے''

اب دیکھیے! ہمارے مشائخ کو دلیل مل گئی کہ اگر گناہوں سے بچنا ہے تو پہلے اللہ کا ذکر کریں، گناہوں کے زیادہ اثرات ختم ہو جائیں گے۔ اگر کچھ اثرات رہ جائیں تو کلمہ طیبہ کا ذکر کریں۔ کیونکہ کلمہ طیبہ حرام کاموں سے روکنے کے لیے سند کی مانند ہے، اللہ کے محبوب ﷺ فرما رہے ہیں۔ ((اَنْ تَحْجُزَهٗ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ)) کہ کلمہ اس بندے کو حرام کاموں سے روک لیتا ہے۔ سالک حرام کاموں سے تب رکے گا، جب روحانی بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ مثلاً: شہوت، غضب، بخل، حسد، کبر جیسی بیماریوں سے نجات ہوگی، تو گناہوں سے بچے گا۔ تو یہاں حدیث مبارکہ سے دلیل ملی کہ یہ کلمہ طیبہ کا ذکر انسان کی روحانی بیماریوں کے لیے شفاء بن جاتا ہے۔ من کو صاف کر دیتا ہے، کلمہ طیبہ ناپاک سینے کو بھی طیب بنا دیتا ہے۔

ہمارے مشائخ دین کو پڑھنے والے، سمجھنے والے اور معرفت رکھنے والے بزرگ تھے۔ انھوں نے دین سے ہی یہ نکتے نکالے ہیں۔ ہم بھی انہی احادیث کو پڑھتے ہیں، ہمارے ذہن وہاں تک نہیں پہنچتے۔ مشائخ بھی انہی احادیث کو پڑھتے ہیں اور ہیرے اور موتی نکال لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ انبیاء جیسی باتیں کرتے ہیں، لیکن متکبر ہوتے ہیں۔ اب یہ تکبر ختم ہوگا جب ذکر کریں گے۔

ایک اور حدیث مبارکہ سنیے، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں، کہ

''صاحبِ احیاء نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا، جس میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو اس طرح سے کہے کہ خلط ملط نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو واضح فرما دیں خلط ملط کا کیا مطلب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور اسکی طلب میں لگ جانا۔''

یعنی ایک طرف دنیا کی محبت میں ہو اور دوسری طرف بندہ ذکر کر رہا ہو تو یہ اس کلمہ کو خلط ملط کرنا ہے۔ اس لیے انسان پہلے توبہ کرے، رجوع الی اللہ ہو اور طبیعت کے اندر زہد پیدا ہو، تو پھر اللہ کی طرف سے جو عمل کرتا ہے، اس سے ترقی بہت جلدی ہوتی ہے۔ تو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' باطنی بیماریوں کو ختم کرنے کے لیے بہت مؤثر ہے۔ اس لیے جو لوگ کلمے کا ذکر کرتے ہیں، ان پر موت کے وقت وحشت نہیں ہوگی نہ قبر میں ہوگی۔

حدیث مبارکہ میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَیْسَ عَلٰی اَھْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْشَۃٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْرِ (رواہ الطبرانی والبیھقی، مجمع الزوائد: ۸۲/۱۰)

''جو کثرت سے کلمہ پڑھتے ہیں ان کو نہ موت کے وقت وحشت ہوتی ہے، نہ قبر میں۔''

اللہ ان کو سکون عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں، کہ

ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص سو مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا کرے اس کو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اس کا چہرہ روشن ہوگا۔

اب بتائیں کہ سو دفعہ روزانہ پڑھنے پر چودھویں کے چاند کی طرح چہرہ ہوتا ہے۔ تو مشائخ اس کو روزانہ ہزاروں دفعہ پڑھتے ہیں، سبحان اللہ ان کے کیا کہنے! چنانچہ ایسے بھی سالکین ہیں، جو تین ہزار مرتبہ...... پانچ ہزار مرتبہ...... دس ہزار مرتبہ ...... اکیس ہزار مرتبہ پڑھتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک دن میں چالیس ہزار مرتبہ کلمے کی ضرب لگاتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ قیامت کے دن ان کے چہرے کیسے منور ہونگے۔ سبحان اللہ!

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہتی ہیں وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے''

اب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ لکھتے ہیں اس کو توجہ سے سنیں، یہ کسی عام بندے کی بات نہیں ہے۔ یہ استاذ الاساتذہ، استاذ المحدثین کی بات ہے۔ حضرت اتنے بڑے محدث تھے کہ ان کے شاگرد بھی آگے محدث بنے۔ فرماتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔ بدقسمتی اور محرومی ہے ان لوگوں کی جو اس کو ہلکا سمجھتے ہیں۔ البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہوسکتا ہے، اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔

اب یہ ایک شیخ الحدیث کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں کہ اسی اخلاص کو حاصل کرنے کے لئے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔

تہلیل کی مقدار اور حبس دم کے بارے میں محدثین کا قول

ایک دوسری جگہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا،

”جامع الاصول میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم از کم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں۔ اور صوفیا کے لیے کم از کم پچیس ہزار روزانہ“

اب یہ جو ہم اسم ذات کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کی دلیل جامع الاصول کتاب سے ایک محدث فرمارہے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ اس کی پانچ ہزار مقدار روزانہ ہے۔ سبحان اللہ! یہ اللہ اللہ کی ضرب لگانے کے بارے میں ہے، اسم ذات اللہ کے متعلق جامع الاصول میں لکھا ہے، کہ پچیس ہزار مرتبہ ضرب لگائیں۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں لطائف کے اسباق میں تھا، تو ہر لطیفے پر روزانہ اسی (۸۰) ہزار مرتبہ اللہ اللہ کے نام کی ضرب لگاتا تھا۔ اللہ اکبر کبیرا! دیکھو ان مشائخ نے کتنا ڈٹ کر ذکر کیا، پھر اللہ نے ان کو ایسے صاف کر دیا کہ من صاف ہو گیا۔

''اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی مقدار کے متعلق لکھا ہے کہ کم از کم پانچ ہزار روزانہ ہو۔ یہ مقداریں مشائخ سلوک کی تجویز کے موافق کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔''

یہ تہلیل کے ذکر کے دو طریقے ہیں، ایک ہے سانس روک کر ایک سانس میں لقور سے اس کو اکیس مرتبہ کرنا، دوسرا ہے اس کو زبان سے کرنا۔ تو پہلے کو کہتے ہیں تہلیلِ خفی، یہ آٹھواں سبق ہے، اور نواں سبق ہے تہلیلِ لسانی۔ لیکن دونوں سبق چونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ہیں، تو اس لیے دونوں اکٹھے بھی دے دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مرتبہ لوگوں کو دونوں سبق اکٹھے دیے، فرمایا کہ ایک جیسے اثرات ہیں اس لیے دونوں سبق کر لیں۔ لیکن پہلا ہے حبسِ دم کے ساتھ اور دوسرا ہے زبان کے ساتھ۔

اب یہ جو حبسِ دم ہے نا، اس پر لوگوں کو کئی دفعہ اشکال ہوتا ہے۔ یہ بدعت کہاں سے آ گئی، سانس بند کر کے ذکر کرتے ہیں۔ ایک سانس میں زیادہ سارا ذکر کرنا کہاں سے آ گیا؟ اب اس کے لیے دلیل سنیے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں،

''ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے القول الجمیل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں لَآ اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہ دوسو مرتبہ کہا کرتا تھا۔"

اب یہ نقل کرنے والے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو جامع الاسانید کہتے ہیں۔ جو پاک و ہند کے علماء ہیں، سب کی حدیث کی سندیں بالآخر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہو کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی ہیں۔ اس دریا کا ایک ہی پل ہے، چنانچہ اکابر علمائے دیوبند کی بھی سندیں وہیں سے جاتی ہیں۔ تو اتنے بڑے محدث اپنی کتاب القول الجمیل میں اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں، شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ اور وہ نقشبندی تھے۔ اور ہم تو کہتے ہیں کہ ایک سانس میں اکیس مرتبہ کہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں ایک سانس میں دوسو مرتبہ کہا کرتا تھا۔ اور اس بات کو نقل ایک محدث فرمارہے ہیں، ہمارے لیے اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے مشائخ جو کہہ رہے ہیں یقیناً اس کو کرنے میں ہمارے باطن کی اصلاح ہے۔ شیطان ہمارے ذہن میں شکوک ڈالتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے کہ یہ بدعت اور وہ بدعت۔ کلمہ پڑھنا، اپنے دل کی صفائی کے لیے اور دل سے گناہوں کی رغبت ختم کرنے کے لیے تو حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔ تو علاج کی غرض سے اگر ہم اس کلمے کو پڑھیں، تو یہ حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔ اس لیے تہلیل کو خوب کرنا چاہیے۔

آگے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ حق تعالیٰ شانہ کے غصہ کو دور کرتا رہتا ہے۔

جو بندہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اس سے دور ہوتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ ہمارے سلسلے کے سردار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے جس کا تذکرہ فضائلِ ذکر میں ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ

شیطان بدبخت نے یہ کہا:

أَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوبِ وَأَهْلَكُونِي بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَالْإِسْتِغْفَارِ (رواہ الطبرانی فی الدعاء: ۵۰۴)

کہ ”میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور استغفار سے ہلاک کیا“

تو معلوم ہوا کہ یہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا سبق شیطان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یعنی گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ شیطان اس بندے سے مایوس ہو جاتا ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے گیا۔ اب یہ اللہ کی حفاظت میں آ گیا۔ شیطان نے جو کہا ہے کہ انہوں نے مجھے مار دیا، اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی امیدیں مرجاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اب یہ بندہ میرے ہاتھوں سے چلا گیا، اب یہ اللہ پاک کی حفاظت میں آ گیا۔ چنانچہ ہمیں کلمہ طیبہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”اس کام یعنی دین میں دقتیں بھی پیش آتی ہیں، وساوس بھی گھیرتے ہیں، شیطان کی رخنہ اندازی بھی مستقل ایک مصیبت ہے، دنیاوی ضروریات بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس صورت میں مطلب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی کثرت ان سب چیزوں کا علاج ہے۔“

دنیا کی محبت بھی ختم ہوتی ہے، گناہوں کی رغبت بھی ختم ہوتی ہے، شیطان کے حملے سے بھی دفاع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے جس کا فضائلِ ذکر میں ذکر کیا گیا ہے، ذرا غور سے سنیے گا کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے۔جن میں سب سے کم غم ہے جو ہر وقت آدمی پر سوار رہتا ہے۔

کیا ضرورت ہے عاملین کے پیچھے بھاگنے کی؟ یہ تعویذ دے دو تو وہ تعویذ دے دو۔اور ان اللہ کے بندوں نے بھی تعویذات فوٹو کاپی کروا کر رکھے ہوتے ہیں۔آج کل نیا دور آ گیا کہ فیض بھی فوٹو کاپی ہو جاتا ہے۔سبحان اللہ! تو بھئی! اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے بتایا کہ کلمے کی کثرت کرنے سے اللہ تعالیٰ ننانوے قسم کی بلائیں دور کر دیتا ہے، یہ سب سے چھوٹا ہے، کہ جو غم ہر وقت بندے کے دل پر سوار رہتا ہے، وہ غم سب سے چھوٹا ہے، باقی بلائیں اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔زندگی کو پرسکون بنانے کا کتنا آسان طریقہ ہے۔اس لیے کلمے کو روزانہ کثرت کے ساتھ کرنے کی کوشش کریں۔

اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو

چنانچہ کلمہ طیبہ کے بارے میں نبی علیہ السلام کی ایک اور حدیث مبارکہ کتاب فضائلِ ذکر میں ہے، کہ

''حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور ایسے اخلاص سے عمل کیا کر جیسا کہ وہ پاک ذات تیرے سامنے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر''

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔نبی علیہ السلام نے ایک تو کلمہ کی کثرت کا حکم فرمایا

اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر۔ تو مُردوں میں شمار کرنے سے یہ لمبی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان گناہوں کو آسانی سے چھوڑتا ہے کہ میں تو بس اب مُردوں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہوں۔

ایک مرتبہ ہمارا سابقہ کسی ضدی بندے سے پڑ گیا۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ آپ جو ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتے ہیں، یہ کہاں سے ثابت ہے؟ عاجز نے کہا: قرآن سے۔ کہنے لگا: کیسے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ (المزمل: ۸)

''ذکر کر رب کے نام کا''

میں نے کہا: رب کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا: ''اللہ''۔ تو مطلب کیا بنا؟ اللہ کا ذکر کرو، اللہ کے نام کا۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اللہ کے نام کا ذکر کرو۔ تو عاجز نے کہا کہ ہم اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں، اللہ کا ذکر تو کرنا چاہیے۔ اس کا تو حکم ہے۔ یہ جو آپ بار بار کرتے ہیں اللہ کا ذکر، کہ دل اللہ اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ یہ جو متعدد دفعہ کرتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ بھئی! اگر ایک دفعہ کرنا جائز ہے، تو متعدد کرنے میں آپ کو کیا تکلیف ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ ذکر ہم کرتے ہیں اور تکلیف ان کو ہوتی ہے۔ تو جب اس نے یہ کہا کہ جی بار بار کیوں کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ کہنے لگا: نہیں، نبی علیہ السلام سے تو یہ ثابت نہیں ہے، میں نے دورہ حدیث کیا ہوا ہے، میں جانتا ہوں۔ میں نے کہا: آپ نے دورۂ حدیث کیا ہوا ہے لیکن آپ نے کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی نہیں کی ہوئی، آپ کو سمجھ نہیں ہے۔ کہنے لگا: اچھا آپ بتا دیجیے، ثابت کر دیجیے۔ میں نے کہا دیکھیں! نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہ اَللّٰہ))

(مسلم، مجمع الزوائد:۱۲۵۹۹)

''قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا''

تو ایک دفعہ ''اللہ'' ہے یا زیادہ مرتبہ ہے؟ کہنے لگے ایک دفعہ سے تو زیادہ ہے۔ عاجز نے کہا: ہم بھی کہہ رہے ہوتے ہیں، اللہ اللہ، اللہ اللہ، اللہ اللہ۔ بھئی! اللہ اللہ تو حدیث سے ثابت ہے۔ تو ہم بھی یہی کر رہے ہوتے ہیں۔ بس اپنے قلب سے اللہ اللہ...... اللہ اللہ...... اللہ اللہ! تو کہنے لگے کہ اب اشکال دور ہو گیا ہے۔ الحمد للہ کہ ہمارے مشائخ کی ہر بات کے پیچھے حقیقت ہے۔

دیکھیں! پانی کے نل سے بار بار قطرہ گر رہا ہوتا ہے۔ نیچے ماربل لگا ہوتا ہے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد فرش میں اس جگہ سوراخ ہو جاتا ہے جہاں پانی کا قطرہ گر رہا ہوتا ہے۔ پانی کا قطرہ کتنا نرم ہے، پتھر کے اوپر تواتر سے گرتا رہا، اس نے وہاں جگہ بنالی، اللہ کا نام اگر تواتر سے کسی پتھر جیسے دل پر بھی پڑتا رہے گا، یہ وہاں بھی راستہ بنالے گا۔

چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ضدی بندہ پہنچ گیا۔ کہنے لگا کہ حضرت! یہ آپ کلمے کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ حضرت نے بڑی خوبصورت بات بتائی۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَقِّنُوا الْمَوْتٰی (ترمذی:۹۷۶)

کہ جو تمہارے مرنے والے لوگ ہوں ان کو کلمے کی تلقین کرو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا اور نبی علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ تم اپنے آپ کو مُردوں میں

شمار کرو۔ اب دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو میں ہر لمحے اپنے نفس کو محسوس کر رہا ہوں کہ یہ مر رہا ہے، اور میں اس کو کلمے کی تلقین کر رہا ہوں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ ...... لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کتنا عجیب استنباط فرمایا!

ایک اور حدیث مبارکہ سن لیجیے:

((عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ لَا يَسْبِقُهَا عَمَلٌ وَلَا تَتْرُكُ ذَنْبًا))

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ سے آگے نہ کوئی عمل بڑھ سکتا ہے، اور نہ یہ کلمہ کسی گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔

(رواہ ابن ماجہ، کنز العمال:۱۷۸۱)

ہمارے لیے سند ہے کہ جو بندہ تہلیل کا سبق اچھی طرح کر لے گا، اللہ اس کی معصیت سے حفاظت فرمالیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کلمے کا ذکر بھی کرتا رہے اور گناہوں سے جان بھی نہ چھوٹے۔ اب جو کہتے ہیں کہ گناہوں سے جان نہیں چھوٹی، وہ ذرا دیکھیں کہ کلمہ کا ذکر کتنا کرتے ہیں؟ مشکل سے چند سو دفعہ کرتے ہونگے، یا اتنا بھی نہیں کرتے ہونگے۔ تو اگر انسان دوائی نہ کھائے اور پھر کہے کہ بخار ہی نہیں اتر رہا تو قصور تو اپنا ہے نا؟ اس لیے جو لوگ ان اسباق پر وقت لگائیں گے، تو اللہ رب العزت ان کو کیفیتیں بھی عطا فرمائیں گے۔

ہمارے مشائخ نے جو ذکر اذکار بتائے ہیں، یہ مجرب روحانی دوائیاں ہیں، استعمال کریں، یقیناً گناہوں سے جان چھوٹے گی۔ اور یہ بات کرتے ہوئے، اس عاجز کے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ عاجز ایسے یقین سے بات کر رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عاجز نے اپنی زندگی میں الحمد للہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کو معصیت سے نکل کر

نیکی کی طرف آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا ہے۔تو اس لیے معصیت کی ذلت سے بچنے کے لئے، مراقبہ اور تہلیل یہ دو بہت اہم اعمال ہیں۔

کلمہ طیبہ تمام مخلوق سے زیادہ وزنی

اب تہلیل کیسے کرنا ہے؟ اپنے مشائخ کی عبارات سے سن لیجیے۔

ایک حدیثِ قدسی امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دفتر دوم، مکتوب ۹ میں نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ نے فرمایا کہ (حدیث قدسی میں) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے "اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور اُن آسمانوں میں آباد شدہ فرشتے اور ساتوں زمینیں (ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ رکھا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ والا پلڑا (اپنے بزرگی کے وزن کی وجہ سے) جُھک جائے گا۔ (فرماتے ہیں) یہ کلمہ کیسے افضل اور وزنی نہ ہو جبکہ اس کلمہ کا پہلا جز (لَآ اِلٰہَ) تمام ماسویٰ کی نفی کرتا ہے (خواہ وہ) آسمان ہوں یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالم ہو یا آدم (سب کی نفی کرتا ہے)۔ اور اس کلمہ کا دوسرا جزء (اِلَّا اللہُ) معبودِ حق جل برہانہ کا اثبات کرتا ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے۔

اس لیے اس کو اَفْضَلُ الذِّکْرِ کہا گیا ہے۔

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

مکتوباتِ شریف میں امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۵۲

میں فرماتے ہیں کہ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ))

(مسند احمد ۵/۲۳۹)

''یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (کی تکرار) سے اپنے ایمان کو تازہ کرلیا کرو''

بعض لوگ اپنی گاڑی روزانہ صاف کرواتے ہیں، صبح کا وقت ہوتا ہے تو نوکروں کو بھیجتے ہیں کہ گاڑی کو صاف کردو، روزانہ جوتے بھی صاف ہوتے ہیں، کہ دفتر جانا ہے۔ تو گاڑی جوتے تو روزانہ صاف ہوں اور دل روزانہ صاف نہ ہو تو یہ کتنی افسوس کی بات ہے۔ ذرا گھر کی صفائی میں کچھ ترتیب ذرا آگے پیچھے ہو جائے تو بیوی کی کم بختی آجاتی ہے۔ وہ بیچاری گھر کو ایسے چمکا کر رکھتی ہے، کہتی ہے کہ میاں گھر آئے گا اور صفائی نہ ہوئی تو سخت ناراض ہوگا۔ تو جوتے بھی صاف...... گاڑی بھی صاف...... کپڑے بھی صاف...... گھر بھی صاف...... اور خود انسان کا من ناپاک۔ اللہ اکبر! تو بھئی من کو تو صاف کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ اور یہ من صاف ہوگا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت سے، اب اس حدیث مبارکہ میں تو نبی علیہ السلام نے خود فرما دیا کہ ایمان کی تجدید کرتے رہو، اس کو روزانہ تازہ کرتے رہو۔ اس لیے وقت نکالنا اور تہلیل کا سبق کرنا، دل کو چمکانے کے لیے بہت ضروری ہیں۔

مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں ایک بہت خوبصورت بات لکھی ہے، پڑھ کر لطف آگیا۔ دفتر دوم، مکتوب ۳۷ میں فرماتے ہیں:

''اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام عالم کو بھی صرف ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ (صدق دل سے) پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی

گنجائش ہے۔ بہت بڑی بات لکھی ہے، تمام عالم کو صرف ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش ہے۔ اللہ اکبر کبیرا! اور یہ بھی مشہود ہوتا ہے (یعنی یہ کشف ہوا حضرت کو، فرماتے ہیں یہ بھی مشہود ہوا ہے) کہ اس کلمہ مقدسہ کی برکات کو اگر تمام عالم پر تقسیم کر دیں تو ہمیشہ کے لیے سب کو کافی ہوں گی اور سب کو سیراب کر دیں گی۔"

کلمے کی برکتیں سارے عالم کو سیراب کر سکتی ہیں۔

اگر کلمہ طیبہ نہ ہوتا تو اللہ کی طرف راستہ دکھائی نہ دیتا

کتاب مبداء و معاد (منھا: ۴۹) میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کلمہ کے فضائل لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

"اگر کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ نہ ہوتا تو بارگاہِ قدسِ خداوندی جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا؟ اور توحید کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا؟ اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا؟ (بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ) صفاتِ بشریہ کے پہاڑ اس "لَآ" کے تیشہ کو کام میں لا کر ہی کھودے جاتے ہیں۔ اور تعلقات کی بے شمار دنیائیں اسی نفی کے تکرار کی برکت سے منتفی ہوتی ہیں۔"

یعنی اس کا کھانا، پینا، سونا، کم ہو جاتا ہے، اس کے اندر ملکوتیت آجاتی ہے۔ سبحان اللہ! حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''یہی کلمہ تو ہے جو تجلیاتِ افعال سے (آدمی کو) تجلیاتِ صفات تک لے جاتا اور تجلیاتِ صفات سے تجلیاتِ ذات تک پہنچاتا ہے۔''

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تمام جہاں کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح دریا کے سامنے قطرہ ہوتا ہے اور یہ کلمہ شریف نبوت اور ولایت کے تمام کمالات کا جامع ہے۔ یہ کلمہ شریف نبوت اور ولایت کے تمام کمالات کا جامع ہے۔ سبحان اللہ! مطلب یہ کہ آگے پھر جتنے بھی اسباق کھلتے ہیں، جس میں کمالاتِ ولایت علیا، ولایت کبریٰ اور ولایت انبیا ہیں۔ وہ سارے اس کلمے کی کثرت کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ تو کلمہ طیبہ کا سبق لطائف کے بعد شروع ہوتا ہے، اور پھر کمالات کے اسباق میں بھی کلمہ کا ذکر بہت فائدہ دیتا ہے۔ کلمے کا ذکر سالک جتنا زیادہ کرتا جاتا ہے، اتنا کمالاتِ نبوت اس پر زیادہ کھلتے ہیں۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ

اہل اللہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ باطن کو منور کرنے میں اس کلمۂ مبارکہ سے زیادہ نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے، صاحبِ استعداد سالک اس کلمہ کے پہلے جزو (لَآ اِلٰہَ) کے ساتھ مطلوبِ حقیقی کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور اس کے دوسرے جزو (اِلَّا اللہ) کے ساتھ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ تمام سلوک کا خلاصہ ہے۔

تا بجاروبِ لا نہ روبی راہ
نرسی در سرائے الا اللہ

''جب تک تو لا کی جھاڑو سے راستہ کو صاف نہیں کرے گا (اسوقت تک) الا

اللہ کی سرائے میں نہیں پہنچے گا''

دفتر دوم، مکتوب: ۴۶ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ کلمۂ طیبہ طریقت وحقیقت اور شریعت پر مشتمل ہے۔''

یعنی تینوں چیزیں طریقت، حقیقت، شریعت، تینوں اسی کلمے میں ہیں۔ سبحان اللہ! اور فرماتے ہیں کہ انسان جب اس کلمہ کو کرنا شروع کرتا ہے، تو لَآ اِلٰهَ یہ مقامِ طریقت ہے، اور اِلَّا اللّٰهُ یہ مقامِ حقیقت ہے، اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ مقامِ شریعت ہے۔

کلمۂ نفی کو خلیل علیہ السلام نے پورا کیا اور کلمۂ اثبات حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے مکمل ہوئے

اب اس سے آگے ایک عجیب بات کہی ہے۔ سبحان اللہ! مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم، مکتوب ۹۔

''جاننا چاہیے کہ کلمۂ نفی کو حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے پورا کیا تھا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کر دیا ہو، اسی لیے آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام قرار پائے اور پیشوا بن گئے۔ کیونکہ اس دنیا میں کمال کی انتہا اسی نفی کے اتمام کے ساتھ وابستہ ہے اور کلمۂ طیبہ کے کمالات کا ظہور یعنی اثبات آخرت کی زندگی پر موقوف ہے۔''

اب یہ ایک نکتہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں سے یہ دنیا سالک کو صرف لَآ اِلٰهَ کے کمال تک پہنچاتی ہے کہ نفی کامل ہو جائے۔ اور اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام سب سے نمبر لے گئے۔ چنانچہ انھوں نے سب بتوں کو توڑ دیا ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾ (الانبیاء:۵۸) پھر اسباب کو توڑ دیا، حتیٰ کہ عالم خلق کے جتنے اسباب تھے، سب کو توڑ دیا اور پھر عالم ملکوت سے جبرئیل علیہ السلام ان کی مدد کرنے کے لیے آئے، ان کو بھی چھوڑ دیا۔ سبحان اللہ، جبریل علیہ السلام سے اتنا پوچھا کہ کیا اللہ جانتے ہیں کہ میں اس حال میں ہوں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرمایا:

﴿حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ﴾

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۵/ ۱۶۸، کشف الخفاء: ۲/ ۱۱۳)

کہ ''اللہ کو جو میرے حال کا پتہ ہے، اس لیے میں کسی سے سوال نہیں کرتا۔''

سبحان اللہ! اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس حال میں ہوں تو میں کیوں کسی سے مدد مانگوں؟ اللہ کو یہ بات اتنی پیاری لگی کہ رب کریم نے فرمایا:

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ﴾ (النجم: ۳۷)

''اور ابراہیم جس نے وفا کی''

میرا ابراہیم بڑا وفادار نکلا، وفا ہو تو ایسی ہو، میرا ابراہیم بڑا وفادار تھا۔

تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کمال اس دنیا میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ سے مقامِ نفی مقصود ہے۔ اور انسان کامل نفی کرے، اپنی ذات کی، مخلوق کی، اپنے ارادوں کی، تمناؤں کی، اسباب کی، ہر چیز کی نفی کرے۔ حتیٰ کہ ہمارے بزرگوں نے کہا جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا، یہ بھی اللہ کا غیر ہے، لا کلمے کے نیچے لا کر اس کی بھی نفی کر دینی چاہیے۔ تو کامل نفی، یہ اس دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ دنیا کے کمال کی انتہا

ہے۔

البتہ اثبات کا کمال آخرت میں ہوگا۔ اس لیے کہ آخرت میں رویتِ باری تعالیٰ ہوگی۔ تو جب رویت باری تعالیٰ ہوگی تو اثبات کا کمال تو وہاں نصیب ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اثبات کا کمال آخرت میں نصیب ہوگا۔ لیکن نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں معراج پر تشریف لے گئے، اور اللہ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اثبات کے فیوضات کو لے کر آئے تو اِلَّا اللہ کی تکمیل محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی۔ کیا خوبصورت بات کہی ہے! کہ لَآ اِلٰہَ کی تکمیل حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی، اور اِلَّا اللہ کی تکمیل اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی تھی۔ اللہ اکبر کبیرا!

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اس دنیا میں رویتِ حق جل وعلا سے (شبِ معراج میں) مشرف ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمۂ طیبہ کے جزءِ اثبات اِلَّا اللہُ کے کمالات سے بھی اس دنیا میں بہت بڑا حصہ پالیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلمۂ اثبات اس دنیا کے اندازے کے مطابق آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت (تشریف آوری) سے کامل ومکمل ہوگیا اور اسی وجہ سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تجلی ذات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس دنیا میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں۔

تو باقی انبیا کو تجلی کا وعدہ آخرت میں اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ تجلی اسی دنیا میں ملی، معراج کے ذریعے سے۔ سبحان اللہ!

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۷۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اس کلمۂ طیبہ کا پہلا جزو (یعنی لَآ اِلٰہَ) حق جل وعلا کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور وجودِ بشریت کے پہاڑوں کو جڑ سے اُکھاڑ دیتا ہے اور اس کا دوسرا جزو (یعنی اِلَّا اللہ) معبودِ برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ سیر وسلوک کا حاصل اور فنا اور بقا کے حصول کا ذریعہ ہے، اس کے برابر کوئی آرزو نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی گوشہ میں تنہا ہو اور وہ اس مبارک کلمہ سے تر زبان رہے، اور اس کے اسرار کے سمندروں سے سیراب وشاداب ہوتا رہے، مطلوب کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور مقصود کی طرف راستہ ظاہر ہوگیا ہے امیدوار رہیں۔

امید رکھنی چاہیے اور کلمہ کا ذکر کرنا چاہیے تاکہ اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔

ہمارے سلسلہ عالیہ کے اسباق کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ پہلے لطائف پر اللہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے، تو اس میں ماسوی کی نفی تو ہو جاتی ہے۔ مگر ذکر کے اثرات تو طبیعت میں ہوتے ہیں، چونکہ اللہ کا اثبات جو کرتا ہے، اللہ...... اللہ...... اللہ۔ اب کسی طرف دھیان نہیں لیکن اللہ کی طرف تو دھیان ہے نا؟ تو یہ ایک کیفیت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کہا کہ اگرچہ تم نے ماسوا کی نفی کر دی، لیکن جو اپنے اندر اللہ کے ذکر کا احساس ہے، یہ بھی تو ماسوا ہے، یہ اللہ تو نہیں ہے نا؟ لہٰذا اس کی بھی نفی کرو! لہٰذا تہلیل کا سبق اس کے بعد لائے، تاکہ انسان کے من میں جھاڑو پھر جائے، ہر کیفیت ختم

ہو جائے۔

اب اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا مگر اس کو ذکر سے فائدہ ہو ہی نہیں رہا تھا۔ بہت کوشش کی، بہت وقت گزارا، مخلص تھا، مگر ذکر سے طبیعت کی مناسبت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کافی عرصہ کے بعد اس نے کہا کہ حضرت! میں نے اتنا وقت گزارا، میں سنورنا چاہتا ہوں، میری رہنمائی فرمائیں۔ یہ مشائخ بہت حکیم اور دانا ہوتے ہیں۔ تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبت تمہیں کس سے ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کہ اچھی قسم کی کوئی بھینس ہو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ حضرت نے فرمایا، اچھا! آج کے بعد ایسا مراقبہ کیا کرو کہ میں خود بھینس ہوں۔ بھئی! تمہیں بھینس اچھی لگتی ہے، تو یہ مراقبہ کرو کہ میں بھینس ہوں۔ وہ تو بڑا خوش ہو گیا کہ بھینس کے بارے میں ہر وقت سوچوں گا، خیال رہے گا۔

چنانچہ اس نے مراقبہ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دن مراقبہ کرتا رہا تو اس کو استغراق کی کیفیت حاصل ہو گئی، بھینس کے تصور میں ڈوبا ہوتا تھا۔ باقی سالکین بڑے حیران کہ حضرت نے اس کو بھینس کا مراقبہ بتایا ہے، یہ کیا بات ہوئی؟ اس دیہاتی کی یہ کیفیت ہو گئی کہ ایک مرتبہ وہ کمرے کے اندر کھڑا تھا تو حضرت نے اس کو بلایا کہ آپ ادھر آؤ، تو وہ کھڑا ہوا کہنے لگا کہ میں کیسے آؤں دروازے میں میرے سینگ اٹکتے ہیں۔ اب اس کو بھینس کے خیال کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا کہ بیچارہ بھینس کا تصور کرتے کرتے خود ہی بھینس بن گیا۔ کہتا ہے کہ میں کیسے آؤں میرے تو خود سینگ اٹکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: الحمد للہ! ماسوا سے اس کو نفی نصیب ہو گئی، اب ہم اس بھینس کو ذبح کر دینگے، تو اس کو کلی نفی نصیب ہو جائے گی۔ ہمارے حضرات ماسوا سے انسان کو

کاٹ کے اللہ کے ذکر پر لاتے ہیں، اور پھر یہ جو کیفیتیں بندے کے دل میں ہوتی ہیں، اس پر بھی لَآ اِلٰہَ کا جھاڑو پھرا کر نفی کامل کا مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور سمجھا گیا، کلمہ 'لا' سے اس کی نفی کرو

چنانچہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دفتر اول مکتوب ۲۷۲ میں نقل ہے کہ

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو کچھ دیکھا گیا، یعنی آنکھوں سے دیکھا، کشف کی نظر سے، یا سنا گیا اور یا اپنی عقل سے جانا سمجھا گیا (یہ بہت خوبصورت بات کہی ہے، سلوک کے لیے تو یہ بنیادی فقرہ ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا،) وہ سب اس کا (یعنی اللہ کا) غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔

لا کی تلوار چلا کر اس کی بھی نفی کر دو۔ چنانچہ آٹھواں سبق اور نواں سبق، تہلیل یعنی نفی کا سبق ہے۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت خواجہ قدس سرہ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکالا اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی اور میرے اسباب (ہستی) کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا۔ جزاہُ اللہ سبحانَہٗ عَنِّیْ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔''

مکتوبات معصومیہ دفتر اول، مکتوب ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دریافت

کیا کہ

''کلمۂ طیبہ نفی اثبات کے تکرار کے وقت کلمہ مبارکہ محمد رسول اللہ کو بھی اس کے ساتھ ملائے یا نہ ملائے، اور اگر ملائے تو کتنی مرتبہ کے بعد ملائے؟ جواب: (کتنی) مرتبہ کا کوئی تعین نہیں ہے ہر دس، یا بیس، یا ہر پچاس، یا سو، کے بعد ملائیں اور اس کلمہ کے تکرار سے اپنے مقاصد اور ارادوں کی نفی کریں تا کہ اپنے ارادوں سے پوری طرح خالی ہو جائیں اور واحد حقیقی و مطلب تحقیقی کے سوا کچھ مقصود نہ رکھیں، اپنی مراد تلاش کرنا بندگی کے مقام کے لائق نہیں ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے وہ تیرا معبود ہے۔''

عجیب بات کہی ہے! مشائخ نے فرمایا کہ جو تیرا مقصود ہے وہ ہی تیرا معبود ہے۔ تو اس لیے ارادے ختم کر دیں، اپنے ارادوں کی نفی کریں، مجھے کچھ نہیں چاہیے، کامل نفی ہو۔ اس لیے ہمارے مشائخ فرماتے تھے:

''خداوندا مقصود من توئی و رضاء تو''

اے اللہ تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری رضا میرا مقصود ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۱۳۹ میں فرماتے ہیں کہ

کلمۂ نفی و اثبات جو کہ کلمۂ توحید ہے دوسرے فائدے رکھتا ہے، باطن کو پاک کرتا ہے اور متفرق تعلقات کا جو کہ بشریت کے لوازم سے ہیں ازالہ کرتا ہے بلکہ وجودِ بشریت کو جڑ سے اکھاڑتا ہے اور فنا تک پہنچاتا ہے اور بقا تک رہنمائی کرتا ہے اور ظل سے اصل تک لے جاتا ہے اور اصل

سے دوسری اصل تک اور اس اصل سے تیسری، چوتھی اور پانچویں اصل تک (اور) الا ماشاء اللہ (جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے) متحقق کر دیتا ہے۔

تو کلمہ کا ذکر فنا اور بقا کے دروازے کھولتا ہے۔ اسی لیے ہمارے مشائخ نے پہلے اسم ذات کے اسباق رکھے، پھر کلمے کا سبق رکھا، تا کہ گناہ ختم ہوں اور معصیت سے جان چھوٹے۔ اور یہ چونکہ ماسوا کی کامل نفی کر دیتا ہے لہٰذا اس بندے کے اوپر فنا کے دروازے کھول دیتا ہے، چنانچہ تہلیل کے بعد کا سبق فنا کا سبق ہے، اس کو مراقبۂ احدیت کہتے ہیں۔ اس سلوک کو سمجھنا کتنا آسان ہے۔ سبحان اللہ، ہمارے مشائخ نے اس سلوک کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو پڑھنے کی نیت جیسی ہو ویسا ہی فیض ملتا ہے۔ کہ اگر تو اس کو کلمہ کی نیت سے پڑھیں، تو پھر انسان کو دل کی صفائی کا فیض ملتا ہے۔ اور یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ قرآن کی آیت بھی تو ہے، تو فرماتے ہیں کہ آیت کی نیت سے پڑھیں تو مختلف انوارات وارد ہوں گے۔ اس لیے لَآ اِلٰہَ کو کس نیت سے پڑھ رہے ہیں، یہ ضروری ہے۔ واقعی اگر قرآن کی آیت سمجھ کر پڑھ رہے ہیں، تو پھر رحمتیں اتریں گی، اگر نفی کی نیت سے پڑھ رہے ہیں تو پھر اثرات اس کے اور ہوں گے۔

مقاماتِ مظہری میں لکھا ہے کہ نفی اثبات کے ذکر کی ورزش سے بشری صفات کم ہو جاتی ہیں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر بری عادت کا جدا جدا تکرار کلمہ طیبہ لا سے چند روز تک نفی کرے اور اس کی جگہ خدا کی محبت ثابت کرے یہاں تک کہ وہ

بری خصلت زائل ہوجائے۔نفسانی خواہش کے برعکس مقاماتِ سلوک حاصل کرنا چاہیے۔ممکن ہے کہ بری خصلتیں نیک اوصاف میں تبدیل ہوجائیں۔

یعنی جو گناہ ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر کرے تا کہ اللہ پاک اس گناہ سے نجات عطا فرمادیں۔

نفی اثبات افضل ہے یا نفلی عبادتیں؟

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ میں ذکر زیادہ کروں یا نفل نمازیں پڑھوں یا قرآن کی تلاوت زیادہ کروں؟ تو اس دلچسپ سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

آپ نے دریافت کیا ہے کہ ذکر نفی واثبات (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) تلاوتِ قرآن اور نماز میں طولِ قیام، ان تینوں میں کونسی چیز بہتر ہے؟ (جواب) ذکر نفی واثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔کہ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے، اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض وواجبات اور سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادات کریں سب وبال میں داخل ہیں۔پہلے اپنے مرض کو دور کرنا چاہیے جو کہ ذکر نفی واثبات پر وابستہ ہے اس کے بعد دوسری عبادات وحسنات میں مشغول ہونا چاہیے جو کہ بدن کے لیے

صالح غذا کی طرح ہیں، مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں وہ فاسد و مفسد ہوگی۔

سبحان اللہ! عجیب بات لکھی ہے! فرماتے ہیں کہ ذکر نفی و اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔ بھئی! وضو کرو گے تو تلاوت بھی کر سکو گے اور نماز بھی پڑھ سکو گے۔ فرماتے ہیں بیماری دور نہ ہوئی تو جتنی بھی اچھی غذائیں کھاتے رہیں الٹا نقصان ہی پہنچائیں گی۔ اسی لیے جب من صاف نہ ہوا، کوئی بھی تسبیح پڑھیں، نفل پڑھیں، انسان کو فائدہ نہیں ہوگا، پہلے من صاف کرو۔

مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۷ میں فرماتے ہیں کہ

''کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا ایک ہزار سے پانچ ہزار تک جس قدر ہو سکے تکرار کریں، تمام صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ باطن کو منور کرنے میں یہ کلمہ ذکرِ قلبی کی مانند بہت مفید ہے اور اشغال و مراقباتِ باطنی جو ہمارے طریقے میں معمول و مشہور ہیں صحبت و حاضری سے تعلق رکھتے ہیں۔''

مکتوبات معصومیہ دفتر اول، مکتوب ۱۳۷ میں فرماتے ہیں کہ

آخری دونوں ولایتوں (ولایتِ کبریٰ وعلیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) ہے اور جو کمالات مرتبۂ نبوت کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے حصول میں مدد دینے والی چیز قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نمازیں پڑھنا بالخصوص فرض نمازیں پڑھنا ہے۔

ولایتِ صغریٰ سولہویں سبق تک حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر ولایت

کبریٰ آتی ہے اور پھر ولایتِ علیا آتی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ ولایت علیا اور ولایتِ کبریٰ میں تو کلمہ کا ورد زیادہ فائدہ دیتا ہے، اس کے اوپر جو کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ رسالت کے اسباق ہیں، ان میں قرآن کی تلاوت اور نماز کی کثرت انسان کو زیادہ فائدہ دیتی ہیں۔

نفی اثبات کا طریقہ اور تعداد

اس ذکرِ نفی و اثبات کا طریقہ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۱۳ میں لکھا ہے کہ

''اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگائے اور سانس کو ناف کے نیچے روکے اور کلمہ لا کو ناف سے کھینچے اور سر کے وسط تک پہنچائے اور اِلٰہ کو وسطِ سر سے دائیں کندھے پر لائے اور اِلَّا اللہ کو دائیں کندھے سے دلِ صنوبری پر جو بائیں پہلو میں واقع ہے لائے، اس مجموعہ کا نقش لائے معکوس کی صورت پر ہو جاتا ہے اور ان کلمات کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا خیال کے ساتھ ہونا چاہیے اور اعضا اور سانس کو حرکت نہ دے اور سانس ناف کے نیچے رکا رہے اور سانس کو جب تک روک سکے اس کلمہ کو کہتا رہے لیکن ہر سانس میں طاق عدد کہے جفت نہ کہے، اسی لیے اس ذکر کو وقوفِ عددی کہتے ہیں اور جب سانس میں تنگی محسوس ہو اس کو چھوڑ دے اس کے بعد پھر سانس روکے اور سابقہ طریقوں کے مطابق ذکرِ مذکور کہے پھر اسی طرح کرے پھر اسی طرح کرے (اور) پھر اسی طرح کرے۔''

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۴۳ میں فرماتے ہیں:

''اور ذکرِ نفی واثبات کی تعداد و وقت معیّن نہیں ہے جس وقت چاہے کرے اور جب تک سانس (روکنا) ساتھ دے کہتا رہے خواہ کسی عدد تک پہنچے لیکن طاق کہے جفت نہ کہے اور اسی وجہ سے اس ذکر کو وقوفِ عددی کہتے ہیں اور اگر کسی وقت حبسِ دم (سانس روکنا) نہ کر سکے تو حبسِ دم کے بغیر کہے کیونکہ حبسِ دم لازمی شرط نہیں ہے۔''

تو سانس کا روکنا اس سبق کی شرط نہیں ہے۔ اب اگر کسی آدمی کو سانس کی بیماری ہے، وہ تو لمبا سانس نہیں روک سکتا۔ سانس کے ساتھ اس کو ذکر کرے۔ مشائخ اس کو سمجھاتے ہیں کہ اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ حبسِ دم کے بغیر کرے کیونکہ حبسِ دم شرط نہیں ہے۔ اس ذکر پر اس قدر مداومت کریں کہ سینہ کی وسعت میں حق سبحانہ کے سوا کوئی مراد و مقصود نہ رہے۔ اور اس تعالیٰ شانہ کے مقصود ہونے کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو تاکہ بندگی کی حقیقت ظاہر ہو جائے عبدیت کا مقام ملتا ہے۔ لہٰذا یہاں پر آ کر کہ سب بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس لیے اگر صحیح طریقے سے لطائف کے اسباق کیے ہوں، اور صحیح طریقے سے تہلیل کا سبق کرے، تو تمام نفسانی محبتوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ میرے تو اسباق تہلیل سے بھی اوپر کے ہیں اور ابھی بھی نفسانی تعلقات باقی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سبق سے فائدہ ہی نہیں ہوا، دوبارہ سبق شروع کرنا چاہیے۔ صرف اسباق بڑھنے سے تو انسان کا سلوک طے نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ بیماری ختم ہوئی کہ نہیں۔ تہلیل کے سبق پر پہنچتے ہوئے، تمام مرادیں ختم ہو جاتی

ہیں۔ جب ساری مرادیں ختم ہوگئیں تو نفسانی تعلقات سے نجات مل گئی۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم، مکتوب ۳۲ میں فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! آپ نے بہت محنت کی ہے، حق تعالیٰ اس پر اثر مرتب فرمائے، اگر آپ تکلف کے بغیر اضافہ کر سکتے ہیں تو اضافہ کریں بعض دوست اس سے زیادہ کہتے ہیں۔

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں ایک سانس میں تہلیل ایک سو مرتبہ کرتا ہوں تو کیا یہ کافی ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ بہت ہے اور اگر زیادہ ہو سکتا ہے تو اور بھی زیادہ کریں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد تو ایک سانس میں (۲۰۰) مرتبہ کہا کرتے تھے، اور ماشاء اللہ ہمارے نوجوانوں سے اکیس مرتبہ بھی نہیں ہوتا۔ اصل میں محنت نہیں کرتے اور خود بخود تو یہ نعمت ملتی نہیں۔ محنت سے ملتی ہے۔ کرنے والے تو ایک سانس میں چالیس مرتبہ، ستر مرتبہ، سو مرتبہ آسانی سے کر لیتے ہیں، جوانی میں کرنا مشکل نہیں ہے۔ بلکہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ روزانہ سانس بند کرے، حبسِ دم تین سو مرتبہ کرے۔ تین سو مرتبہ! سنئے، مقاماتِ مظہری میں منقول ہے، فرماتے ہیں کہ

”حبس نفس سے نفی واثبات کا ذکر تین سو بار سے کم کیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“

یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دوائی پورے طریقے سے نہیں کھاتے لہٰذا معصیت کی بیماری سے کیسے جان چھوٹے؟ دوستو! آج ہم نے آپ کو منزل کا نشان بتا دیا، ہم نہیں پہنچ سکے تو ممکن ہے

کہ سننے والوں میں سے اللہ کسی کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ سب کے لیے اپنی رضا کو حاصل کرنا آسان فرمائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

مراقبہ احدیت......فکر کا پہلا سبق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ (العنکبوت:45)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

کائنات میں سب سے زیادہ وزن اللہ کے نام کا

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا سلوک تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ لطائف پر اللہ کے نام کا ذکر کرنا، جس کو ذکر اسم ذات کہتے ہیں۔ کہ میرا دل اللہ اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ پہلے لطیفے کے بعد دوسرے میں، حتیٰ کہ ساتوں لطیفوں میں ذکر اسم ذات کیا جاتا ہے، اس سے انوار و برکات آتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا نام بڑی برکتوں والا ہے۔ ہم نے پڑھا ہے کہ سبحان اللہ پڑھنے سے آدھا میزان بھر جاتا ہے، الحمد للہ

کہنے سے پورا میزان بھر جاتا ہے، تو یہ اتنے وزنی کلمات ہیں۔ اور جو کلمہ طیبہ ہے، اس سے بھی زیادہ وزنی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ننانوے دفتر گناہوں کے ایک طرف ہوں گے، اور ایک کلمہ طیبہ دوسری طرف ہوگا، اور کلمہ طیبہ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

اور ایک چیز کلمہ سے بھی زیادہ بھاری ہے، اس کو اسمِ ذات کہتے ہیں۔ اللہ کا نام۔ سبحان اللہ! کائنات میں سب سے زیادہ وزن اس کا ہے۔ اتنی برکتیں ہیں کہ حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا ہوا ہے کہ جب تم میرے کسی بندہ کی زبان سے اللہ کا نام سنو تو صور پھونکنے والے عمل کو چالیس سال کے لیے مؤخر کر دو۔ چنانچہ آخری بندہ جب اللہ کا لفظ کہے گا، اس کے بھی چالیس سال کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر اللہ کے نام میں اتنی قوت ہے کہ قیامت جیسی مصیبت کو چالیس سال مؤخر کر دیتا ہے، تو انسان کی زندگی کی مصیبتیں اس کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ اللہ کا نام ان مصیبتوں کو بھی مؤخر کر سکتا ہے لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ اللہ کا نام دل میں سما جائے۔ اللہ دل میں آجائے، اللہ دل میں سما جائے، اللہ کا نام دل میں چھا جائے۔ یہ کتنا پیارا نام ہے! یہ نام لینے سے منہ میں مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے

اسی لیے تو اس نام کو ہم بار بار لیتے ہیں۔ ؎

ہم رٹیں گے گر چہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

محبوب کا نام سنتے ہی تڑپ جانا محبت کی دلیل ہوتی ہے۔مثال کے طور پر ماں کو بچے سے محبت ہوتی ہے۔اگر بالفرض ماں نیچے کی منزل پہ نماز پڑھ رہی ہو اور اوپر کی منزل پہ اس کے بیٹے کا کوئی نام لے تو ماں کو نماز میں پتہ چل جاتا ہے کہ میرے بیٹے کو کسی نے پکارا ہے۔جہاں محبت ہو وہاں محبوب کا نام محب کو کھینچتا ہے۔مومن بھی اللہ کے نام سے اسی طرح کھنچتا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ مومن کی پہچان یہ ہے کہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾

(الانفال:۲)

جن کے سامنے اللہ کا تذکرہ ہوتا ہے ان کے دل گڑگڑاتے ہیں، ان کے دل مچلتے ہیں۔اللہ اکبر!۔تو اللہ کا نام سن کر سالک کے دل پر ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے مجنوں کو اپنے حال میں مست بیٹھا ہوا دیکھا۔اس نے زور سے پکارا، مجنوں مجنوں مجنوں۔لیکن مجنوں کو پرواہ ہی نہ ہوئی، وہ بڑا حیران کہ یہ عجیب خیالوں میں گم ہے کہ اپنے نام سے بھی متوجہ نہیں ہو رہا۔تو اس کے دل میں دوسرا خیال آیا، کہنے لگا: ہاں اب مجھے پتہ چل گیا کہ کیسے متوجہ ہوتا ہے، تو پہلے تو چیخ چیخ کے مجنوں مجنوں کہہ رہا تھا، ذرا قریب ہو کے اس نے کان میں کہا، لیلیٰ لیلیٰ۔تو مجنوں صاحب فوراً متوجہ ہوئے۔اس لیے کہ لیلیٰ کے نام کے اندر چاہت تھی، محبت تھی، کشش تھی، اس نے توجہ کو کھینچ لیا۔ایسے ہی مومن کے دل میں اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کی ذات کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اللہ کا نام سن کر مومن تڑپ جاتا ہے۔

ذکر کا تیسرا طریقہ......فکر:

سلوک کا پہلا حصہ وہ سات اسباق ہیں جو اللہ کے نام کے ذکر سے طے ہوتے ہیں، مگر اس کو زبان سے نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس کو دھیان میں سنا جاتا ہے۔ گویا کہ دل پڑھ رہا ہے، میں سن رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ بندے کو یہ کیفیت واضح محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے، اللہ اللہ کا اس کو ادراک ہو جاتا ہے۔ سلوک کے دوسرے حصے میں تہلیل کے اسباق ہیں۔ ان میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے سے ترقی ہوتی ہے، بندے کا دل منور ہوتا ہے، ایمان تازہ ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق لا الٰہ الا اللہ پڑھنا ایمان کو تازہ کر دیتا ہے، سینہ کو نور سے بھر دیتا ہے۔ تہلیل کے سبق سے سالک کے بہت سے روحانی مقامات طے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد تیسرا طریقہ ذکر شروع ہوتا ہے، اس کو فکر کہتے ہیں۔

اردو زبان میں فکر سوچ کو کہتے ہیں۔ ذکر الگ چیز ہے، فکر الگ چیز ہے، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ فکر کے مراقبے میں انسان نے ذکر نہیں کرنا ہوتا، صرف ایک سوچ دل میں رکھ کر بیٹھ جانا ہوتا ہے۔ انسان کی سوچ اس کے جسم پہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کھانے کی حالت میں دونوں پاؤں پہ اکڑوں بیٹھیں تو آدھا گھنٹہ بیٹھ کے کھانا کھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن بیت الخلا میں اکڑوں بیٹھیں تو اسی وقت جسم سے پیشاب پاخانہ کا اخراج ہوتا ہے۔ غور کریں! دونوں صورتوں میں فرق کیا تھا؟ فکر کا فرق تھا، سوچ کا فرق تھا۔ کھانے پہ سوچ نہیں تھی تو جسم پہ اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ بیت الخلا میں قضائے حاجت کی سوچ تھی، جسم پہ اثرات مرتب ہوئے۔ ثابت ہوا کہ سوچ سے جسم کے اوپر اثرات مرتب ہوتے

ہیں۔اسی طرح کوئی سالک دل میں فیض آنے کی نیت لے کے بیٹھ جائے،تو اس نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ معاملہ ہوگا۔

ہمارے مشائخ کے پاس اس کی دلیل ہے۔ایک حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

((أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ)) (ابن ماجه:٣٨٢٢)

''میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں''

اب جب ایک بندہ اپنے دل میں گمان لے کے بیٹھا کہ نور آرہا ہے، میرے دل میں سمارہا ہے، میرے دل کی ظلمت دھل رہی ہے، اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔تو حدیثِ قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ،

((وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى)) (بخاری:١/١)

''اور بندہ کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے''

ابھی تک تو ہم نے اس حدیث پاک کے ظاہر مطلب کو سمجھا کہ نفل نمازوں میں بہت ساری نیتوں کو جمع کرلیں گے تو سب کا ثواب مل جائے گا، وہ بھی بالکل ٹھیک بات ہے۔مگر مشائخ صوفیہ نے کہا، جب مراقبہ کرتے ہوئے سالک کوئی نیت لے کر بیٹھتا ہے، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى ، اس کو وہی ملتا ہے جو نیت ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ نے ہر چیز کی بنیاد قرآن پاک اور حدیث مبارکہ سے لی ہے۔سبحان اللہ!

مراقبہ احدیت......فکر کا پہلا سبق

تہلیل کے بعد فکر کا پہلا سبق ہے، اس کو''مراقبۂ احدیت'' کہتے ہیں۔ ''احدیت'' احد (ایک) سے ہے، اس میں صرف فیض وارد ہونے کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ نیت یوں کرتے ہیں:

''فیض می آئیداز ذاتے کہ مستجمع جمیع صفات وکمالات است ومُنَزَّہ از ہر نقصان وزوال، مورد فیض لطیفہ قلب من است''

''میرے لطیفۂ قلب پر اس ذات والا صفات سے فیض آرہا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں کی جامع ہے اور جملہ عیوب ونقائص سے منزہ و پاک ہے اور اسم مبارک اللہ کا مسمّٰی ہے اور مورد فیض میرا لطیفۂ قلب ہے۔''

جس پر نور وارد ہو رہا ہو، اس جگہ کو مورد کہتے ہیں۔ تو یہ فیض، دل پر وارد ہو رہا ہوتا ہے۔

جب سالک نے یہ نیت کی اور بیٹھ گیا تو اس فکر کے ذریعہ سے سالک کی ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ کیا عجیب شان ہے اللہ کی کہ بندے نے فقط ایک نیت کی تو اس نیت کی وجہ سے اس کو نور ملنا شروع ہو گیا۔ واہ میرے مولا تیرا کتنا بڑا اکرم ہے کہ فقط نیت پر فیض ملنا شروع ہو گیا۔ اس لیے یہ فکر سب سے افضل عمل ہے۔

جو لوگ اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب کے متعلق سوچتے ہیں اس سے اللہ جل شانہ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی مخلوقات میں غور وفکر کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اُولُوا الْاَلْبَاب یعنی عقلمند فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے اللہ کی ذات میں غور وفکر کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ وراء الوراء ہے،

سوچ سے بالاتر ہے۔ سوچ کی اوقات نہیں کہ وہ اپنے اندر اللہ کی حقیقت کو سما سکے۔ سنار کے ترازو سے کوہ ہمالیہ کو نہیں تولا جا سکتا، اسی طرح انسان کی عقل بھی اللہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا کہ تم صرف مخلوقات میں غور کرو۔ فضائلِ ذکر میں شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ

''امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ غور وفکر کو افضل عبادات اس لیے کہا گیا کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں۔ دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی معرفت اس لئے کہ غور وفکر معرفت کی کنجی ہے۔ دوسری اللہ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے۔ یہی غور وفکر ہے جس کو صوفیہ مراقبہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی ملتی ہے کہ انسان اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ واقعی اس کائنات کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور پھر اللہ کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ غور وفکر سے معرفت کا پیدا ہونا اور، محبت کا پیدا ہونا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

احادیث مبارکہ میں غور وفکر کے فضائل

چنانچہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے غور وفکر کے فضائل سن لیجیے:

- حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائلِ ذکر میں ایک حدیث مبارکہ نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ایک مرتبہ (نبی علیہ السلام) رات کو تشریف لائے۔ میرے بستر پر

میرے لحاف میں لیٹ گئے پھر ارشاد فرمایا: ذَرِيْنِيْ أَتَعَبَّدُ رَبِّيْ چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں، یہ فرما کر اٹھے، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک پر بہتے رہے، پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے، پھر سجدہ میں اسی طرح روتے رہے، ساری رات اسی طرح گزار دی، حتیٰ کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلال رضی اللہ عنہ لینے کے لئے آ گئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر آپ اتنا کیوں روئے؟ ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ أَفَلَا أَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ پھر فرمایا: میں کیوں نہ روتا حالانکہ آج یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۰) پھر فرمایا ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو ان کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے۔

- فضائل ذکر میں ایک اور روایت ہے کہ عامر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے ایک سے دو سے تین سے نہیں (بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے) کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔"

سبحان اللہ۔ ہمیں تو سند مل گئی کہ اتنے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر میں ہے۔ ثابت ہوا کہ اگر مراقبہ میں کوئی غور و فکر کی نیت سے بیٹھے گا تو اس کے ایمان کو نور ملے گا، جلا ملے گی، اس کا سینہ منور ہوگا، یہ تو حدیث

پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور وفکر میں ہے۔

❁ فضائلِ ذکر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ

"ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں اسّی سال کی عبادت سے افضل ہے۔"

اب بتائیں اسی سال کی عبادت تو لیلۃ القدر والی بات بن گئی ہے، سبحان اللہ! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ ایک ساعت کا غور اسی سال کی عبادت سے افضل ہے۔

اُم درداء رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی افضل ترین عبادت کیا تھی؟ فرمایا: غور وفکر

ان کی افضل ترین عبادت تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ غور وفکر میں بیٹھتے ہوں گے، تو اسی کو تو مراقبہ کہتے ہیں۔ چاہے کھلی آنکھ سے بیٹھیں، چاہے بند آنکھ سے بیٹھیں، بیٹھتے تو ہوں گے۔ تو اسی کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی کج فہم یہ سوچے کہ دورِ صحابہ میں مراقبہ نہیں ہوتا تھا، یہ کدھر سے آ گیا؟ تو پھر یہی کہیں گے کہ یہ بندہ یا تو جاہل ہے یا پھر متجاہل ہے، ورنہ احادیث تو بتا رہی ہیں، ام درداء رضی اللہ عنہا گواہی دے رہی ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی افضل ترین عبادت غور وفکر تھی، مراقبہ تھا۔

❁ اور بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ساٹھ سال کہا، دوسرے نے اسی سال سے بہتر کہا، سبحان اللہ!

مراقبہ احدیت......فنائے قلبی کا سبق

تہلیل کے بعد ہم جو مراقبہ کرتے ہیں، اس کا نام مراقبہ احدیت ہے۔ درحقیقت اس میں ایک نیت کر کے بیٹھتے ہیں کہ اس ذات والا صفات سے فیض آ رہا ہے۔ اس دسویں سبق میں ذکر نہیں کرتے جیسے پہلے سبق میں تھا کہ اللہ اللہ اللہ کی آواز آ رہی ہے، ذکر تو ساتویں سبق پہ ختم ہو گیا۔ اور تہلیل آٹھویں اور نویں سبق میں تھا۔ اس کے بعد فکر کے مراقبے ہیں۔ تو مراقبہ احدیت میں فقط ابتدا میں نیت کرنی ہوتی ہے، پھر خاموش بیٹھنا ہوتا ہے اور پھر اللہ کی طرف سے رحمت اور نور برستا ہے جو سینے کو منور کرتا ہے۔ اور اللہ کی شان دیکھیے کہ بندہ جیسی نیت کرے ویسی برکت آتی ہے۔ مثلاً ذات سے فیض آ رہا ہے، صفات سے آ رہا ہے، شیونات سے آ رہا ہے، اللہ اکبر! جہاں کی نیت کرے وہیں سے فیض ملتا ہے۔ اس میں اتنا فیض ملتا ہے کہ بندے کو ذکر میں استغراق حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر فنائیت کی کیفیت آ جاتی ہے۔ یہ فنائے قلبی کا سبق ہے، بندے کو قلب کی فنائیت یہاں مل جاتی ہے۔ ذکر بندے کے قلب کے اوپر اتنا غالب آ جاتا ہے کہ وہ بندہ ذکر میں فنا ہو جاتا ہے، اس کو فنا فی اللہ کہتے ہیں، اور یہ ہمارے سلوک کا ایک نمایاں موڑ ہے۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مراقبۂ احدیت میں جو فیض اترتا ہے، وہ انسان کے لطیفہ قلب کے اوپر اترتا ہے۔ یعنی موردِ فیض انسان کا لطیفۂ قلب ہے۔

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات دُر المعارف (۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ) میں لکھا ہے کہ

''مراقبہ احدیت صرفہ کا تعلق حضرت ذات سے ہے جو کہ اسم مبارک اللہ سے مسمّی ہے۔''

اس لیے اس میں صفات کا یا شیونات کا یا کسی اور چیز کا تصور نہیں کرتے بلکہ صرف ذات کا کرتے ہیں۔ اللہ کے ذکر کی فنائیت یہاں حاصل ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ ذکر اسمِ ذات کا اختتام یہاں آ کر ہوتا ہے، یعنی اس کی تکمیل یہاں آ کر ہوتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

وقوفِ قلبی دل کی طرف توجہ کر کے اور (اس) معنی کا لحاظ رکھ کر کہ ''ذات پاک (اللہ) کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے'' ذکر کے الفاظ کی صحت کے ساتھ۔ دل کے وسوسوں سے نگہداشت ہمیشہ ہونی چاہیے، کیونکہ دل زیادہ ذکر کے بغیر نہیں کھلتا۔ دل کی طرف توجہ اور دل کی توجہ حضرت ذات حق سبحانہٗ کی جانب، وسوسوں سے نگہداشت، ذکر الفاظ کی صحت کے ساتھ اور معنیٰ کا لحاظ رکھ کر کہ ذات پاک (خدا) کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے اور بازگشت کہ اے خدا! میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا ہے، اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔ اپنی نیستی (فنا) اور حضرت ذات پاک (خدا) کی ہستی کے اثبات (بقا) کے ملاحظہ اور انکساری و عاجزی کے ساتھ دائمی (ذکر) ہونا چاہیے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات دُرالمعارف (۲۲ جمادی الآخر ۱۲۳۱ھ) میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا درس چل رہا تھا۔ اس میں تحریر تھا:

شروع میں مراقبہ احدیت مسمّٰی اسم مبارک ''اللہ'' کرتے ہیں جو تمام صفاتِ کمال کا جامع اور نقصان و زوال سے منزہ ہے، صفات کے لحاظ کے بغیر کہ اللہ سننے والا ہے (سمیع)، یا دیکھنے والا ہے (بصیر)، یا جاننے والا ہے (علیم)، یا قدرت رکھنے والا ہے (قدیر)۔

حاضرین میں سے کسی نے حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سمیع، بصیر، علیم اور قدیر وغیرہ کا لحاظ نہ رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اس مراقبہ میں اس ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں جو تمام صفات کی جامع ہے، نہ کہ صفات میں سے کسی صفت کو۔ کیونکہ اس ذات سے جو مقصود بالذات ہے، صفات جو مقصود بالعرض ہے، کی طرف توجہ کرنا مقصودِ حقیقی سے مطلوبِ عرضی کی جانب مائل ہونا ہے۔''

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات دُرالمعارف (۵ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ) میں یہ بھی لکھا ہے:

''ہم اوّل ''مراقبہ احدیت'' تلقین کرتے ہیں اور وہ عبارت ہے اسم مبارک ''اللہ'' کے مفہوم کے لحاظ سے، جس پر ہم ایمان لے آئے ہیں کہ وہ بے مثل و بے مثال (بے چون و بے چگون) ہے اور تمام صفات سے موصوف اور سب نقصان اور زوال سے منزّہ (پاک) ہے۔''

مراقبۂ احدیت تک دائرۂ امکان کے اندر سیر ہوتی ہے۔ آپ یوں سمجھیں کہ جب خلائی گاڑی چلتی ہے تو پہلے تو وہ فضا کے اندر سفر کرتی ہے۔ پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جہاں وہ فضا سے نکل کر خلا میں چلی جاتی ہے، وہاں کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔

ہمارے اس سلوک میں آپ یوں سمجھیں کہ مراقبۂ احدیت سے پہلے پہلے سالک فضا میں سیر کر رہا تھا اور مراقبہ احدیت کے بعد پھر خلا میں سیر کرتا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ مراقبہ احدیت کے بعد سلوک کا رخ ہی دوسرا ہو جاتا ہے۔ گویا ذکر اسمِ ذات اور تہلیل کا ذکر لطائف کے اندر استعداد پیدا کرنے کے لیے تھا۔ جبکہ فکر کا مراقبہ اصل مقصود تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب تک کسی برتن کو صاف نہ کیا جائے، پاک نہ کیا جائے، اس میں دودھ نہیں ڈالتے۔ اللہ تعالیٰ نے نور ڈالنے سے پہلے فرمایا کہ تم دل کے برتن کو پہلے میرے نام سے صاف کرو۔ کچھ کام رہ جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے رگڑے لگاؤ۔ جب تمہارا برتن چمک جائے تو پھر میرے سامنے فقیر بن کر اور سائل بن کر یہ نیت کر کے بیٹھ جانا کہ ''اے اللہ! اس ذات سے فیض آ رہا ہے جو تمام صفات اور کمال کی جامع ہے، ہر نقصان و زوال سے پاک ہے، اور میرے لطیفۂ قلب پہ فیض آ رہا ہے''۔ تم اپنا کاسۂ گدائی میرے سامنے کر کے بیٹھو گے تو میں پروردگار تمہارے دلوں کو نور سے بھر دوں گا۔ اس لیے مراقبہ احدیت کے بعد جتنے اسباق ہیں وہ سب فکر کے مراقبات ہیں۔

نبی علیہ السلام کے بارے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دَائِمُ الْفِكْرِ، مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ۔ (شمائل ترمذی:۲۲۵) تھے۔ نبی علیہ السلام غم زدہ اور فکر مند رہا کرتے تھے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اتنے انوارات کی بارش ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان انوارات کے حصول میں کئی مرتبہ مستغرق ہوا کرتے تھے۔ اس لیے تو فرماتے تھے:

((لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ))(کشف الخفاء:۲۱۵۹)

''میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے۔''

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے دلیل لی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لمبی خاموشی غفلت کی خاموشی نہیں ہوسکتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھنٹہ خاموش رہیں اور یہ خاموشی غفلت کی خاموشی ہو۔ وہاں تو گناہ کا تصور نہیں، وہ تو معصوم تھے۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی میں عمل کیا تھا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ فکر کا عمل تھا۔

بلکہ اگر یوں کہیں کہ نبی علیہ السلام غار حرا میں کیا کرتے تھے؟ تو وہ بھی فکر ہی تھی۔ چونکہ اس وقت نہ قرآن مجید تھا، نہ نماز تھی۔ تو جب قرآن پاک بھی نہیں تھا اور نماز بھی نہیں تھی تو پھر غارِ حرا میں کیا کرتے تھے؟ سوچنے والی بات ہے، محققین کے نزدیک نبی علیہ السلام غارِ حرا میں فکر فرماتے تھے، تفکر تھا۔ اسی فکر نے تو پھر دل کو ایسا منور کر دیا تھا کہ جیسے شمع جلنے کے قریب ہوگئی تھی۔

﴿يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾۔ (النور: ۳۵)

سبحان اللہ۔ ''ابھی آگ نے چھوا تو نہیں تھا، لیکن بالکل وہ جلنے کے قریب ہوگئی تھی''

تو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت فکر کی وجہ سے تھی، اللہ نے وہ نور عطا فرما دیا تھا۔

الحمدللہ ہم اگر اپنے مشائخ کے اس راستہ پر نہ آتے، زندگی گزار بیٹھتے ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کی ذات سے اس طرح بھی انوارات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ نے اپنے پیارے بندوں پر، مقبول بندوں پر، مخلص بندوں پر راستہ کھول دیا، کہ دیکھو مجھ سے اگر تم انوارات لینا چاہتے ہو، برکتیں لینا چاہتے ہو تو یہ اس کا طریقہ ہے۔ الحمدللہ! اس لیے یہ جو تھوڑی دیر کا مراقبہ ہے، اس کی اہمیت سے

واقف ہونا چاہیے۔

لطائف بینا ہوں گے تو اللہ رب العزت کے جمال کا صحیح لطف نصیب ہوگا

ایک آخری اہم بات جو آج یہ عاجز بتانا چاہتا ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس لطیفے کو فنا حاصل نہیں ہوگی وہ لطیفہ قیامت کے دن اندھی حالت میں کھڑا ہوگا۔

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ (الاسراء:۷۲)

''جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا''

اس لیے قیامت کے دن اللہ رب العزت کا دیدار ان ظاہر کی آنکھوں سے نہیں ہوگا، وہ دل کی آنکھ سے ہوگا۔ اور دل کی آنکھ سے یہ سارے لطائف مراد ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جس کے سارے لطائف بینا ہوں گے، اس کو اللہ رب العزت کے جمال کا صحیح لطف نصیب ہوگا۔ اور جس کا من ہی اندھا ہوگا، وہ دیدار محبوب کی لذت نہ پاسکے گا۔ بقول شاعر:

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

تو ہم دنیا میں محنت کر کے اپنے تمام لطائف کو نکتۂ فنا تک پہنچا دیں، تاکہ جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوں تو من کی آنکھیں روشن ہوں۔ اور اللہ رب العزت کے دیدار کی صحیح لذت ہمیں حاصل ہوسکے۔

تو یہ فنائے قلبی ولایت کا پہلا قدم ہے، بندہ کم سے کم اس درجہ تک تو پہنچے کہ

جہاں نفس کی خباثتوں سے جان چھوٹ جائے، جہاں انسان اللہ کی حفاظت میں آجائے، اللہ کے بندوں میں اس کا نام شمار ہو جائے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (الحجر:۴۲)

''جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا داؤ نہیں چلے گا''

تو وہ جو عِبَادِیْ کا زمرہ ہے، وہ اس مراقبۂ احدیت سے آگے شروع ہوتا ہے، جس نے کام کو اس نکتے تک پہنچا دیا۔ اب اس کے اندر غفلت نہیں رہتی، ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۰۵) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا کے حکم پر اس کو عمل نصیب ہو جاتا ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ: ''عدم غفلت عبدیت کی طرف پہلا قدم ہے'' تو وہ قدم یہاں آ کے راسخ ہو جاتا ہے، اس کے بعد غفلت نہیں ہوتی۔ فکر کے مراقبے کرنے کے بعد پھر بندے کو دائمی حضوری نصیب ہو جاتی ہے، لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر وقت اللہ کی طرف دھیان ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مراقبہ احدیت ذکر و سلوک کے راستے میں ایک موڑ ہے۔

اَلْفَانِی لَا یُرَدُّ فانی واپس لوٹتا نہیں ہے

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں ان مراقبات کو پابندی کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کے اوپر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں وہ بھی عطا فرمائے۔ ہم کوتاہ پرواز ہیں، ہم پست پرواز ہیں، لیکن اللہ رب العزت تو بے نیاز ہیں، وہ تو نیت کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہم دل کے برتن کو سیدھا کر کے طلب لے کے بیٹھ جائیں گے تو اگرچہ ہم وہ مجاہدے نہ کر سکیں، وہ ریاضتیں نہ کر سکیں مگر اسی راستے پہ چلنا تو چاہتے ہیں۔ تو حسنِ نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیں گے۔ ہم نے دیکھا

ہے کہ ماں اپنے کمزور بچے پر زیادہ مہربان ہوتی ہے، باپ اپنے کمزور بیٹے پہ زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ آج کے دور میں اس ذکر وسلوک کے راستہ پہ چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سچی بات ہے کہ پہلے زمانے میں یوسف علیہ السلام کے لیے ایک زلیخا تھی، آج تو ہر یوسف کے لیے دس دس زلیخائیں ہیں، ایسا پرفتن دور آ گیا ہے۔ تو اس وقت میں نفسانی شہوانی گناہوں سے بچنا اور ان تمام لذتوں سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا بہت بڑی قربانی ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیتے ہیں اور بالآخر بندے کو ولایت کا نور عطا فرما دیتے ہیں۔ چونکہ فرمایا:

"اَلْفَانِیْ لَایُرَدُّ"

کہ فانی لوٹتا نہیں ہے۔

جس بندے کو مراقبہ احدیت تک کی کیفیات صحیح مل گئیں، اب اس کے بھٹکنے پھسلنے کے امکانات نہیں رہتے، وہ اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات سنا کے بات مکمل کرتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ آپ کو ہم ایسا بیٹا عطا کریں گے جو زندگی بھر کبیرہ گناہ نہیں کرے گا اور مادرزاد ولی ہوگا، بچپن سے ولایت کا نور لے کے پیدا ہوگا۔ ہم اس کی گناہوں سے حفاظت فرمائیں گے۔ اس الہام کے بعد امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بچہ کا نام محمد معصوم رکھا۔ اب وہ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے نو سال کی عمر میں اجازت وخلافت پائی۔ نو سال کی عمر کتنی چھوٹی عمر ہوتی ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ! نو سال کی عمر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی سے خلافت پائی، اور اس کے بعد وہ قیوم وقت بنے۔ اپنے وقت

کے روحانی اعتبار سے قیوم کہلوائے، یہ مرتبہ اللہ نے ان کو عطا کیا۔ ان کی بات سناتا ہوں، ایک جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں، اس قابل تو نہیں کہ اللہ سے جنت کی بلند نعمتیں مانگوں، اتنی تمنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بخشش کیے ہوئے گنہگاروں کی قطار میں مجھے بھی شامل فرمالیں۔ اللہ اکبر کبیرا!۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

مشاربات کے اسباق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت:۶۹)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

فنا کی ابتدا کسب سے ہے اور کمال عنایت ربانی سے ہے

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں انسان کی روحانی ترقی کی ابتدا عالم امر سے ہوتی ہے۔
...... پانچ لطائف پہ سبق کرتے ہیں، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی۔
...... پھر اس کے بعد آفاق میں سیر ہوتی ہے اور اس کے دو لطائف ہیں: نفس اور قالب۔

......پھراس کے بعد تہلیل کے اسباق ہیں۔

جب انسان ان سب پر محنت کر لیتا ہے تو اس کو ایک فنا نصیب ہوتی ہے۔ یہ فنا اعتبارات میں ہوتی ہے اور ابتدائی درجہ کی فنا ہے۔

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ فنا انسان کو اللہ کی عنایت ہی سے ملتی ہے، البتہ اس کی مبادیات کسبی ہوتی ہیں۔ یعنی فنا کی ابتدائی کیفیت کسبی ہوتی ہے کہ بندہ محنت کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے، اتباع شریعت کے ذریعہ سے، تقوی کے ذریعہ سے، رونے دھونے کے ذریعہ سے یہ حاصل کر لیتا ہے۔ پھر جب اللہ کو پیار آجاتا ہے تو پھر کامل فنائیت ملتی ہے۔ لہٰذا فنائیت کا تعلق عنایت ربانی کے ساتھ ہے، البتہ اس کی مبادیات کسبی ہیں۔ اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ ولایت کسبی چیز ہے۔ تو معلوم ہوا کہ رجوع الی اللہ، انابت الی اللہ، رونا دھونا، محنت مشقت یہ سارا کام کرنا ہی پڑتا ہے، پھر ہی اللہ تعالیٰ کو پیار آتا ہے۔ مگر فنائے کامل کا معاملہ اللہ کی عنایت سے وابستہ ہے۔ جتنی عاجزی ہوگی اتنی اللہ کی رحمت زیادہ متوجہ ہوگی۔ اس میں کتنی خوبصورتی ہے کہ سالک کے دل میں ''میں'' نہیں آسکتی کہ میں نے اپنی محنت سے یہ درجہ پالیا۔ بلکہ فرمایا کہ تم تو بچے کی طرح فقط رونا دھونا کر سکتے ہو، اس سے ماں کے دل میں محبت آتی ہے پھر وہ دودھ پلا دیتی ہے۔ سالک کی گریہ زاری قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو فنائیت میں کمال عطا فرمادیتے ہیں۔

پس ولایت کے انوارات کا عطا کرنا اللہ رب العزت کی عنایت سے وابستہ ہے، بندہ کے ذمہ رونا دھونا، محنت کرنا ہے۔ یہ مبادیات ساری کسبی ہیں، تاہم جب یہ پہلا قدم انسان کو حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے غفلت چلی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد اس میں غفلت نہیں آتی، گناہوں سے اللہ تعالیٰ اس کی جان چھڑا دیتے ہیں اور پھر اس کی زندگی نیکی تقویٰ میں گزر رہی ہوتی ہے۔ اس مرحلے کو دائرۂ امکان کہتے ہیں، یعنی

آفاق وانفس کو دائرۂ امکان کہتے ہیں۔ یہاں انسان کو جو کمال حاصل ہونے تھے وہ ہو گئے۔اب عام لوگ تو قرآن مجید کی آیت:

﴿سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِى ٱلْءَافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ﴾

(حٰم السجدۃ:۵۳)

''ہم ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں ان کے گردونواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہانتک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔''

سے کچھ اور سمجھتے ہیں۔لیکن اہل باطن سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ آیات لطائف عالمِ امر اور عالمِ خلق سے متعلق ہیں اور جو انسان ان کو پالیتا ہے ﴿يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ﴾ اس کو فنائیت کا درجہ مل جاتا ہے۔ چنانچہ آفاق اور انفس کے لطائف کو کرنے سے فنائیت کا رتبہ انسان کو ملتا ہے تو وہ واصل باللہ ہو جاتا ہے، یعنی اللہ سے واصل ہو جاتا ہے۔حق سے واصل ہونے کے بعد پھر پیچھے ہٹنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔اس لیے یہ وہ مقام ہے جس میں انسان ''عبادی'' کے ضمن میں آجاتا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ﴾(الحجر:۴۲)

یہ میرے بندے ہیں، تیرا داؤ نہیں چل سکتا کہ تو مجھ سے ان کو دور کر دے، وہ میری حفاظت میں ہیں۔ چنانچہ ہمت کر کے اس قدم تک تو انسان آگے بڑھے کہ دشمن کے وار سے محفوظ ہو جائے اور رب غفار کی حفاظت میں آجائے۔

انبیاء کو جو فیض ملا، نبی ﷺ کے وساطت سے ملا

اب اس سے اوپر سالک کو مختلف طرح کے کمالات ملتے ہیں۔یوں سمجھیے کہ اللہ رب العزت نے اس کائنات کو اپنے حبیب ﷺ کی وجہ سے بنایا، جیسے مشائخ

صوفیاء نے لکھا ہے:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ

''محبوب آپ نہ ہوتے اس کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔''

چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ رب العزت کے محبوب ہیں، اس پوری کائنات کو جو فیض ملا ہے وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے ملا ہے۔ انبیاء ورسل جتنے بھی ہیں ان سب کو جو نبی علیہ السلام کے وساطت سے فیض ملا ہے۔ اس لیے آدم علیہ السلام نے معافی مانگنے کے لیے نبی علیہ السلام کا واسطہ دیا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ رب العزت کی کامل تجلیات اتریں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ لطائف سے مختلف اولوالعزم انبیاء علیہم السلام نے فیض حاصل کیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو شان جامع کا فیض اترا، لیکن جیسے روشنی رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، ایسے ان سے آگے مختلف رنگوں کا فیض انبیاء کو ملا۔

......سیدنا آدم علیہ السلام کو تجلیات افعال کا فیض لطیفۂ قلب کے ذریعے سے ملا۔

......حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفات ثبوتیہ کا فیض لطیفۂ روح کے ذریعہ سے ملا۔

......حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیونات ذاتیہ کا فیض لطیفۂ سر کے ذریعہ سے ملا۔

......اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صفات سلبیہ کا فیض لطیفۂ خفی کے ذریعہ سے ملا۔

اولوالعزم انبیاء کو بھی فیض نبی علیہ السلام کے ذریعہ سے ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف لطائف کے ذریعہ ان کے مختلف لطائف میں پہنچا اور وہ کمال سے مشرف ہوئے۔

ولایتیں مختلف انبیاء کے زیر قدم ہیں

اب دنیا کے کسی بھی سالک کو فیض ملتا ہے تو وہ مختلف لطائف پہ ملتا ہے۔ مثلاً:

......قلب پہ ملے گا تو تجلیات افعال کا فیض ملے گا۔

......روح پہ ملے گا تو صفات ثبوتیہ کا فیض ہوگا۔

......لطیفۂ سر پہ ملے گا تو شیونات ذاتیہ کا فیض ملے گا۔

......لطیفۂ خفی پہ ملے گا تو صفات سلبیہ کا فیض ملے گا۔

......اور اخفیٰ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، تو شان جامع کا فیض وہاں سے ملے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سالک کو یہ پانچ ولایتیں ملتی ہیں، لطیفۂ قلب پہ بھی ولایت ہے...... سر پہ بھی...... خفی پہ بھی...... اخفیٰ پہ بھی۔ مگر ان ولایتوں کو کہتے ہیں کہ یہ ولایتیں مختلف انبیاء کے زیر قدم ہیں۔ زیر قدم اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ ان انبیاء کو چونکہ اس صفت سے فیض پہلے ملا اور آج اسی صفت ہی سے سالک کو مل رہا ہے تو یہ سالک ان کے پیچھے چلا، ان کے قدم پہ آیا، اور بعض نے اس کا نام ''مشرب'' بھی رکھ دیا۔ مشرب کہتے ہیں وہ جگہ جہاں سے پانی پیا جائے اور مشروب پینے والی چیز کو کہتے ہیں۔

چنانچہ ہر سالک کے پانچ لطائف میں سے کوئی نہ کوئی ایک لطیفہ نمایاں ہوتا ہے۔ چاہے قلب ہو، روح ہو، سر ہو، خفی ہو یا اخفیٰ ہو۔ اس کو پتہ چلے یا نہ چلے، اس سے تعلق نہیں ہے مگر اس کا کوئی نہ کوئی ایک لطیفہ دوسروں کے نسبتاً زیادہ نمایاں ہوگا۔ اور جیسا لطیفہ نمایاں ہوگا، اس بندہ کی عادات اور حالات اسی طرح کے ہوں گے۔ اس لیے اس کا نام یوں رکھ دیا گیا کہ فلاں شخص آدم علیہ السلام کے مشرب پر ہے، فلاں شخص ابراہیمی المشرب ہے...... موسوی المشرب ہے یا عیسوی المشرب ہے...... اور فلاں تو محمدی المشرب ہے۔ پس ہر بندے کا اپنا اپنا مشرب ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے ذرا یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ لطائف پہ ہوتا کیا ہے؟

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ مراقبہ لطیفہ قلب اور تجلیات افعالیہ کا فیض

مراقبات مشاربات کا پہلا سبق لطیفۂ قلب ہے۔ یہ گیارھواں سبق کہلاتا ہے۔ اس کو کرنے کی نیت یہ ہے کہ:

''یا الٰہی! تجلیات افعالیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ قلب سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفۂ قلب میں القا فرمایا تھا پیران کبار کے طفیل میرے لطیفہ قلب میں بھی القا فرما دے۔''

یعنی تجلیات افعالیہ کا فیض ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب سے آدم علیہ السلام کو ملا تھا، وہی فیض ہم بھی چاہ رہے ہیں، لیکن ہمیں فیض براہ راست تو نہیں مل سکتا، تو مشائخ کے ذریعہ سے وہ فیض ہمارے لطیفہ قلب میں بھی القاء فرما دیجیے۔ جب تجلیاتِ افعالیہ کا فیض آتا ہے تو بندے پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ اللہ رب العزت فاعل حقیقی ہیں۔ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (البروج: ۱۶) ہیں۔ یہ پوری کائنات اللہ کے اذن سے اور اللہ کے حکم سے چل رہی ہے، نہ کوئی پتہ گرتا ہے، نہ ہلتا ہے، مگر اللہ کی مرضی کے ساتھ۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ ظاہر میں لگتا ہے کہ بندہ یہ کام کر رہا ہے مگر اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی منشا ہوتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ اس مسجد میں بجلی کی روشنیاں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم روشنی جلا رہے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک بات ہے لیکن جو بجلی بنانے والے لوگ ہیں وہ کہتے ہیں اس پورے ملک کی روشنیاں ہماری مرضی سے چل رہی ہیں۔ وہ بھی ٹھیک کہہ

رہے ہیں، اس لیے کہ وہ پیچھے سے بجلی بند کردیں تو ہم کیا کریں گے۔ بالکل اسی طرح ہمارے جتنے افعال ہیں، وہ اصل میں اللہ کے اذن سے ہو رہے ہیں۔ اور یہ جتنے اسباب ہیں، یہ برتن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں نقصان ڈالتے ہیں، یا نفع ڈالتے ہیں۔ ان میں عزت اللہ تعالیٰ ڈالتے ہیں یا ذلت اللہ تعالیٰ ڈالتے ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں عزت کے نقشوں سے ذلت نکال دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ذلت کے نقشوں سے عزت نکال دیتے ہیں، جس چیز میں جو اثر ڈالنا چاہیں وہ پروردگار ڈالتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ میں نکل کر یہی تو سیکھتے ہیں کہ ''اللہ سب کچھ کرسکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ نہیں کرسکتیں اللہ کے بغیر''۔ ایسا یقین ہمارے اس راستے کا پہلا قدم ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب سالک ہر کام کو اللہ کی طرف سے ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اپنے ارادوں کی نفی کردیتا ہے کہ میرے ارادوں سے کچھ نہیں ہونا، جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اس کی نظر میں مخلوق سے امیدیں کٹ جاتی ہیں اور اللہ سے امیدیں لگ جاتی ہیں۔ اس کو ''تبتل'' کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ وہ مخلوق سے بھی کٹتا ہے، اپنے آپ سے بھی کامل کٹ جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ (المزمل: ۸)

''اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہو اور سب سے کٹ کے اسی کی طرف متوجہ رہو''

تو اس مقام پہ آکے سالک کو کامل تبتل نصیب ہو جاتا ہے۔ ہر طرف سے انقطاع ہو جاتا ہے، مخلوق سے نظر ہٹ جاتی ہے، اور خالق پہ نظر جم جاتی ہے۔

یہ نعمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل تھی

صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ پختہ ایمان حاصل تھا۔ اسی لیے حضرت خالد بن ولید

رضی اللہ عنہ کو دشمن نے زہر دکھائی کہ ہم نے تو اس زہر سے اپنی تلواروں کی دھاریں بجھائی ہیں۔ انہوں نے وہ زہر لی، دعا پڑھی اور اس زہر کو پی لیا۔ وہ زہر ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی، اس لیے کہ اللہ نے ان کو یہ یقین عطا فرمایا ہوا تھا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے خوب فتوحات ہوئیں، جب فتوحات اپنے عروج پر تھیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بندہ کو رقعہ دے کے بھیجا اور فرمایا کہ خالد! آپ آج سپہ سالار کی پوسٹ سے معزول، اور آپ رضی اللہ عنہ کے بجائے یہ سپہ سالار ہوں گے۔ اب آپ کے پاس دو اختیار ہیں، ایک تو یہ کہ عام سپاہی بن کر رہنا چاہیں تو وہیں رہیں، ورنہ آپ میرے پاس مدینہ آجائیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاری ان کے حوالے کر دی، خود سپاہی بن کر وہیں لڑنے لگ گئے۔

کسی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ عجیب ہے! آپ سپہ سالار تھے اور ایک ہی حکم سے آپ ایک عام سپاہی بن گئے، آپ کو کوئی فرق محسوس نہیں ہوا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔ اس لیے کہ سپہ سالار بن کر جب میں لڑ رہا تھا تو اسی پروردگار کی رضا چاہتا تھا، جب سپاہی بنا تب بھی اسی کی رضا چاہتا تھا، مجھے تو کچھ فرق نہیں پڑا۔ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جرنیل سے امت کو کیوں محروم کیا؟ فتوحات ہو رہی تھیں، ہر طرف اسلام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ امت کو آپ نے ایسے جرنیل کی قیادت سے کیوں محروم کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امت کو جرنیل کی قیادت سے تو محروم کیا مگر میں نے امت کا ایمان بچا لیا انہوں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہا، اس لیے کہ خالد رضی اللہ عنہ جہاں جا رہے تھے فتح ہو رہی تھی۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا، جہاں خالد رض جاتا ہے، وہاں فتح ہوتی ہے۔ لوگوں کی نظر مخلوق پہ جمنے لگ گئی تھی، میں نے معزول کر دیا کہ فتوحات تو پھر بھی ہوں گی، لوگوں کو یقین ہو جائے کہ بندوں کا معاملہ نہیں، یہ

بندوں کے پروردگار کا معاملہ ہے۔ تو دیکھیں صحابہ رضی اللہ عنہم اس معاملہ میں کتنے محتاط رہتے تھے کہ نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پہ رہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے، اللہ کے اذن سے ہو رہا ہے۔

اسی چیز کا اظہار تو نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے وقت فرمایا تھا۔

((صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ)) (بخاری شریف)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی اقرار فرمایا کہ ایک اللہ نے سب کو شکست دی۔ اتنا خوبصورت ایمان ہے اس لطیفے پہ انسان کو ملتا ہے۔

ایسے بندے کی نظر میں پھر مدح اور ذم برابر ہو جاتی ہے۔ کوئی تعریف کرتا رہے تو وہ پھولتا نہیں، اس لیے کہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ تعریفیں کر رہا ہے، سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے میری تعریف کروا رہے ہیں۔ تو نظر اللہ پہ ہے، اور اگر کوئی الٹے الفاظ ان کو کہہ دیتا ہے، تو غصہ نہیں کرتے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ میرے بارے میں برا کہہ رہا ہے، بلکہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے یہ لفظ مجھے کہلوا رہا ہے۔ تو توجہ ان کی اللہ کی طرف ہی جاتی ہے۔ اس سبق پر پہنچ کے مدح اور ذم برابر ہو جاتی ہے اور انسان کے لیے نفع اور نقصان برابر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ﴾

(الحدید: ۲۳)

''تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور جو چیز تم سے جاتی رہے اس کا غم نہ کرو''

بندہ کی ایسی کیفیت ہو جاتی ہے کہ جب کچھ ملتا ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے...... الحمد للہ! اور نقصان ہوتا ہے تو بھی اس کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے...... الحمد

للہ! آپ سوچیے کہ وہ کس قدر اعلیٰ کیفیت ہوتی ہے کہ انسان کو نہ کسی سے حسد ہے، نہ دشمنی ہے، بلکہ مخلوق سے گلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سوچ اس قدر پاکیزہ ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی ہو رہا ہے۔

تجلیات افعال کا سبق کرنے سے سالک کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ وہ سراپائے تسلیم خم ہو جاتا ہے۔ سوچتا ہے کہ میرا مالک میرے ساتھ جو کر رہا ہے، میں اپنے مالک سے ہر حال میں راضی ہوں۔

تجلیات افعال کی ولایت...... بزرگوں کے واقعات

◎ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ شیطان بد بخت کہیں جا رہا تھا تو کسی بزرگ نے اسے دیکھا۔ انہوں نے کہا: او بد بخت! یہ اتنے سارے جال کیوں لیے پھر رہا ہے؟ جبکہ تیرا بدن بڑا کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ کچھ ایسے بندے ہیں جن پہ میرا کوئی جال اثر نہیں کرتا، انہوں نے مجھے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا، میرے جگر کے کباب بنا دیے۔ بزرگ نے کہا: وہ کون ہیں؟ کہنے لگا: آپ کو دکھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر شیطان نے گدھے کی شکل اپنائی اور ایک بڑے میاں کے پاس گیا۔ وہ کپڑا بنتے تھے اور ان کے لمبے لمبے دھاگے تھے۔ شیطان گدھا بن کے وہاں گیا اور ایک لات مار کر سارے دھاگے توڑ دیے۔ وہ بزرگ اٹھے اور بسم اللہ پڑھتے ہوئے دھاگے کو گانٹھ لگانے لگے۔ اسی طرح دوسرے دھاگے کو گانٹھتے، پھر بسم اللہ پڑھ کے تیسرے کو، پھر چوتھے کو۔ کچھ دیر کے بعد پھر شیطان نے اسی کام کو دہرایا۔ انہوں نے پھر ایسا ہی کیا، تو شیطان کہنے لگا: دیکھو! نہ اس شخص کو غصہ آتا ہے کہ یہ کوئی گالی نکالتا ہے۔ نہ ہی غصہ کا اظہار کرتا ہے، نہ کوئی ناشکری کی بات کرتا ہے۔ اتنے نقصان کا اس پہ کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بزرگ لطیفۂ قلب کی ولایت رکھتے تھے۔ انہیں تجلیات افعال والی ولایت حاصل تھی۔ وہ بزرگ یہ محسوس کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان دھاگوں کو توڑ وار ہے ہیں، تو ہم اس پہ بھی راضی ہیں۔ دھاگوں کے جڑنے پہ بھی راضی ہیں تو ٹوٹنے پہ بھی راضی ہیں۔ تجلیات افعال کا سبق کرنے سے بندہ سراپائے تسلیم ہو جاتا ہے۔

◉ چنانچہ کسی بزرگ کے بیٹے کی شادی تھی اور بارات بالکل جانے کے لیے تیار تھی، وہ بزرگ گھر میں کچھ تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ بیوی نے کہا: آپ کیا ڈھونڈتے پھر رہے ہیں؟ باہر بارات جانے کے لیے بالکل تیار ہے۔ کہنے لگے کہ میں کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہوں۔ بیوی نے کہا: میں وہ چیز ڈھونڈنے میں آپ کی ذرا مدد کر دیتی ہوں، بتائیں کیا چاہیے؟ کہنے لگے کہ دراصل میں کفن ڈھونڈ رہا ہوں۔ مجھے الہام ہوا ہے کہ جس بیٹے کی شادی ہونی ہے، ابھی ابھی اس کی وفات ہو جائے گی، تو میں اس کے لیے کفن ڈھونڈ رہا تھا۔ میاں بیوی یہ بات کر رہے تھے کہ باہر سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا، اس نے بتایا کہ دولہا گھوڑے کی سواری کرنے لگا تو پاؤں جو پھسلا تو وہ گردن کے بل گرا اور اس کی وفات ہو گئی۔ عین خوشی کے عالم میں ان کو بیٹے کی وفات کا علم ہوتا ہے مگر ان کے دل پہ کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ سراپا تسلیم بن جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! پنجابی کے اشعار ہیں۔

جے سوہنا میرے دکھ وچ راضی
تے میں سکھ نوں چلّے ڈاہواں

''اگر میرا محبوب میرے دکھ میں راضی ہے تو میں سکھ کو چولہے میں کیوں نہ ڈال دوں۔

تجلیات افعال کا سبق کرنے سے سالک کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ وہ سراپا تسلیم خم ہو جاتا ہے۔ سوچتا ہے کہ میرا مالک میرے ساتھ جو کر رہا ہے میں اپنے مالک سے ہر حال میں راضی ہوں۔

تجلیات افعال کے سبق پر سالک کو ایسا مضبوط یقین اور ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ سوچیں، ہمیں اس کی کتنی ضرورت ہے۔

ہمیں کوئی کہہ دیتا ہے کہ فلاں نے تمہارے متعلق یہ بات کی تو ہمارے دل میں اس کے بارے میں کینہ بھر جاتا ہے۔ ان روحانی بیماریوں سے کب ہماری جان چھوٹے گی؟ یہ بیماریاں اس وقت تک ہیں جب تک تجلیاتِ افعال کی فنا حاصل نہیں ہوتی۔ جب تجلیاتِ افعال میں فنا حاصل ہو گئی تو سالک سب افعال اللہ کی طرف منسوب کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسا شخص دوسرے کی غلطیوں کو بہت جلدی درگزر کر دیتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کفار آتے تھے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فوراً معاف فرما دیتے تھے۔

◉ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام آرام فرما رہے ہیں۔ ایک صحابی نے آکر بتایا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! عکرمہ آگئے۔ اور یہ اس ابوجہل کے بیٹے ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن نمبر ایک تھا۔ عام حالات میں تو دشمنوں کے سرغنہ کا بیٹا کسی کے قابو آئے تو بندہ کہتا ہے کہ میں اس سے انتقام لوں گا۔ مگر جب عکرمہ آتے ہیں تو نبی علیہ السلام لیٹے ہوئے، اٹھے اور ابھی سر پہ عمامہ بھی نہیں لیا تھا کہ، باہر نکل کر فرمانے لگے: اے سوار! تیرا آنا مبارک ہو۔ چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اب میرے مالک نے اس کو عنایت کی نظر سے دیکھ لیا ہے، اب اس کو ایمان کی سعادت نصیب ہو گئی ہے۔ وہاں کوئی انتقام والی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔

◎ حبار بن الاسود رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو نیزہ مارا جس کی وجہ سے وہ اونٹ سے نیچے گریں۔ حاملہ تھیں، بچہ ضائع ہو گیا۔ اسی تکلیف میں چند سالوں کے بعد بالآخران کی وفات ہوئی۔ ایسا دشمن جو اولاد کو اتنی تکلیف پہنچاتا ہے، عام شخص کا دل چاہتا ہے کہ وہ ہاتھ آئے تو اسے جان سے مار دیا جائے۔ مگر حبار بن الاسود رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے سامنے آ کر کلمہ پڑھ لیتا ہے، نبی علیہ السلام اس کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ تجلیات افعالیہ کا سبق مکمل ہونے سے بندہ عفو و درگزر کا پیکر بن جاتا ہے۔ چونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔

◎ اسی لیے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحشی رضی اللہ عنہ کی توبہ بھی قبول کر لی تھی، جنہوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی شہادت کا اتنا غم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مردے پہ رونا جائز ہوتا تو میں مدینے کی عورتوں کو کہتا کہ ان پہ نوحہ کریں۔ غزوۂ احد کے شہداء کو دس دس کر کے لایا جاتا تھا اور ان کا جنازہ پڑھا جاتا تھا، مگر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ وہیں رکھا ہوا تھا۔ ان کا جنازہ نبی علیہ السلام نے بارہ مرتبہ پڑھا، اتنی محبت تھی۔ ان کو شہید کرنے والا شخص پیٹھ کے پیچھے سے آ کر کہتا ہے: اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ نبی علیہ السلام نے وحشی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے کلمہ پڑھ لیا، ہم نے اس کو قبول کر لیا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ تجھے دیکھ کر مجھے اپنے چچا یاد آ جائیں، لہٰذا ایک طرف ہو جاؤ۔ مگر نبی علیہ السلام نے اس کے ایمان کو قبول فرما لیا۔ سمجھ گئے کہ اب اللہ تعالیٰ کی عنایت کی نظر اس پر پڑ گئی ہے۔ تو پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا۔

آپ سوچیں کہ اس سبق کے مکمل ہونے پر انسان کتنا نفیس انسان بن جاتا ہے۔

تجلیاتِ افعالیہ میں سالک کو اس حد تک فنائیت حاصل ہوتی ہے کہ انسان اپنے ارادوں کی بھی نفی کر دیتا ہے۔ پھر انسان صبح اس نیت کے ساتھ نہیں اٹھتا کہ میں نے یہ

کرنا ہے، وہ کرنا ہے، بلکہ صبح اس نیت کے ساتھ اٹھتا ہے کہ اے میرے مالک! آج آپ مجھ سے کیا خدمت لینا چاہتے ہیں؟ اس لیے ہمارے مشائخ کے ہاں دستور تھا کہ وہ اشراق کے وقت اشراق کی نماز کے ساتھ استخارہ کی بھی نیت کیا کرتے تھے، اور اس کے بعد کچھ دیر آرام کرتے تھے۔ یہ استخارہ کسی نکاح، سفر یا خاص مقصد کے لیے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس نیت سے ہوتا تھا کہ اے مالک! یہ نوکر غلام حاضر ہے۔ آج کے اس پورے دن میں، آپ حکم فرما دیجیے میں تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ تجلیات افعالیہ میں ہمارے بعض بزرگوں نے یہ الفاظ کہے:

اُرِیْدُ اَنْ لَا اُرِیْدُ

''میں ارادہ کرتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہ کروں۔''

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ مراقبہ لطیفہ روح اور تجلیات صفات ثبوتیہ کا فیض

اس کے بعد والے سبق کو لطیفۂ روح کا سبق کہتے ہیں۔ وہ تجلیات صفاتِ ثبوتیہ کا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دو طرح کی ہیں:

۱۔ ایک ثبوتیہ کہلاتی ہیں۔

۲۔ دوسری سلبیہ کہلاتی ہیں۔

صفات ثبوتیہ آٹھ ہیں۔ مثلاً حیوۃ، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ وغیرہ ہیں۔

اس کا فیض سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کو ملا تھا۔ اس سبق میں یہ نیت کی جاتی ہے کہ

''یا الٰہی! تجلیات صفات ثبوتیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے لطیفۂ روح سے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے لطیفہ روح پر القا
فرمایا تھا پیران کبار کے طفیل میرے لطیفہ روح میں بھی القا فرما دے''

اس سبق کے اثرات مختلف ہیں۔ اس سبق میں سالک کی نظر سے اپنی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو وہ نعمت ملتی ہے جس کو کہتے ہیں:

تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ تَعَالٰى

جب سالک لطیفۂ روح کی فنائیت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے اوپر صفات باری تعالیٰ کا اتنا اثر آجاتا ہے کہ اس کی ذات ان صفات میں گم ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر وہ صفات آجاتی ہیں جس کے بارے میں فرمایا تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ تَعَالٰى، جب یہ صفات آجائیں تو بندہ قرب کا مقام پالیتا ہے، ان صفات کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کو پیارا لگتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو وہ درجہ ملتا ہے جس کے متعلق اللہ فرماتے ہیں:

((وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يَبْصُرُ فِيْهِ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِيْ أُعْطِيَنَّهُ))

(بخاری: ۶۵۰۲)

''پھر میں وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں وہ اسے عطا کرتا ہوں''

سبحان اللہ! اور پھر اس مقام والے بندے کو اللہ تعالیٰ ایک ایسی نعمت دیتے ہیں

کہ اس کی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ چونکہ اسی حدیث مبارکہ میں ہے: وَإِنْ سَأَلَنِي أُعْطِيَنَّهُ اگر وہ بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، مستجاب الدعوات کا درجہ اس مقام پر اللہ عنایت فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! شاعر نے کہا:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مراقبہ لطیفۂ سر
اور تجلیات شیونات ذاتیہ کا فیض

پھر اس کے بعد لطیفۂ سر کا سبق ہے۔ اس میں یہ نیت کرتے ہیں کہ ''یا الٰہی! تجلیات شیونات ذاتیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ سر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ سر میں القا فرمایا تھا پیران کبار کے طفیل میرے لطیفہ سر میں بھی القا فرما دے۔''

یہاں پر ایک نکتہ سمجھ لیجیے کہ تین الفاظ ہیں۔

......ایک اللہ تعالیٰ کی ذات،

......دوسرا اس کی صفات،

......تیسرا اس کے شیونات،

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم جانتے ہیں۔

دوسرا ان کی صفات ہیں جن کے بارے میں ہمارے مشائخ نے کہا کہ

لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ

اور تیسرا شیونات ہیں۔ شیونات جمع ہے شان کی۔

اس کو ذرا ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ ایک عورت کی ذات ہوتی ہے، دوسرا اس کی صفات ہوتی ہیں۔ مثلاً: ایمان والی ہے، نیکوکار ہے، پردہ دار ہے، پڑھی لکھی ہے، ذہین ہے، اچھے خاندان سے ہے۔ یہ سب اس کی صفات ہیں۔ تیسرا اس کی شیونات ہوتی ہیں۔ شان کے معنی اس عورت کے ناز انداز ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ نقش نین کے لحاظ سے تو بڑے خوبصورت ہوتے ہیں مگر ان میں کشش نہیں ہوتی۔ ان کے اندر ناز نخرہ نہیں ہوتا۔ اور کچھ لوگوں کو اللہ یہ نعمت بھی دے دیتا ہے تو ان کے اندر حُسن بھی ہوتا ہے اور ناز انداز بھی ہوتا ہے۔ تو اس ناز کو عربی میں ''شان'' کہتے ہیں۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں دلہن روزانہ نئے کپڑے بدلتی ہے، نئے طریقے سے بال سنوارتی ہے، دلہن تو وہی ہوتی ہے مگر روزانہ نئے کپڑے پہننے سے اور تیار ہونے سے وہ خاوند کو پہلے کی نسبت زیادہ خوبصورت لگ رہی ہوتی ہے، خاوند کی روز نئی پیار کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ اب سوچیے کہ جب دنیا میں ایک عورت کی یہ کیفیت ہے، رب کریم کی صفات کی تو کوئی انتہا نہیں، اسی طرح اللہ رب العزت کے شیونات کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الرحمٰن:۲۹)

''ہر دن اس کی ایک نئی شان ہے۔''

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب محبوب کا ہر روز ایک نیا جلوہ ہے تو محب کے دل میں محبت کا ایک نیا ولولہ ہے۔ اللہ کے جلووں کی انتہا نہیں اور عاشق کے ولولوں کی انتہا نہیں۔ ایسے عاشق صادق کو ہزار سال کی عمر بھی دے دیں تو بھی وہ نہیں تھکے گا۔ روز ایک نئی مستی ہوگی، روز نیا لطف ہوگا، روز اس کے اندر اللہ کی عبادت کا ایک نیا

جذبہ ہوگا۔لہٰذا اللہ کے جلووں کو شیونات کہتے ہیں۔ان کا فیض سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ملا۔اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ جلوے کے شکار تھے۔سبحان اللہ! انبیاء میں سے کسی اور نے یہ نہیں کہا کہ مجھے دیدار کرنا ہے، صرف موسیٰ کلیم اللہ نے کہا۔ چونکہ بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

یہاں سے ایک اور نکتہ کھلا کہ بات سے بات بڑھتی ہے۔اس لیے نوجوان سیل فون کے بارے میں بہت محتاط رہیں۔کیوں کہ بات سے بات بڑھتی ہے۔اس نکتے کو یاد کرلیں کہ بات سے بات بڑھتی ہے۔اور یہ بات تک مسئلہ نہیں رہتا، اس سے آگے ﴿رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾(الاعراف: ۱۴۳) پھر ملاقات تک بات جاتی ہے، یہ راستہ ملاقات تک پہونچاتا ہے۔پس نوجوان سالکین سیل فون پر غیر محرم سے بات کرنا بند کردیں، ورنہ وقت کے ساتھ بات سے ملاقات تک بات پہونچتی ہے۔ ؎

نہ تو خدا ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

شیونات ذاتیہ کا فیض سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو لطیفۂ سر کے ذریعہ سے ملا۔اور یہ مقام مشاہدہ کہلاتا ہے۔اس مقام پہ سالک اپنے آپ کو گم پاتا ہے اور اسے فقط محبوب ہی کی شان نظر آتی ہیں۔اس مقام پر پہنچ کر بعض کہنے والوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ سُبْحَانِيْ مَا اَعْظَمَ شَاْنِيْ ایک دوسرے بزرگ نے کہا: ''أنا الحق'' وجہ یہ تھی کہ ان کی اپنی ذات نظر سے اوجھل ہوگئی تھی اور وہ اپنے آپ کو اللہ کی شیونات میں گم پاتے تھے۔تو ان کی کیفیت ہی ایسی تھی، اس لیے ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلے۔اسی سبق پر اکثر سالکین کی کیفیت درج ذیل شعر کا مصداق بن جاتی ہے۔ ؎

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

محبوب کے ساتھ محب کا ایسا تعلق ہو جاتا ہے۔

مراقبہ لطیفہ خفی

اور تجلیات صفات سلبیہ کا فیض

پھر اس کے بعد لطیفۂ خفی کا سبق ہے۔ اس کی نیت یوں کی جاتی ہے کہ

''یاالٰہی! تجلیات صفات سلبیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ خفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ خفی میں القاء فرمایا تھا پیران کبار کے طفیل میرے لطیفہ خفی میں بھی القا فرمادے۔''

تو اس جگہ پر سالک کو صفاتِ سلبیہ کا فیض حاصل ہوتا ہے۔ صفات سلبیہ کا فیض حاصل ہونے کی علامات یہ ہے کہ بندے کے اندر سے بشری صفات سلب ہو جاتی ہیں اور اس میں ملکوتی صفات آجاتی ہیں۔ اس مقام پر ہمارے بعض بڑوں نے کہا: **يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ**، رب ہی مجھے کھلاتا ہے، رب ہی مجھے پلاتا ہے، اس لیے کہ ان کی بھوک ہی ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت اقدس مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پنڈت کے ساتھ مناظرہ تھا۔ اس پنڈت نے تو کھانے کا مقابلہ کرنے کے لیے کہا تھا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کھانے کا اگر مقابلہ کرنا ہے تو کسی سانڈ سے کرو، چالیس دن کے لیے تمہیں اور مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا جائے پھر چالیس دن کے بعد دروازہ کھولا جائے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو یقین تھا کہ میں چالیس دن بغیر کھائے پیے رہ سکتا ہوں۔

احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ ایمان والے ''سبحان اللہ'' پڑھیں گے اور ان کی بھوک ختم ہو جائے گی، اس وقت اللہ تعالیٰ

ان کو یہ نعمت عطا فرما دیں گے۔ ان کے اندر سے بشریت کے تقاضے نکال لیے جائیں گے۔ اس لیے ہمارے اکثر مشائخ کا کھانا پینا بالکل کم ہو جاتا تھا، ساری ساری رات عبادت کرتے ہیں، مگر تھکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ ان میں روحانی قوت آجاتی ہے۔

مرشد عالم حضرت پیر غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً نوے سال کی تھی، شوگر کی بیماری بھی بہت پرانی تھی۔ رمضان المبارک میں افطاری کے بعد وضو بنایا اور مسجد میں تشریف لے آئے۔ اس دن مختلف شہروں سے حفاظ اور قراء بلوائے گئے تھے۔ مری پہاڑی اور ٹھنڈا علاقہ ہوتا ہے۔ حضرت نے روزہ کی افطاری کی، پھر وضو فرما کے مسجد میں تشریف لے گئے۔ ابھی عشاء کی نماز میں پون گھنٹہ باقی تھا۔ حضرت پہلی صف میں آ کر بیٹھ گئے۔ رمضان کی اس خاص رات میں ایسے قراء کو وہاں پر امامت کے لیے بلایا جاتا ہے، جن کو قرآن پاک عام لوگوں کو سورۂ فاتحہ کی طرح یاد ہوتا ہے۔ چنانچہ خطیب صاحب خود بتانے لگے کہ یہاں تیس سال کے قریب یہ معمول ہے اور آج تک تیس سال میں اس مصلیٰ پر کسی امام کو لقمہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان قراء کی قراءت سنی، پھر تراویح کے بعد محفلِ قراءت کی مجلس لگی، اور ماشاءاللہ پڑھنے والوں نے بھی خوب قرآن پڑھا۔ حتی کہ مسجد کمیٹی والوں نے اعلان کیا کہ سحری کا وقت ختم ہونے میں ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ سب حاضرین کے لیے کھانے کا انتظام ہے اور مسجد میں دسترخوان لگایا جا رہا ہے، تو سب اٹھ کے سحری کریں۔

یہ عاجز حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہوا کہ مغرب کا وضو کیا ہوا ہے اور سحری کا وقت آ گیا ہے۔ عاجز نے کہا کہ حضرت! آپ نے وضو تازہ کرنا ہوگا، فرمانے

لگے: ''اوں ہوں'' اوں ہوں کا مطلب تھا کہ نہیں کرنا۔ تو عاجز خاموش ہوگیا۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمایا کہ سحری یہیں مسجد میں سب کے ساتھ کرنی ہے۔ حالانکہ شوگر والے مریض کی تو کچھ پرہیزی غذا ہوتی ہے۔ وہاں سب کے لیے پلاؤ بنا ہوا تھا، حضرت نے وہی کھایا۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب انسان کھانا کھاتا ہے تو پھر اسے بیت الخلا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب حضرت کھانا کھا چکے تو عاجز قریب ہوا اور پھر پوچھا کہ حضرت وضو کے لیے تشریف لیجائیں گے؟ حضرت نے عاجز کی طرف دیکھ کر فرمایا: میرا وضو کوئی کچا دھاگہ ہے؟ عاجز خاموش ہوگیا۔ سوچا کہ حضرت فجر کی نماز پڑھ کر کمرے میں چلے جائیں گے۔

جیسے ہی فجر کی نماز مکمل ہوئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ منبر کے اوپر بیٹھ گئے اور قراء حضرات کو فرمانے لگے: ساری رات آپ حضرات نے مجھے قرآن سنایا ہے، اب میں آپ کو قرآن سناؤں گا۔ اللہ اکبر! اس عاجز کا خیال تھا کہ رمضان مبارک میں عام مساجد میں جیسے معمول ہوتا ہے کہ فجر کے بعد دس منٹ کے لیے کوئی کتاب پڑھ دی جاتی ہے ایسے ہی کچھ مختصر بات فرمائیں گے، مگر حضرت نے تو تفصیلی بیان شروع کر دیا۔ اللہ کی شان کہ بیان کرتے کرتے اشراق کا وقت ہوگیا، پھر سب نے اشراق کی نماز پڑھی اور پھر کمرے میں آکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وضو تازہ فرمایا۔

آج لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ ۴۰ سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز کیسے پڑھی؟ ہم نے نوے سال کے ایک بزرگ کو شوگر کے مرض کے باوجود، مغرب کے بعد کے وضو سے اشراق پڑھتے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ عوام الناس کو کیا پتہ کہ ایک ایسا بھی وقت آتا ہے کہ سالک بشر ہوتا ہے مگر اس کے اندر ملکوتی صفات آجاتی ہیں۔

* ہمارے حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے اور یہ بات حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خود عاجز کو سنائی۔ فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ حج پر تشریف لائے، تیرہ دن مکہ مکرمہ میں رہے، نہ کھایا، نہ پیا، نہ پیشاب، نہ پاخانہ۔ پوچھنے پر فرمایا کہ میں کالا کتا اس پاک دیس کو کیسے ناپاک کروں؟ تیرہ دن کے بعد حج کر کے واپس چلے گئے۔ اللہ اکبر۔

اللہ رب العزت فرشتوں کو دکھانا چاہتے تھے کہ دیکھو! یہ ہیں تو بشر، لیکن جب اپنے نفس کو ماریں گے اور اپنی اصلاح کریں گے تو میری صفات سے اس طرح منور ہو جائیں گے کہ فرشتو! تم سے بھی یہ بازی لے جائیں گے۔ بقول شاعر: ع

فرشتوں کو دکھانا تھا، بشر ایسے بھی ہوتے ہیں!

اس لطیفۂ خفی کے سبق پر انسان میں یہ صفات آجاتی ہیں، پھر کھانے پینے کی بھی اس کو محتاجی نہیں رہتی۔

* چنانچہ ہمارے بعض بزرگوں کے حالاتِ زندگی میں ہے کہ وہ فرماتے تھے: "میں تو سنت سمجھ کے کھاتا ہوں، ورنہ مجھے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔" اللہ تعالیٰ ان کو ہمت دے دیتے ہیں۔

* خاص طور پہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ رمضان میں سحری میں دو فنجان چائے پینے کا معمول تھا۔ اس کے باوجود مستقل ساری ساری رات عبادت فرماتے تھے۔ اصل میں ان میں یہ ملکوتی صفات آجاتی تھیں۔

ایسے موقع پر سالک کو سلبی توجہات ملتی ہیں لہٰذا وہ کسی کمال کا انتساب اپنی ذات پہ نہیں کرتا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سالک اپنے آپ کو فاسق، فاجر اور کافر فرنگ سے بھی بدتر سمجھے۔ وہ بات اس سبق پہ آ کر سمجھ میں آتی ہے

کہ جب سالک کوئی کمال اپنی طرف منسوب ہی نہیں کرتا، سب اپنے سے اچھے نظر آنے ہیں، سب بہتر لگنے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ سالک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر سمجھے۔ پڑھنے والے کو یہ بات عجیب لگتی ہے۔ لیکن اس سبق کو کرنے کے بعد اس میں کوئی عجب چیز نظر نہیں آتی اس لیے کہ کمال سب کمال والے کا ہے۔

مراقبہ لطیفہ اخفیٰ

اور تجلیات شان جامع کا فیض

اس کے بعد لطیفۂ اخفیٰ کا سبق ہے۔ اس کی نیت یہ ہے کہ

یا الٰہی! شان جامع کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ مبارک میں القا فرمایا تھا، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ اخفیٰ میں القا فرمادے۔

صفات، شیونات، ذات، سب کے مجموعہ کو شان جامع کہتے ہیں۔ اور یہ تجلی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ رب العزت نے عطا فرمائی۔ چنانچہ اس سبق کے ملنے پر جن کا یہ لطیفہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے، وہ پھر اس سے وافر فیض پاتے ہیں، ان کے اندر محبوبیت آتی ہے۔ لطیفۂ سر غالب تھا تو وہ مرید تھے، اور لطیفۂ اخفیٰ غالب آ گیا تو یہ مراد بن گئے، ان کے اندر محبوبیت آ گئی۔ ایسے اخلاقِ عظیمہ آ جاتے ہیں کہ انسان ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم: ۴) ''بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں'' کا نمونہ بن جاتا ہے۔ تصوف کا جو مقصود ہے کہ ذمیمہ ختم ہوں اور حمیدہ آ جائیں، اس سبق پر آ کر اخلاقِ حمیدہ کامل حاصل ہو جاتے ہیں۔

مقاماتِ عشرۂ سلوک کا طے ہونا

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سبق پر پہنچنے تک بندے کے مقامات عشرہ سلوک طے ہوجاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو لطیفۂ اخفیٰ تک پہنچ جاتا ہے توبہ، انابت، زہد، ریاضت، یہ سارے مقامات عشرہ طے ہوجاتے ہیں اور اس بندے کے اندر محبوبیت آجاتی ہے۔ اس بندے کے اندر رحیمیت کی صفت غالب آجاتی ہے، رحیم وکریم طبیعت ہوجاتی ہے، عفوودرگزر والی طبیعت نصیب ہوجاتی ہے۔ سبحان اللہ!

جیسے کہ حدیث پاک میں ہے:

((اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ، یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ))۔ (ترمذی: ۱۹۲۴)

تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے صدقے، ان کی اتباع کے کمال کی وجہ سے، پھر بندے کو اس میں سے حصہ نصیب ہوجاتا ہے۔ پھر دل میں امت کا غم آتا ہے، مخلوق کا غم آتا ہے۔ سبحان اللہ!

تو یہ پانچ سبق مراقبات مشاربات کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ صفات ہمیں بھی عطا فرمادے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

مشاربات کی مزید تفصیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

لطائف کی اپنے اصل کی طرف سیر

گزشتہ نشست میں مراقبات مشاربات کی تفصیل کی گئی تھی۔تصوف کے اسباق کو کچھ دائروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے دائرے کو دائرۂ امکان کہتے ہیں۔دائرہ امکان کے درمیان میں عرش آتا ہے، آدھا دائرہ عرش سے نیچے ہے اور آدھا عرش کے اوپر ہے۔عرش سے نیچے عالم امر کے لطائف ہیں یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفی۔ان لطائف کی اصل عرش سے اوپر ہے۔دنیا میں قلب، روح، سر، خفی اور اخفی اصل نہیں ہیں، بلکہ سایہ ہیں۔ان کی اصل عرش سے اوپر ہے۔جب لطیفہ کی سیر ہوتی ہے، لطیفہ کی روح اندر سے نکل کر اپنی اصل کی طرف جاتی ہے:

کُلُّ شَیْئٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ

تو اس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر لطیفہ کی فنا اس لطیفہ کے اپنے اصل تک پہنچنے سے وابستہ ہے اور چونکہ

روح کی اصل صفات بلکہ ظلالِ صفات کے مقام سے ہے کیونکہ عالمِ امر کے پانچوں لطائف کے اصول اسماء وصفات کے ظلال کے دائرہ میں داخل ہیں کہ ان میں سیر واقع ہونا ولایتِ صغریٰ ہے جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے، پس فنائے روح صفات کے ظلال تک وصول سے عبارت ہے جیسا کہ قلب کی اصل افعالِ واجبی تعالیٰ کے مقام سے ہے اور اس کی فنا اس کے اس مقام تک وصول سے وابستہ ہے۔

سالک کو جب مشاربات میں فنا حاصل ہوتی ہے، یعنی

......لطیفۂ قلب کو تجلیات افعالیہ میں فنا

......اور لطیفۂ روح کو صفات ثبوتیہ میں فنا

......لطیفہ سر کو شیوناتِ ذاتیہ میں فنا

......لطیفہ خفی کو صفاتِ سلبیہ میں فنا

......اور لطیفہ اخفیٰ کو شانِ جامع میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔

یہاں تک جتنا کچھ تھا وہ دائرۂ ولایتِ صغریٰ میں تھا۔ گویا سالک کو دائرۂ ولایتِ صغریٰ میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس ساری بات کو مؤکد کرنے کے لیے آج مشائخ کی کتابوں میں سے کچھ عبارتیں پڑھیں گے۔

مراقبوں کی نیتیں

ہر لطیفہ کی نیت اسی طرح سے کریں گے کہ یا الٰہی! تجلیات افعالیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت ﷺ کے لطیفۂ قلب سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفۂ قلب میں القا فرمایا ہے، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفہ قلب میں بھی القا فرما دے۔

ملفوظات حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۲۹ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ) میں لکھا ہے

:

ذکرِ قلبی کے وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ تجلی افعال کا فیض سید البشر ﷺ کے قلب مبارک سے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے قلب تک پہنچتا ہے اور وہاں سے میرے دل پر آتا ہے اور لطیفہ روح کے ذکر میں تصور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کی تجلی کا فیض سرورِ کون ومکان ﷺ کی روح مبارک سے حضرت نوح وحضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی ارواح تک پہنچتا ہے اور لطیفہ روح پر وارد ہوتا ہے۔

اور لطیفۂ سر کے وقت خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی شیونات ذاتیہ کا فیض سرور دو عالم ﷺ کے لطیفہ سر مبارک سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک تک پہنچتا ہے اور میرے لطیفہ سر میں آتا ہے اور لطیفہ خفی کا ذکر کرتے وقت یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی تجلی کا فیض فخر دو عالم ﷺ کے لطیفہ خفی سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے لطیفہ خفی تک پہنچا ہے اور وہاں سے میرے لطیفہ خفی پر وارد ہوتا ہے اور ذکر اخفی میں اللہ تعالیٰ کی شانِ جامع کے فیض کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے لطیفہ اخفی سے ظہور کرتا ہے۔ ان مراقبوں سے نسبت (فیضِ سلسلہ) میں بہت ترقی واقع ہوتی ہے۔

مختلف لطائف کے فنا کی علامات

حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ۵ میں لکھا ہے:

فنائے قلب کی علامت دل سے ماسویٰ کا بھول جانا ہے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی یاد کرے تو یاد نہ آئے۔ یعنی لطیفہ قلب میں جب تجلیات افعالیہ میں فنا حاصل ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ گناہوں کی طرف دھیان بھی کرنا چاہے تو طبیعت ہی متوجہ نہیں ہوتی، اس طرف سوچ ہی نہیں جاتی۔ سالک کے ذہن سے ایسے ماسویٰ کے نقش مٹ جاتے ہیں۔ جیسے بعض گناہ آپ چھوڑ چکے، اب آپ یاد بھی کرنا چاہیں تو آپ کو وہ بچپن، لڑکپن اور جوانی کے گناہ یاد نہیں آئیں گے۔ اسی طرح ماسویٰ کی یاد دل سے مٹ جاتی ہے، طبیعت اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی۔ اتنا اللہ اللہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں نہ ہی دنیا کی خوشی سے خوش ہو اور نہ ہی دنیا کے غم سے غمگین ہو۔

فنائے روح کی علامت یہ ہے کہ تجلی صفاتی کا ظہور ہو یعنی سالک کی صفات معدوم ہو جائیں اور اس کی جگہ صفاتِ حق ظاہر ہو جائیں۔ یعنی انسان کو اس سبق میں تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ تَعَالٰی والا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف ہے: وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِہَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ (بخاری: ۶۵۰۲) بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ

پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

فنائے سر کی علامت یہ ہے کہ سالک کی ذات، حق جلّ وعلا کی ذات میں مستہلک (یعنی فنا) ہوجاتی ہے اپنے آپ سے الگ ہوکر، من وتو سے گزر کر خدا رہ جاتا ہے۔ یعنی سالک فنا تک پہنچتا ہے اور اپنے آپ کو گم پاتا ہے، بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس مقام کو مقامِ مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ جن مشائخ نے غلبہ حال میں کچھ الفاظ کہہ دیے، وہ اس مقام میں ہی کہے۔ جیسے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ۔ تو وہ اس مقام پر پہنچ کر کہہ دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو دیکھ کر نہیں کہا بلکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ تھے، اس لیے ایسی بات کہہ دی۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے اَنَا الْحَقّ کہنے سے مراد یہ نہیں تھا کہ میں خدا ہوں۔ بلکہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نہیں ہوں، صرف اللہ ہی ہے۔ اپنے آپ کو گم پاتے تھے۔ اسی لیے کسی نے پوچھا کہ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمْ کہا تو ہلاک ہوا، اور منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اَنَا الْحَقّ کہا تو وہ اہلِ محبت کے نزدیک کامیاب ہوئے۔ اس کا کیا مطلب؟ دعویٰ تو ایک جیسا ہی ہے۔ تو جواب دیا گیا کہ فرعون نے ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ (سورۂ نازعات: ۲۴) کہا تھا اپنے کو رکھنے کے لیے اور اللہ پاک کو مٹانے کے لیے۔ جبکہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اَنَا الْحَقّ اللہ کو رکھنے کے لیے اور اپنے کو مٹانے کے لیے کہا تھا۔ چونکہ اپنے کو مٹانے کی نیت سے کہا تھا اس لیے اللہ نے ان کو عزتوں سے نوازا، اور فرعون بد بخت کو اللہ تعالیٰ نے عذاب میں ڈالا۔

فنائے خفی کی علامت ظاہر کا مظاہر سے الگ ہونا ہے یعنی حق، باطل سے

ممتاز ہوجاتا ہے اور وحدت کثرت سے ممتاز ہوجاتی ہے۔ فنائے اخفیٰ کی علامت اللہ کے اخلاق کو اختیار کرنا ہے یعنی تمام رذائل اخلاقِ حسنہ میں بدل جاتے ہیں۔

اس مقام پر انسان ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (سورۂ قلم:۴) پر فائز ہوجاتا ہے۔

جو آفاق وانفس میں ظاہر ہوتا ہے، ظلیت کے داغ سے داغدار ہے

جو لطائف عالمِ امر کے ہیں یا عالمِ خلق کے ہیں ان کو آفاق اور انفس کہا گیا ہے۔ مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر دوم مکتوب ۳ میں فرماتے ہیں کہ

''جو کچھ آفاق وانفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے۔''

یہ اللہ کی تجلی نہیں ہے، تجلی سے بھی نیچے کی چیز ہے۔ تجلی تو بہت اونچی چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ مراقبہ احدیت سے پہلے جو سیر ہوتی ہے، وہ اعتبارات میں ہوتی ہے۔ مشاربات میں جو سیر ہوتی ہے، وہ ظل میں سیر ہوتی ہے۔ یہ مشاربات کی سیر سب ظلال میں ہے۔ پھر جب مراقبہ معیت کر کے اوپر جاتے ہیں تو پھر اسماء وصفات میں سیر ہوتی ہے۔ ابھی تو منزل بہت دور ہے۔ جو لطائف کے اسباق والے ہیں، ابھی تو وہ اعتبارات میں ہیں۔ ظلال سے بھی نیچے کا درجہ ہے جس میں وہ پھر رہے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا! کہاں سب سے اوپر تجلی ذات، پھر شیونات، پھر صفات، پھر ان کے اسماء، پھر ان کے افعال، پھر ان کے نیچے یہ اعتبارات۔ ابھی تو ہم اعتبارات میں

سیر کر رہے ہیں۔اسماء وصفات تو اور اونچا مقام ہے۔اسماء وصفات کی سیر تو انبیاء کو حاصل ہوئی اور اس کا نام ولایتِ کبری رکھا گیا۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اس دائرہ ظلال سے گزر جانے کے بعد (یعنی سولہویں سبق کو مکمل کرنے کے بعد) اسماء وصفات وشیون وتنزیہات کا دائرہ ہے کہ اس میں سیر (واقع ہونا) ولایتِ کبریٰ ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی ولایت ہے۔"

اولیاء اللہ کو جو ولایت ملتی ہے، وہ اسماء وصفات کے ظلال میں ملتی ہے۔ابھی تک ہم ولایتِ صغریٰ کی باتیں کر رہے ہیں۔ہر کسی کی پہنچ ولایت کبری تک نہیں ہوتی۔بھئی! کبوتر کتنا اونچا اڑتا ہے۔چند سو میٹر۔اس سے اوپر نہیں جا سکتا۔لیکن جہاز کو دیکھو، ماشاء اللہ! تیس ہزار میٹر۔یعنی زمین سے تیس کلومیٹر اوپر اڑتا ہے۔تو کہاں کبوتر کی پرواز اور کہاں جہاز کی پرواز۔چنانچہ اولیاء اللہ کی پرواز کبوتر کی پرواز کی طرح ہے، اور انبیاء کرام کی پرواز جہاز کی طرح ہوتی ہے۔جہاز کو آپ ہوا میں لے جائیں، یا خلا میں لے جائیں۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو تو اپنے اسماء وصفات کی سیر کروادی مگر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جیتے جاگتے عرش پر بلا کر جنت کی سیر کروادی۔ ولایتِ صغریٰ کا دائرہ ظلال کا دائرہ ہے۔ہمارے بزرگوں نے جس کو ولایتِ کبریٰ کہا، وہ انبیاء کی ولایت ہے اور وہ اسماء وصفات میں ہوتی ہے۔جبکہ اولیائے کرام ظلال کے اندر ہی سیر کرنے والے ہوتے ہیں۔

چنانچہ دفتر دوم مکتوب ۳ میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو کچھ آفاق وانفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اس لئے وہ نفی کے لائق ہے تا کہ اصل ثابت ہو جائے، اور جب معاملہ آفاق وانفس سے گزر جائے، تو ظلیت کی قید سے رہائی ہوگئی، اور فعل وصفت کی تجلی میں آغاز میسر ہوگیا تو معلوم ہوگیا کہ اس سے قبل جو بھی تجلی ظاہر ہوئی تھی وہ سیرِ آفاقی وانفسی میں تھی، اگر چہ اس کو تجلیِ ذات ہی خیال کریں لیکن اس کا تعلق فعل وصفت کے ظلال سے تھا نہ کہ نفسِ فعل و صفت سے، تو پھر ذات تعالیٰ وتقدس تک کس طرح رسائی ممکن ہے، کیونکہ ظلیت کا دائرہ انفس کی نہایت تک منتہی ہو جاتا ہے، لہٰذا جو کچھ آفاق وانفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس دائرے میں داخل ہے۔ فعل وصفت بھی اگر چہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے ظلال ہیں لیکن اصل کے دائرے میں داخل ہیں اور اس مرتبہ کی ولایت اصلی ولایت ہے بخلاف پہلے مرتبے کی ولایت کے کہ جس کا تعلق آفاق وانفس سے ہے کہ وہ ولایتِ ظلی ہے۔''

تو ولایتِ صغریٰ جس کو کہتے ہیں، یہ ظلّی ولایت ہے۔ اصل ولایت تو وہ ہے جو انبیاء کو اللہ نے عطا فرمائی۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہر نبیؑ، نبی بھی ہوتے ہیں اور ہر نبی علیہ السلام ولی بھی ہوتے ہیں۔ ان کے پاس دونوں نعمتیں ہوتی ہیں۔ نبوت وہبی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ملتی ہے جبکہ ولایت کسبی ہوتی ہے، لہٰذا انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں آکر اللہ کی محبت میں محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں، اس پر ان کو ولایت کبریٰ ملتی ہے۔ تو ان کی ولایت بھی اعلیٰ اور نبوت تو اس سے بھی اعلیٰ۔ اس لیے کہا گیا کہ اصل ولایت تو انبیاء کی ہے۔ ولایتِ صغریٰ تو ظل کے داغ سے داغدار

ہے۔فرماتے ہیں کہ:

دائرہ ظل کے منتہی حضرات کو تجلی برقی جو مرتبۂ اصل ہے پیدا ہوتی ہے حاصل ہے جو ایک ساعت کے لئے آفاق و انفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے۔ سبحان اللہ!

آگے فرماتے ہیں کہ جن اولیاء پر اللہ کا بہت کرم ہو جائے اور ان کی فنا کامل ہو جائے، ان کو تھوڑی دیر کے لیے تجلیِ ذات ملتی ہے، مگر وہ تجلیِ ذاتی برقی ہوتی ہے۔ برق کہتے ہیں کہ جیسے بادل گرجتا ہے، تو بجلی تھوڑی دیر کے لئے چمکتی ہے، پھر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس سالک کو تھوڑی دیر کے لئے ذات کا دیدار ہوتا ہے، پھر اس کے بعد پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ تجلیِ ذاتی برقی ہوتی ہے۔ لیکن جو انبیاء کی ولایت ہے، وہ چونکہ اسماء وصفات کے اندر سیر ہوتی ہے، ظل میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کو تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

وہ جماعت جو آفاق و انفس کے دائرے سے گزر چکی اور ظل سے اصل کے ساتھ پیوست ہو گئی ہے ان کے حق میں یہ تجلی برقی دائمی ہے کیونکہ ان بزرگوں کا مسکن و ماویٰ دائرہ اصل ہے کہ جہاں سے تجلی برقی پیدا ہوتی ہے بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تو تجلیات وظہورات سے بھی بالاتر ہے، کیونکہ ہر تجلی اور ظہور خواہ وہ کسی مرتبہ سے متعلق ہو ظلیت کے شائبہ سے باہر نہیں ہے۔ انبیاء کی شان کا کیا کہنا! سبحان اللہ!

تجلی افعال اور تجلیِ صفات کیا ہیں؟

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۷۵ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یہ واضح کرتے ہیں کہ تجلیِ افعال اور تجلی صفات کیا ہیں۔ فرماتے ہیں:

تجلیِ افعال سے مراد حق سبحانہ کے فعل کا ظہور سالک پر اس طرح ہو کہ بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں۔ (اس کو تجلیِ افعال کہتے ہیں۔) اور (بندہ) اس فعل کو ان افعال کی اصل جانے اور ان افعال کے قیام کو اس فعلِ واحد سے سمجھے۔ اللہ کی وجہ سے یہ افعال قائم ہیں۔ اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے کلّی طور پر پوشیدہ ہو کر اپنی اصل سے ملحق ہو جائیں اور ان افعال کا فاعل جمادات (بے جان) کی طرح اپنے آپ کو بے حس وحرکت معلوم کرے۔

یعنی بندہ یوں محسوس کرے کہ میں تو بالکل جمادات کی طرح ہوں اور مردہ بدست زندہ، زندہ جیسے چاہتا ہے مردے کو پھیرتا ہے، ایسے ہی میں اللہ کے اختیار میں ہوں، وہ جیسے چاہتا ہے مجھ سے کام لے لیتا ہے۔ بندہ اپنے آپ کو اس تجلی کے وقت میں ایسا محسوس کرتا ہے۔ جیسے کہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں، جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے۔ جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا۔ فرماتے ہیں:

”تجلیِ صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ سبحانہ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو کہ بندوں کی صفات کو واجب جل سلطانہ کی صفات کا ظلال جانے اور ان کے قیام کو ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے۔“

تحفہ ابراہیمیہ مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۹ میں فرمایا گیا کہ

تجلیات کی بھی قسمیں ہیں۔تجلی فعلی وہ ہے کہ سالک خداوند تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی جانے نہ کہ بندوں کو۔تجلیِ صفاتِ ثبوتیہ وہ ہے کہ سالک اپنے آپ اور ماسوا کو صفات سے خالی سمجھے اور سب صفات حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرے اور تجلیِ شیونات یہ ہے کہ سالک کا نام ونشان نہ رہے اور اس سے انانیت زائل ہو جائے۔تجلیِ سلبیہ وہ ہے کہ سالک حق تعالیٰ کو منزہ اور مقدس جانے اور اپنے آپ اور جمیع مخلوق کو لا شئے اور معدوم محض خیال کرے اور تجلی شان جامع میں یہ تمام تجلیات شامل ہیں۔

ذات،شیونات اور صفات میں کیا تعلق ہے؟

معارف لدنیہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

شیونات الٰہی حق تعالیٰ کی ذات کی فرع ہیں۔اور صفات شیونات کی فرع اور اسماء مثل خالق اور رازق وغیرہ صفات کی فرع اور افعال اسماء کی فرع ہیں۔اور تمام موجودات افعال کے نتیجے اور ان کی فروع ہیں۔

یعنی ذات کی فرع شیونات ہیں، پھر شیونات کی فرع صفات، پھر صفات کی فرع اسماء، پھر اسماء کی فرع افعال اور ان افعال کے نتیجے میں آگے پھر موجودات کے احوال آتے ہیں،تو اس طرح یہ ترتیب ہے۔

مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۲۸۷ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بعض کو(فیض) صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے توسط سے

پہنچتا ہے۔ (یعنی بعض لوگوں کو صفات کے ذریعے سے اللہ کا قرب ملتا ہے اور بعض لوگوں کو شیونات کے ذریعے سے ملتا ہے۔ صاف ظاہر ہے جو لطیفہ سر والے ہونگے ان کو شیونات سے ملے گا۔ جو ابراہیمی المشرب ہونگے ان کو صفات سے ملے گا۔) اور صفات و شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا۔ یہ بات حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ، جو معارف اللہ رب العزت نے ان پر کھولے ہیں، سبحان اللہ، فرماتے ہیں، مختصر یہ کہ ''صفات'' ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اور ''شیونات'' عز سلطانہ کی ذات میں صرف اعتبارات کے درجے میں ہیں۔

مقاماتِ عشرہ سلوک اور مختلف تجلیات کا ربط

مبداء ومعاد میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ سلوک کی منزلیں قطع کرنے سے مراد دس مقامات کو طے کرنا ہوتا ہے۔ اور ان دس مقامات کو طے کرنا، ان تین تجلیات پر موقوف ہے۔ تجلیٔ افعال، تجلیٔ صفات، تجلیٔ ذات۔ اور مقامِ رضا کے علاوہ یہ سب مقامات تجلیٔ افعال اور تجلیٔ صفات سے وابستہ ہیں۔ صرف مقام رضا تجلیٔ ذات حق تعالیٰ و تقدّس اور محبتِ ذاتیہ سے وابستہ ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محبوب کی طرف سے تکلیف پہنچے یا انعام حاصل ہو، محب کے حق میں یہ دونوں صورتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد لامحالہ رضا حاصل ہو

جاتی ہے۔ اور ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان تمام مقامات میں کمال کی حد تک پہنچ جانا تجلیٔ ذات کے حصول کے وقت ہی ممکن ہے کیونکہ مکمل ترین فنا اسی تجلی کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن باقی نو مقامات کا صرف حصول تجلیٔ افعال اور تجلیٔ صفات ہی میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب اپنے اوپر اور تمام اشیاء پر حق تعالیٰ سبحانہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو بے اختیار توبہ اور انابت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ڈرتا اور خوف کھاتا رہتا ہے اور تقویٰ (ورع) کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ اور خدائی تقدیرات پر صبر اختیار کرتا ہے اور بے صبر اور ناطاقتی سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ اور چونکہ نعمتوں کا مالک اسی کو سمجھتا ہے اور عطا کرنا اور روک لینا سب کچھ خدا ہی سے سمجھتا ہے لامحالہ مقامِ شکر میں داخل ہو جاتا ہے اور توکل میں راسخ قدم بن جاتا ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کی نرمی اور مہربانی کی تجلی وارد ہوتی ہے تو امید (رجا) کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے اور جب خدائے تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ پست و ذلیل دنیا اس کی نگاہ میں خوار و بے اعتبار نظر آتی ہے تو چاروناچار دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے فقر اختیار کر لیتا ہے اور زھد کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ان مقامات کا تفصیل و ترتیب کے ساتھ حصول سالک مجذوب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مجذوب سالک ان مقامات کو اجمالی طریقہ پر طے کرتا ہے۔ کیونکہ عنایت ازلی نے اسے ایسی محبت میں گرفتار کر لیا ہے کہ ان مقامات کی تفصیل کی طرف مشغول ہونا اس کے بس میں نہیں رہتا۔ محبت کے زیرِ سایہ ان مقامات کا لبِّ لباب اور ان منازل کا خلاصہ مکمل ترین طریقہ پر اسے

حاصل ہو جاتا ہے جو کہ صاحب تفصیل کو بھی میسر نہیں ہوتا۔

ہدایۃ الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

توجہ کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس طریق میں جذبہ کو سلوک پر مقدم کرنے کی وجہ سے راستہ میں ایک طرح کی سہولت پیدا ہوگئی ہے، کیونکہ چلنے میں اور لیجانے میں بہت ہی بڑا فرق ہے، اور تمام سلوک کا خلاصہ کہ جس سے مراد دس مشہور مقامات کو طے کرنا ہے یعنی توبہ، انابت، زہد، ریاضت، ورع، قناعت، توکل، تسلیم، صبر اور رضا، یہ سب اسی کے ضمن میں طے ہوتے ہیں۔

سالک مجذوب اور مجذوب سالک

دنیا کا ہر انسان یا تو سالک مجذوب ہے یا مجذوب سالک۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے ذہنوں میں مجذوب ایسا بندہ ہوتا ہے جس کے کپڑے اترے ہوئے ہوں، مٹی لگی ہوئی ہو، ننگا پھر رہا ہو۔ اس کو مجذوب نہیں کہتے۔ تصوف کی اصطلاح میں مجذوب جذبہ رکھنے والے کو کہتے ہیں، سالک کہتے ہیں راستے پر چلنے والے کو۔ چنانچہ جو لوگ سالک مجذوب ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں اپنے ارادے سے، اپنی محنت سے، مجاہدے سے سلوک کے اوپر چلتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا مجاہدہ، روتا دھونا اللہ کو پسند آتا ہے، پھر اللہ کی رحمت ان کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔ تو پھر وہ مجذوب بن جاتے ہیں۔ ان کو اب جذبہ مل جاتا ہے۔ اب وہ جذبے کے پروں سے پرواز کرتے ہیں۔ یعنی اب تک تو وہ اپنی مرضی سے چل رہے تھے، اب مالک نے چاہا کہ قریب آ ہی جائیں جب اتنی محنت کر رہے ہیں۔ تو یہ شخص سالک مجذوب

ہے۔ ابتداء اپنی محنت سے ہوئی مگر انتہا میں ان کو رحمت الٰہی نے سہارا دے دیا۔ اور وہ مقامات بھی طے کروادیے جو وہ اپنی محنت سے نہیں کر سکتا تھا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر پہلے پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر، ہم بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتے ہیں۔ شرابی تھے، مگر رحمت کی نظر پڑ گئی تو دنیا بدل گئی۔ اب وہ مجذوب پہلے تھے رحمت کی نظر نے ان کو کھینچا۔ محنت ان کی نہیں تھی، عنایتِ الٰہی متوجہ ہوئی۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ عنایتِ الٰہی متوجہ ہوئی۔ تو ایسے حضرات پہلے مجذوب ہوتے ہیں لیکن جب ان کو جذبہ ملتا ہے تو پھر ان کی زندگی نیکی، شریعت پر آجاتی ہے، پھر بعد میں ان کو چکی پیسنی پڑتی ہے۔ بعد میں سالک بنتے ہیں۔ ایسے حضرات کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔

تو سالکین دو طرح کے ہیں، یا تو سالک مجذوب ہوتے ہیں یا مجذوب سالک ہوتے ہیں۔ راہ سلوک میں کہیں نہ کہیں تو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اس کے بغیر راستہ طے نہیں ہوتا۔ اکثر و بیشتر جو مجذوب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جذبے سے اٹھا کر منزل پہ پہنچا دیتے ہیں مگر پھر ان حضرات سے دعوت و تبلیغ کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ ان کو مقامِ فردیت دے کر اپنی عبادت کے لئے مخصوص کر لیتے ہیں۔ چونکہ ان کو کھینچا تھا، ان کے لیے سارے مقاماتِ عشرہ طے کرنے ضروری نہیں ہوتے، کہ توبہ، انابت، زہد اور ریاضت وغیرہ تمام مقامات سے گزریں۔ ضروری نہیں کہ ان کو سب مقامات کی سیر ہو۔ بس اخیر میں ان کو ایسا مصروف کر دیتے ہیں کہ وہ نماز، روزہ، عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن جن کو اللہ نے واپس لوٹانا ہوتا ہے، اور مخلوق میں ہدایت کا کام لینا ہوتا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پہلے سالک ہوتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو مجذوب بناتے ہیں۔ تو پھر ان کو سب درجوں سے گزارتے ہیں، مقاماتِ عشرہ میں

سے گزارتے ہیں۔ ان کو توبہ بھی کرنی پڑتی ہے، پھر انابت بھی، پھر زہد بھی، ریاضت بھی، صبر بھی، شکر بھی۔ یہ سب چیزیں اپنے اندر پیدا کرتے کرتے اللہ کی رضا آجاتی ہے، تو اس موقع پر رحمت متوجہ ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ اپنی محبت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ اور پھر ان کو دوبارہ واپس لوٹا کے، اس دنیا میں مخلوق کی تربیت کے لئے، مخلوق کی ہدایت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بن کر زندگی گزارنے کے لئے ان کو روحانی طور پر لوٹا دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن میں مقاماتِ عشرہ کی صفات ہوتی ہیں، اور ان صفات کے ذریعے وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر دنیا میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

لطائف انبیاء کرام کے زیر قدم ہیں

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات (منگل، ۳ جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ) میں لکھا ہے کہ

قلب حضرت آدم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس ولایت کی سیر میں تجلیِ افعال منکشف ہوتی ہے اور روح حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ کی تجلی منکشف ہوتی ہے اور لطیفہ سر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں شیوناتِ ذاتیہ الٰہیہ کی تجلی منکشف ہوتی ہے اور لطیفہ خفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی تجلی منکشف ہوتی ہے اور لطیفہ اخفیٰ حضرت خاتم الرسل سیدنا محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں اللہ تعالیٰ کی شانِ جامع کی

تجلی منکشف ہوتی ہے۔

کسی نبی علیہ السلام کے زیرِ قدم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جب کہتے ہیں کہ فلاں موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے۔ تو حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب ۱ے میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کے قدم کے نیچے رہنا اس معنی سے ہے کہ صفاتِ حقیقی میں سے ہر صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پروردہ ہے اور اس صفت کی بہت سی جزئیات ہیں، جن میں سے اس کا ایک جزء سالک کی تربیت کرنے والا ہے۔ ہر لطیفہ کی کیفیات وحالات ان نبیؑ کے حالات کے مشابہ ہوتے ہیں۔

تو جو زیرِ قدم ہوتا ہے اس کے ظاہری حالات بھی اور طبیعت بھی اسی نبی علیہ السلام کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت

چنانچہ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی زندگی کو دیکھا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بہت مشابہت ہے، سبحان اللہ! حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں بچپن سے ہی گھر سے نکلا، سفر ہی سفر رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بچپن سے ہی گھر سے نکلے۔ دودھ پیتے بچے تھے کہ ماں نے ان کو ڈبے میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا اور سفر شروع ہو گیا۔ ساری عمر ان کا سفر ہی رہا۔ پھر دیکھئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے قوی بنایا تھا۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت قوی تھے۔ سبحان اللہ، اللہ اکبر! حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر کوئی انوکھی طاقت تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت

مولانا عبدالرحمن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر کو ایک واقعہ سنایا۔ وہ قاسمی اس لیے کہلاتے تھے کیونکہ ان کو حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت تھی۔ اس محبت کی وجہ سے انہوں نے اپنا تخلص قاسمی رکھا تھا اور وہ مولانا عبدالرحمن قاسمی کہلاتے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں کالج میں طالب علم تھا۔ اس زمانے میں جوانی تھی، ہمت تھی اور طاقت تھی۔ اور مجھے فٹبال کھیلنے کا شوق تھا۔ ایک دن میں بوٹ پہن کر، عصر کے بعد کالج میں فٹبال کھیلنے جا رہا تھا۔ تو ابا جی نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا کہ قاسمی ادھر آؤ۔ میں آیا تو اور فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: ابا جی! میں کالج جا رہا ہوں، فٹ بال کھیلنے کے لیے۔ پوچھا کیوں کھیلو گے؟ کہا: اس سے طاقت آتی ہے، صحت بنتی ہے۔ تو فرمانے لگے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا بازو پھیلا دیا اور فرمانے لگے: قاسمی! ادھر آکر میرے بازو پہ کھڑے ہو جاؤ، اگر تمہارے کھڑے ہونے سے بازو نیچے ہو گیا تو نام بدل کر رکھ دینا۔ اب بتائیں کہ جو بچہ بارہویں کا طالب علم ہو، تو ماشاءاللہ، وہ اٹھارہ بیس سال کا تو ہوتا ہے۔ مولانا قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ واقعی اگر میں کھڑا بھی ہو جاتا، تو ابو جی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت دی تھی کہ وہ بازو نیچے نہیں ہو سکتا تھا۔ سبحان اللہ!

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ اور پادری کا قصہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک علاقہ میں ایک پادری تھا جو کہ وہاں کے سادہ مسلمانوں کے ذہن میں شکوک وشبہات ڈالتا تھا۔ وہ قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر ترجمہ دکھا دیتا تھا۔ وہ پادری اسکول کا ہیڈ ماسٹر بھی تھا۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا تو فرماتے ہیں کہ میں قرآن پاک لے کر گیا کہ میں اس سے مناظرہ کرتا ہوں۔ پادری پہلوان بھی تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑا ہوا اور مصافحے

کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر ہلانا چاہا تو میں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا اور وہ ہلا نہ سکا۔ میرا ہاتھ جہاں تھا وہاں ہی رہا۔ ہاتھ چھڑا کر وہ بیٹھ گیا۔ کہنے لگا کہ آپ کتاب رکھ دیں اور مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے یہ طاقت کیسے حاصل کی ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ پہلے تم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم یہاں کے سادہ مسلمانوں کو نہیں بہکاؤ گے، تب میں تمہیں بتاؤں گا۔ وہ کہنے لگا کہ ٹھیک ہے، میں وعدہ کرتا ہوں، لیکن مجھے ضرور بتایئے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کوئی خاص غذا استعمال نہیں کرتا، بس میں نے اپنی پوری زندگی لوہے کا لنگوٹ باندھا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ فرمائے۔

لوہے کے لنگوٹ سے مراد ہوتا ہے کہ انسان جنسی گناہ نہ کرے۔ یہ جو ابتدائی جوانی سے بری عادتیں پڑ جاتی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایسے نوجوان کچے گھڑے ہوتے ہیں۔ کچے گھڑے میں پانی ڈالو تو ان کے نیچے سے پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ نوجوان کچے گھڑے ہیں۔ ان سے پانی ٹپکتا رہتا ہے، ان کے اندر طاقت کیا ہوگی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو جواب میں یہ کہا کہ میں کوئی خاص غذا نہیں کھاتا لیکن میں نے اپنی زندگی لوہے کا لنگوٹ باندھا ہے۔ وہ پادری بڑا حیران ہوگیا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے تو پہلوان بننے کا بڑا شوق ہے۔ کبھی پہاڑ پر چڑھتا ہوں، کبھی دوڑ لگاتا ہوں، گھی، فلاں مکھن کھاتا ہوں اور ورزش کرتا ہوں۔ پھر کہیں جا کر میں نے صحت بنائی ہے، لیکن آپ کے مقابلے میں میری صحت تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی صحت کے شوق کی وجہ سے میں نے شادی بھی نہیں کی کہ میں طاقتور پہلوان بننا چاہتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اچھا، تم نے صحت کے شوق میں

شادی بھی نہیں کی، اور میری اب تیسری شادی ہے! اللہ اکبر!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی ہوئی تھی، پھر دوسری شادی ہوگئی، بیوی فوت ہوگئیں۔ اللہ کی شان کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری شادی بڑھاپے میں ہوئی۔ پہلے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمن قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے والد کے جسم پر کبھی کالا بال نہیں دیکھا۔ جب تیسری شادی ہوئی تو تمام بال سفید تھے۔ اللہ اکبر!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ سنایا کہ میں حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سوات گیا ہوا تھا، حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ آئے جو قندھار کے رہنے والے تھے۔ مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ جا کر مراقبہ کرلو۔ میں نے جا کر ان بزرگ کے ساتھ مراقبہ کرلیا۔ تو وہ مراقبے کے بعد مجھے کہنے لگے کہ تمہاری پہلی بیوی ہوگی تو یہ ہوجائے گا، دوسری بیوی ہوگی تو وہ ہوجائے گا، پھر دو رشتے آئینگے، تو تم وہ رشتہ پسند کرنا جو ماموں کی بیٹی ہوگی۔ اس رشتے سے تمہیں اللہ تعالیٰ اولاد دیں گے۔ اولاد میں سے ایک کا نام عبدالرحمن رکھنا اور دوسرے کا نام عبدالرحیم رکھنا اور اللہ تعالیٰ بچوں کے ہاتھ سے دین کو آگے پھیلائے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں ان کی باتیں سن کر حیران ہوگیا، کیونکہ اس وقت میری پہلی شادی ہوئی تھی اور دوسری کا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں حیران تھا کہ پتہ نہیں یہ بڑے میاں کیا باتیں کر رہے ہیں؟ جب واپس آیا تو آتے ہی حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا کہ خلیفہ صاحب نے کوئی بات تو نہیں کی؟ میں نے کہا کہ حضرت! انہوں نے تو عجیب و غریب باتیں کی ہیں۔ فرمایا کہ ان کا کشف بڑا ٹھیک ہوتا ہے، ایسے ہی ہوجائے گا۔ میں نے کہا: حضرت! پھر میرا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ پہلی شادی کا موقع ہے، تو تیسری شادی کی اولاد کے نام بتا رہے ہیں۔ اللہ اکبر! کیا کشف تھا! پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگی کے حالات ایسے ہوئے کہ اللہ نے ان کو اولاد دیں، اور انہیں ناموں پر اولاد کے نام رکھے گئے۔

آمدم برسر مطلب۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ میری تو تیسری شادی ہے۔ پادری کہنے لگا کہ پھر آخر کیا وجہ ہے؟ کچھ تو مجھے سمجھاؤ کہ آپ کے اندر اتنی طاقت کیوں ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اس سے کہا کہ اب میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں کہ اللہ نے مجھے دو صفتیں دی ہیں، ایک تو یہ کہ میں نے لوہے کا لنگوٹ باندھا ہے، اور دوسرا یہ کہ میری تہجد کبھی قضاء نہیں ہوئی۔ یہ بات سنا کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ جو نوجوان ان دو صفتوں کو اپنا لے، اللہ رب العزت اس کو ایسے صحت والی زندگی عطا فرمادیں گے۔ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے بہت قوت دی تھی۔ ہم لوگ تو ان کے سامنے بالکل چوزے کی طرح تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگر کبھی کندھے کا سہارا لیتے تھے تو ہم دبے جاتے تھے۔

نسبتِ اتحادی سے مشرب بدل سکتا ہے

اللہ رب العزت نے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اونچا قد دیا تھا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا چہرا...... سفید رنگ، گورا، بالکل دودھ سفید رنگ تھا۔ پھر اس کے علاوہ بڑھاپے میں بھی سرخی کی طرف مائل تھا۔ مسجد میں باوضو ہو کر یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے کتنی بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ دیکھا اور اپنے دل میں کہا: ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ (سورۂ یوسف: ۳۱)، کتنی بار میں نے اپنے دل میں یہ آیت پڑھی۔ ایسا منور چہرہ تھا، پھر عمامہ باندھتے تھے، سفید ریش تھے، ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ عصا تو میرا جزوِ بدن ہے۔ کبھی بھی عصا نہیں چھوڑتے تھے، ہر وقت ساتھ ہوتا تھا۔ آپ بتائیں کہ لمبا جبّہ بھی ہو، عصا بھی ہو، عمامہ بھی ہو، خوبصورت بھی ہو، طاقتور بھی ہو

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شبیہ نظر آیا کرتی تھی۔ اور پھر مزید برآں کلامِ الٰہی سے ایسی مناسبت کہ ہر بات میں کلام اللہ سے دلیل دینا۔ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایسی موسوی زندگی دی تھی جبکہ حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے محمدی المشرب بنایا تھا۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نسبتِ اتحادی کا درجہ ہو گیا تھا۔ اتنی محبت تھی، پیر مرید کی محبت تو مثال تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت ملنے کے بعد چالیس سال سے بھی زیادہ اپنے شیخ کی خدمت کا موقع ملا۔ آپ سوچیں کہ کیا پائیدار محبتیں ہونگیں! ایسا عشق! چنانچہ اس نسبتِ اتحادی کی وجہ سے پھر اللہ رب العزت نے شیخ کی پوری نسبت عطا کر دی اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے محمدی المشرب بنایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے تھے کہ ان میں جلال اپنی جگہ تھا اور جمال اپنی جگہ تھا، سبحان اللہ! جلال اور جمال کو اگر کوئی اکٹھا دیکھنا چاہتا تھا تو ہمارے حضرت کو دیکھ لیتا۔ سبحان اللہ! اللہ پاک نے ان کو کیا مرج البحرین بنایا تھا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ یہ مشرب تو ہر ایک کا قدرت کی طرف سے ہے کہ کسی کا مشرب محمدی ہے، کسی کا مشرب موسوی ہے، کسی کا عیسوی ہے۔ جو بھی ہو، اس پر خوش ہونا چاہیے۔ لیکن ایک صورت ممکن ہے کہ سالک کا مشرب بدلے۔ وہ تب ہے جب شیخ محمدی المشرب ہو اور سالک کو اپنے شیخ کے ساتھ اتنی نسبتِ کاملہ ہو کہ نسبتِ اتحادی کا درجہ ہو۔ پھر سالک کا جو بھی مشرب ہو گا، وہ عالی ہو کر بالآخر محمدی المشرب ہو جائے گا۔

کون سا لطیفہ سب سے اعلیٰ ہے؟

مکتوبات معصومیہ کے دفتر سوم مکتوب ۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ

اخفیٰ لطائف عالم امر میں سب سے اعلیٰ اور ان سب سے اوپر ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ

یہ لطیفہ ان تمام لطائف سے اوپر جاتا ہے کیونکہ اس کی اصل مراتبِ وجوب میں لطائفِ عالم امر کے اصول کے اوپر ہے، سبز کے ساتھ (اس کی تعبیر) اسلئے ہے کہ حضراتِ صوفیہ نے اخفیٰ کا نور سبز قرار دیا ہے جو کہ بہترین رنگ ہے۔

پھر اخیر پر حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بلا شبہ ہم نے بعض ایسے سالکین میں جن کی ولایت غیر ولایتِ اخفیٰ ہو (جیسے کوئی موسوی المشرب تھے یا ابراہیمی المشرب تھے) مشاہدہ کیا ہے کہ ان کو ایسے شیخ کی صحبت میں جو کمالاتِ اخفیٰ سے متحقق ہو اور ولایتِ محمدیہ تک جو کہ ولایتِ اخفیٰ ہے واصل ہو کمالاتِ اخفیٰ حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ شیخ کی صحبت کے جاذبہ سے اس ولایت کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے اور اپنے شیخ کی برکت سے اپنی استعداد سے اوپر عروج کرتا ہے۔

شان جامع کا کیا مطلب ہے؟

مکتوبات مجددیہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۲۸۷ میں فرماتے ہیں:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور وہ اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو آپ کے مبارک نقشِ قدم پر ہیں ان کو فیضِ ثانی کا

وصول شیونات کے توسط سے ہے اور باقی تمام انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و برکاتہ علی نبینا وعلیہم وعلی جمیع اتباعہم اور وہ جماعت جو ان کے نقشِ قدم پر ہے ان کے لئے اس فیض کا حاصل کرنا بلکہ فیضِ اول کا ان کو پہنچنا بھی صفات کے توسط سے ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس امت کے جو اولیاء ہیں، ان کو ذات وشیونات سے فیض ملتا ہے۔ اور جو پہلی امت کے انبیاء اور متبعین تھے، ان کو صفات سے فیض ملا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو مربی اسم ہے وہ اَلْعَلِیْم ہے۔ تو اَلْعَلِیْم کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو ﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (سورہ نساء: ۱۱۳) کا مقام عطا کیا گیا کہ اللہ نے وہ کچھ دیا جو پہلے نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ اَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى﴾ (سورہ نجم: ۱۵)۔ نبی علیہ السلام کے علم کا ہم لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ سبحان اللہ! جن کا مربی اسم اَلْعَلِیْم ہو، ان کے علم کی کیا شان ہے! فرماتے ہیں:

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ وہ اسم جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور فیضِ دوم کے وصول کا واسطہ ہے، وہ شان العلم کا ظل ہے اور یہ شان تمام اجمالی وتفصیلی شیون کی جامع ہے اور وہ ظل شانِ علم کے لیے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت بلکہ تمام اجمالی وتفصیلی شیون کی قابلیت کے لیے ہے لیکن شانِ علم کے شمول کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

پھر مکتوبات مجددیہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں:

جس طرح صاحبِ اخفیٰ کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر

ہوگی اگر چہ علو وسفل (بلندی وپستی) کے اعتبار سے فرق باقی رہے گا اور صاحبِ قلب صاحبِ اخفیٰ کی برابری نہ کر سکے گا۔

چونکہ جس کا مشرب موسوی ہے یا ابراہیمی ہے، وہ محمدی المشرب کی برابری تو نہیں کرسکتا، آخر فرق تو رہے گا۔ تاہم نسبت اتحادی کی وجہ سے مشرب محمدی غالب آجائے گا۔

لطائف کی پرواز میں توجہ شیخ اور صحبت شیخ کا اثر

لطائف کی پرواز میں بعض چیزوں کا اثر ہوتا ہے، ایک تو سالک کا اپنا تقویٰ اور ذکر جتنا زیادہ ہوگا، لطیفہ اتنی زیادہ پرواز کرے گا۔ ہدایۃ الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لطائف کی پرواز شیخ کی صحبت اور توجہات کی کمی بیشی پر بھی منحصر ہے۔ اگر رابطہ بہتر ہوگا، توجہ ہوگی، محبت ہوگی اور شیخ کی توجہات زیادہ ہونگی، تو ترقی زیادہ ہوسکتی ہے۔ اگر انسان رابطے میں کمی رکھے، محبت میں کمی رکھے یا اپنے حالات ہی نہ بتائے، تو شیخ کی توجہات کیسے پائے گا؟ تو اس سے پھر ان کی توجہات میں کمی آتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں خود بھی محنت کرنی چاہیے اور شیخ سے توجہات لینے کے لیے شیخ کے بتائے ہوئے معمولات پر خوب عمل بھی کرنا چاہئے، تاکہ ہم شیخ کی نظر میں آجائیں، شیخ کی پسند کی نظر پڑنے لگ جائے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

> شیخ کی صحبت کی برکت سے طالب کے لطائف کو جذبات قویہ حاصل ہونے لگتے ہیں لیکن سیر میں تیزی یا دھیما پن جیسا کہ میں سمجھا ہوں شیخ کی توجہات کی کثرت یا کمی پر موقوف ہے۔ اگر شیخ کی توجہات طالب کے حق میں زیادہ ہوں تو طالب کی سیر میں تیزی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اگر توجہات کم

ہوں تو سیر بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ طالبوں کی استعداد و لیاقت بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بہت استعداد رکھتے ہیں کہ ذراسی توجہ سے آگ کی لپٹ کی طرح بلند ہو جاتے ہیں (اور اسقدر تیزی کے ساتھ اڑتے ہیں) کہ ان کی سیر کی تیز رفتاری میں ہر ایک شخص کی نظر کام نہیں کر سکتی۔ اور بعض لوگ اپنی استعداد میں سست ہوتے ہیں مگر گرتے پڑتے منزل مقصود تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ غرض کہ اس طریقہ (نقشبندیہ) میں خصوصیت کے ساتھ طالب حق کو شیخ کی صحبت بہت ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس راہ میں کوشش کا پاؤں لنگ ہو جاتا ہے اور اپنی ریاضت یا مجاھدہ کام نہیں آتا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے ایک آدمی چل رہا ہے اور پیچھے سے تیز آندھی بھی اسی سمت میں چل رہی ہے۔ تو آپ دیکھیں گے کہ وہ بس ایسے چلتا ہے جیسے اڑتا ہوا جا رہا ہو۔ اسی طرح اپنی محنت بھی ہوتی ہے۔ مگر شیخ کی خدمت پیچھے سے آنے والی ہوا کی طرح ہوتی ہے۔ پھر وہ سالک کو بہت تیز لے کر آگے جاتی ہے۔ آج کے زمانے میں اگر اس کی مثال سمجھنی ہو تو ائیر پورٹ پر کنویر (conveyer) لگے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر کھڑے ہو جاؤ تو پھر وہ چلتے ہیں، اور اگر خود بھی چلنے لگ جاؤ تو دگنا تیز سفر طے ہوتا ہے۔ آپ یوں سمجھیں کہ سالک خود بھی چل رہا ہوتا ہے، اور شیخ کی روحانیت بھی اس کے لیے کنویر کا کام کر رہی ہوتی ہے۔

شیخ کی توجہ کے ساتھ سالک کو بھی متوجہ رہنا چاہیے

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

راقم الحروف (مصنف رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ شروع میں میں نے اپنی مناسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے معلوم کر کے اپنے تعین کا مبدأ ''المحی'' معلوم کیا تھا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد اپنے حضرت پیرو دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ میں اپنی مناسبت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پاتا ہوں، اب حضور توجہ فرمائیں کہ ولایت عیسوی سے منتقل ہو کر ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فائز المرام ہو جاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم توجہ کرینگے تم بھی متوجہ ہو جاؤ۔ امیدوار ہوں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے ضرور ترقی ہوئی ہوگی۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی صدی کا مجدد مانا جاتا ہے اور ان کا حلقہ ذکر حرمین شریفین، بغداد اور شام تک پھیلا ہوا تھا۔ دہلی میں ان کی خانقاہ میں دور دور سے سالکین آتے تھے، کوئی عربی، کوئی عجمی، کوئی چین سے تو کوئی حبشہ اور روم سے! اور ان کی کتنی قوی توجہ تھی، اللہ اکبر کبیرا! لیکن اپنے مرید حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں کہ ہم توجہ کرینگے تو بھی متوجہ رہ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محنت مرید کی طرف سے بھی ہونی چاہیے۔

مراقبہ معیت: مقامِ احسان

لطیفہ اخفیٰ کا ذکر کرنے تک پندرہ اسباق ہوتے ہیں۔ سولہویں سبق کو مراقبہ معیت کہتے ہیں۔ جیسے ابتدائی لطائف کا مراقبہ کرنے کے بعد مراقبہ احدیت کا سبق تھا، یہاں دوبارہ لطائف پر مراقبات کرنے کے بعد مراقبہ معیت ہے۔ مگر فرق یہ ہے

کہ پہلے سات اسباق میں اعتبارات کی سیر تھی، پھر مشاربات میں ظلال کی سیر تھی۔ اور اب مراقبہ معیت کے بعد اسماء وصفات میں سیر ہوتی ہے۔ انسان کو معیتِ الٰہی کا استحضار حاصل ہوتا ہے۔ جیسے علم تو سب کو حاصل ہے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (سورہ حدید:۴) وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ لیکن اس کا استحضار ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ سولہویں سبق کی یہ خوبی ہے کہ اس سبق پر پہنچ کر سالک کو اللہ تعالیٰ کی معیت کا ہر وقت استحضار رہتا ہے۔ اور اس استحضار کا دوسرا نام احسان ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

﴿أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ﴾

(بخاری، ۱/۲)

اس مقام پر سالک کی ہر وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔ اس لئے عمومی طور پر مقامِ احسان کی کیفیت سالک کو مراقبہ معیت پہ حاصل ہوجاتی ہے۔ اسی لیے ہمارے مشائخ سولہویں سبق پر سالک کو ولایت کی استعداد دیکھتے ہوئے، اجازت وخلافت کی خوشخبری دے دیتے تھے یعنی اس کے ذمے دوسروں کو سلوک سکھانے کا کام لگا دیتے تھے۔ ویسے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض بزرگوں نے تو لطیفہ قلب پر بھی خلافت دی ہے۔ مگر وہ بہت کاملین تھے۔ ان کو کشف تھا کہ اس بندے کو اللہ کی رحمت کھینچے گی اور بالآخر اس کا انجام اچھا ہوگا۔ اور دین کے لیے یہ قبول ہوگا۔ مگر آج کے دور میں سالک کو سولہویں سبق تک پہنچنے کے بعد جب شیخ کی نظر میں اس کے اندر یہ تمام صفات ثابت ہوجائیں، تو اس کو کام کی اجازت دینی چاہیے۔

نسبت کی تمنّا کریں، خلافت کی نہیں

ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ نسبت ملنا الگ چیز ہے، خلافت ملنا الگ چیز ہے، یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ چنانچہ بہت سارے سالکین نسبت کا نور پا لیتے ہیں مگر ان کو خلافت نہیں دی جاتی، چونکہ ان کے اندر خلافت کی اہلیت نہیں ہوتی۔ یہ خلافت سلسلے کی اشاعت کا کام ہے۔اس میں سالک کے اندر اس منصب کے مناسب صفات ہونی چاہئیں، لیکن جو نسبت کا حصول ہے، وہ تو جس کے اندر عبدیت آ گئی، عاجزی آ گئی، اپنے نفس کو جس نے مٹا دیا، اس کو نسبت کا نور تو اللہ تعالیٰ دے ہی دیتے ہیں۔ پس نسبت کا نور ملنا الگ چیز ہے، اس کے بعد اجازت وخلافت کا ملنا الگ چیز ہے۔

جو سالک خلافت حاصل کرنے کی نیت کرے گا، تو یہ شرک ہوگا۔ خلافت کی نیت کرنا تصوف کے میدان میں شرک کہلاتا ہے۔ ایسا بندہ واصل نہیں ہوتا۔ نیت نسبت کی کرنی چاہیے۔اس لئے کہ نسبت کے ملنے سے اعمال میں حضوری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مقامِ احسان جو حدیثِ پاک میں بتایا گیا ہے، اس کے حصول کی تمنا تو حدیث پاک سے ثابت ہے۔ کہ اے اللہ! ہمیں وہ مقام دے دیجیے کہ ہم ایسے عبادت کریں جیسے ''اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' تو نسبت کی دعائیں مانگنی چاہئیں، نسبت کی تمنا دل میں رکھنی چاہیے، نسبت کے لیے اللہ کے سامنے رونا دھونا چاہیے۔ لیکن خلافت کا خیال دل میں لانا، شرک کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔اس سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔

معیتِ الٰہی کیا ہے؟

مراقبہ معیت کے سبق میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کو اپنی ذات اور کائنات کے ہر ذرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت سمجھ میں آجاتی ہے۔ اللہ کی معیت ہر ذرے کے ساتھ کیسے؟ اس کو علماء کرام علمی طور پر جانتے ہیں۔ اور مشائخ اس کو ذوقی انداز سے سمجھتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ آندھی جب آتی ہے، تو مٹی میں تو استعداد نہیں کہ وہ ہل سکے، وہ تو بے جان چیز ہے، زمین پر پڑی ہوتی ہے۔ لیکن ہوا آتی ہے اور اس مٹی کو اڑاتی ہے، آندھی بنتی ہے، اور وہ آندھی اوپر کتنا اونچا اس کو لے کر جارہی ہوتی ہے۔ جب ہوا ذرات کو آندھی کی شکل میں لے کر اڑ رہی ہوتی ہے، تو ہر ذرے کو ہوا کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح آندھی کی صورت میں ہر ذرے کو ہوا کی معیت حاصل ہے، اسی طرح اس کائنات کی ہر چیز کو واجب الوجوب کی معیت حاصل ہے۔

چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:۴) کے بارے میں حدیث پاک نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا

وَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ مَاتَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهٗ؟

یعنی ایک بندہ اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے، تو کب تزکیہ ہوجاتا ہے؟

فَقَالَ ﷺ يَعْلَمُ اَنَّ اللهَ مَعَهٗ حَيْثُ كَانَ (مجمع الزوائد: ۸۳/۱)

فرمایا: جب وہ بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔

تب اس کو تزکیہ نصیب ہوجاتا ہے۔ اب بتائیں جو لوگ کہتے ہیں کہ تصوف عجمی چیز ہے، انہوں نے یہ لفظ کہاں سے سیکھ لیا؟ یعنی مراقبہ معیت تک کی کیفیات کا ثبوت

تو حدیث پاک سے مل رہا ہے۔ سالک کا تزکیہ اس وقت ہوتا ہے، جب وہ ہر وقت یہ محسوس کرے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ کیفیت اس سبق پر پہنچ کر پائی۔ حدیث مبارکہ کے مطابق اس کیفیت کو پانا تو کمالِ ایمان سے ہوا۔ جس کو یہ حاصل نہیں تو وہ بیچارہ اس کا انکار ہی کرے گا۔ اسی آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ

عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ (معجم اوسط للطبرانی، ۸۷۹۶)

''عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔''

یہ افضل ایمان ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ یہ تزکیہ کی نشانی ہے، دوسرے میں فرمایا کہ یہ افضل ایمان ہے۔

تفسیر ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ

اِنَّ الْفَقِيْهَ الْعَلَّامَةَ سَيِّدِيْ اَحْمَدَ بْنَ مُبَارَكَ لَقِيَ الرَّجُلَ الصَّالِحَ سَيِّدِيْ اَحْمَدَ الصَّقَلِيِّ، فَقَالَ لَهُ : كَيْفَ تَعْتَقِدُ: ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾؟ فَقَالَ: بِالذَّاتِ۔

ایک فقیہ نے صالحین میں سے کسی سے پوچھا کہ ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ یہ معیت بالذات مجھے حاصل ہے۔

فَقَالَ لَهُ: اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنَ الْعَارِفِيْنَ

تو ان عالم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم عارفین میں سے ہو۔

تو علماء کو تو علمی معیت معلوم ہوتی ہے، لیکن مشائخ ذوقی طور پر اس معیت کو ذاتی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ ہر وقت جیسے کوئی ساتھ ہوتا ہے۔ ؎

تم میرے ساتھ ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

مراقبہ معیت کے سبق کی نیت یوں کریں گے کہ

''اس ذات پاک سے جو میرے ساتھ اور کائنات کے ہر ذرے کے ساتھ ہے، جس کی صحیح کیفیات حق تعالیٰ ہی جانتا ہے، میرے لطیفہ قلب پر فیض آ رہا ہے، فیض کا منشاء و مبداء ولایت صغریٰ کا دائرہ ہے، جو اولیائے عظام کی ولایت اور اسماء وصفات مقدسہ الٰہی کا ظل ہے۔''

اربع انہار میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

'' اس مقام میں لا الٰہ الا اللہ کا زبانی ذکر اس طرح کہ سالک کی توجہ قلب کی طرف ہو اور قلب کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف معنیٰ کی رعایت کے ساتھ بہت فائدہ دیتا ہے، اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ولایت صغریٰ کا دائرہ ہے۔''

آگے فرماتے ہیں کہ

''دائرہ ولایت صغریٰ دوسرا دائرہ ہے اور اس کو دائرہ ظل اسماء وصفات بھی کہتے ہیں۔ اس میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ میں سیر حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس مرتبہ میں توحید وجودی، ذوق شوق، رونا دھونا، ہر وقت ذاتِ حق میں استغراق، ومحویت اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ، ماسوا کے خیال کا مٹ جانا، حاصل ہوتا ہے اور اسی کو فنائے قلبی کہا جاتا ہے۔''

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

''ولایتِ صغریٰ میں مراقبہ معیت جو آیۂ شریفہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید: ۴) کا مفہوم ہے، کرتے ہیں اور دائرہ امکان کے سیر کی انتہائیں معلوم ہوسکتی ہے کہ سالک اگر صاحب کشف ہے تو خود آپ ہی اپنے کشف کے ذریعے شناخت کرلے گا، یا اس کا شیخ صاحب کشف اس کو متنبہ کردے گا۔''

آگے فرماتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ کی معیت کو اپنے آپ اور اپنے تمام لطائف وعناصر بلکہ ممکنات کے ذرّات سے ہر ذرّہ کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی بے چوں معیت بے چوں ادراک کے ساتھ ادراک کی جائے اور جملہ جہات ستّہ کا احاطہ کرلے، اور جو توجہ وحضور کہ پیدا ہوا تھا، اپنا منہ نیستی کی جانب پھیرے۔''

چونکہ اکثر لوگوں کے اسباق یہیں تک تھے، یہاں تک تو ہم نے تفصیل سے گفتگو کی، اب آگے کے اسباق بہت کم لوگوں کے ہیں۔ ایک خیال تو یہ ہی تھا کہ یہیں تک مکمل کردیں۔ پھر بعض دوستوں نے بار بار کہا کہ معلوم نہیں، پھر ان احوال کے سننے کا موقعہ ملے یا نہیں، تو کچھ نہ کچھ تو ہمیں اگلے اسباق کے بارے میں بتادیں۔ پھر دل میں آیا کہ ان شاء اللہ اگلے اسباق کے بارے میں اجمالی طور پر ہم دائرۂ لاتعین تک سارے اسباق کے احوال کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ ان باتوں کی ان کو ضرورت ہوگی جن کے اسباق ہیں اور جن کو نہیں ہوگی، ہوسکتا ہے کہ ان کو اللہ بعد میں

توفیق دیں۔ آج بات اس کو سمجھ میں نہ آئی تو کچھ عرصے کے بعد سمجھ میں آجائے گی۔ تاہم اللہ تعالیٰ ہم سالکین کو اپنی رضا عطا فرمائیں۔ اور ہمارے سینوں کو اللہ اپنی نسبت کے نور سے منور فرمائیں۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ولایتِ کبریٰ و ولایتِ علیا کے اسباق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

مراقبہ معیت تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سولہ اسباق ہیں۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ پہلے عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں، پھر عالمِ خلق کے دو لطائف ہیں، پھر تہلیل کے دو اسباق ہیں۔ پھر مراقبہ احدیت کا دسواں سبق ہے، جو فنا کا مقام ہے۔ مگر یہ فنا اعتبارات میں ہوتی ہے۔ اس سے اوپر ظلال ہیں۔ ظل سایہ کو کہتے ہیں۔ تو اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔ گیارہ سے پندرہ سبق کی تفصیل یہ ہے کہ لطیفہ قلب پر تجلیات افعالیہ، روح پر صفات ثبوتیہ، لطیفہ سر پر شیونات ِ ذاتیہ، خفی کے اوپر صفات سلبیہ اور اخفیٰ کے اوپر شانِ جامع کی تجلیات کا فیض وارد ہوتا ہے۔ ان تجلیات میں، اور ان کے ظلال میں انسان کو فنا حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد سولہواں سبق مراقبہ معیت ہے، جس میں سالک کو معیت الٰہی کا استحضار مل جاتا ہے، ایک احساس نصیب ہو جاتا ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ بندے کو ہر وقت ایک حضوری کی کیفیت ملتی ہے، اس وجہ سے زندگی میں سے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہر وقت اللہ کی طرف دھیان رہتا ہے۔ اس مراقبہ معیت تک پہنچنے پر ہمارے مشائخ سالکین کو نسبت کی بشارت دیتے ہیں۔ یہاں تک جو سیر تھی اس کو ولایتِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔ اس کے آگے ولایت

کبریٰ کی سیر شروع ہوتی ہے اور وہ انبیائے کرام کی ولایت ہے۔ گویا جہاں اولیاء کی ولایت ختم ہوتی ہے، وہاں سے انبیاء کی ولایت شروع ہوتی ہے۔ یہ نکتہ خوب سمجھنے والا ہے۔

ولایتِ اولیاء کی انتہا، ولایتِ انبیاء کی ابتدا ہے

چنانچہ مکتوبات مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۳۳ میں فرماتے ہیں کہ

ولایتِ ظلی میں جو ولایتِ صغریٰ ہے اس کا نہایتِ کمال تجلی برقی کے حصول سے پیوست ہونا ہے، اور یہ تجلی برقی ولایتِ کبریٰ میں پہلا قدم ہے جو ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہے۔ اور ولایتِ صغریٰ ولایتِ اولیا قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہے۔ اس مقام پر ولایتِ اولیاء اور ولایتِ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ سبحانہ علیہم کے درمیان فرق معلوم کرنا چاہئے کہ اس ولایتِ (اولیاء) کی انتہا اس ولایتِ (انبیا) کی ابتدا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نبوت کے کمالات کے بارے میں کیا کہا جائے جب کہ نبوت کی ابتدا ولایت کی انتہا ہے۔ (سوچنے کی بات ہے کہ جہاں اولیاء کی ولایت مکمل ہوتی ہے، اگر انبیاء کی ولایت وہاں سے شروع ہوتی ہے، تو انبیاء کو جو نبوت کے کمالات ملے، ان کے بارے میں کوئی بات کیسے کر سکتا ہے۔) مگر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی ولایت سے تبعیت اور وراثت کے طور پر بہرہ ور تھے (شاید اسی وجہ سے) آپ نے فرمایا کہ "ما نہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں)۔ یہ فقیر (یعنی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) اس قدر جانتا ہے کہ " نقشبندیہ نسبت وحضور" جب کمالات تک پہنچ جاتے ہیں تو ولایتِ کبریٰ سے پیوست ہوجاتے ہیں اور اس ولایت کے کمالات سے حظِ وافر حاصل کر لیتے ہیں بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ان کے کمالِ شان کی نہایت تجلی برقی تک ہے۔

چونکہ اسباق کے طریقے مختلف ہیں، اور دیگر سلاسل میں اسماء الحسنیٰ کا ذکر بہت کرتے ہیں، جیسے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ، وغیرہ۔ اس لئے ان سلاسل کے کاملین کو تجلی ملتی تو ہے، مگر اس تجلی پر اسماء اور صفات کے پردے آجاتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ جو کچھ سالک کے اندر ہوگا وہی اسے باہر نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ختم، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ تک ہے، اس میں اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ والے الفاظ شامل نہیں ہیں تا کہ اسماء وصفات کا ذکر نہ آئے۔ ذات کا ذکر کرنے سے جو تجلی ذاتی آتی ہے، اس میں صفات کے پردے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ولایتِ صغریٰ کے بعد نبی علیہ السلام کی سنت کی اتباع کی برکت کی وجہ سے ولایتِ کبریٰ کا بھی کچھ فیض ملتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے مہمانوں کے لئے کھانے پکتے ہیں، لیکن جب مہمان چلے جاتے ہیں، تو ہوبہو وہی کھانے نوکر، ڈرائیور اور چوکیدار کھا رہے ہوتے ہیں۔ کھانے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایسے اعلیٰ کھانے ان خدام کے لئے کون بناتا؟ یہ تو قسمت تھی کہ مہمانوں کے صدقے ان کو کھانے مل گئے۔ اسی طرح عام سالک کا بس کہاں کہ ولایتِ کبریٰ کے مقامات کو جانے۔ لیکن نبی علیہ السلام کی غلامی کا صدقہ ہے، ان کے نوکر ہونے کا صدقہ ہے۔ اسی دسترخوان کا کھانا پھر اللہ پاک ان کو عطا فرما دیتے ہیں۔

ولایتِ کبریٰ کے تین دائرے اور قوس

شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

جاننا چاہیے کہ ولایتِ کبریٰ کے دائرے میں تین دائرے اور ایک قوس یعنی نصف دائرہ ہے۔

مراقبہ معیت کے بعد پھر کچھ دائروں کے اسباق ہیں۔ اب بزرگوں نے ان کو دائرہ کیوں کہا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سبق کے دوران سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ ہر طرف سے اس کے اوپر فیض آرہا ہے، کوئی ایک سمت نہیں ہوتی۔ تو جس طرح دائرہ کا ایک مرکز ہوتا ہے، اگر کوئی دیکھے تو چاروں طرف سے ایک ہی فاصلہ ہوتا ہے، ہمارے مشائخ نے اس کو دائرہ سے تشبیہ دی، چونکہ وہ سمت متعین نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ میں تو مرکز میں ہوں اور چاروں طرف سے تجلیات میرے اوپر آرہی ہیں۔ سبحان اللہ! چنانچہ مشائخ نے اس کا نام دائرہ رکھ دیا۔ چنانچہ ایک دائرہ پہلے ہوتا ہے، پھر دوسرا دائرہ، پھر تیسرا دائرہ۔ پھر چوتھے سبق میں اوپر کی طرف سے آدھے دائرے سے فیض آتا ہے، تو اس کو مشائخ نے قوس کہہ دیا، چونکہ قوس آدھا دائرہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو ولایتِ کبریٰ کے اسباق ہیں، ان کا نام دائرہ اولیٰ، دائرہ ثانی، دائرہ ثالث اور پھر اس کے بعد قوس رکھا گیا۔ یوں تین دائرے اور ایک قوس بنے۔ پہلے دائرے کی اصل دوسرا دائرہ ہے، اور دوسرے کی اصل تیسرا دائرہ ہے۔ اور تیسرے کی اصل قوس ہے۔ تو اصل دراصل دراصل دراصل، اسی طرح یہ ترقی ہوتی جاتی ہے۔

شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

”ولایتِ کبریٰ کے تین دائروں میں سے پہلے دائرے میں اقربیت کی

سیر اور توحید شہودی ظاہر ہوتی ہے۔ اس دائرے کے نیچے کا نصف حصہ اسماء وصفات زائدہ پر مشتمل ہے اور اوپر کا نصف حق سبحانہ کے شیونات ذاتیہ پر مشتمل ہے۔ اس دائرے تک عالمِ امر کے لطائف خمسہ کا عروج ہوتا ہے اور اس دائرے کا موردِ فیض لطیفہ نفس ہے جس میں لطائف مذکورہ بھی شریک ہیں۔ اس دائرے میں مراقبہ اقربیت یعنی آیت شریفہ ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورۃ ق:۸۵) (ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کا تصور (خیال) کرتے ہیں۔''

اگرچہ انسان کو ولایتِ کبریٰ پر نفس مطمئنہ مل گئی لیکن باقی تین عناصر (آگ، پانی، ہوا) پھر بھی کمال تک نہیں پہنچتے۔ ان کو کامل کرنے کے لیے اس سے اوپر ایک ولایت ہے، جس کو ولایت ملاء اعلیٰ کہتے ہیں، جو کہ فرشتوں کی ولایت ہے۔ اس میں باقی تین عناصر کو بھی کمال مل جاتا ہے۔

معیت کے بعد اقربیت کی سیر

مکتوباتِ مجددیہ مکتوب دفتر دوم مکتوب ۳ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ وہ سیر جو آفاق و انفس کی سیر کے بعد میسر ہوتی ہے وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی اقربیت میں ہوتی ہے کیونکہ اس تعالیٰ کا فعل بھی ہم سے ہماری نسبت زیادہ نزدیک ہے اور اسی طرح اس تعالیٰ کی صفت بھی اس کے فعل کی طرح ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے اور اس تعالیٰ کی ذات بھی ہم سے اور اس سبحانہ کے فعل وصفت سے ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے۔ ان مرتبوں کی سیر (حق تعالیٰ کی) اقربیت کی سیر ہے۔

یعنی مراقبۂ معیت کے بعد کے اسباق کو اقربیت کے اسباق کہتے ہیں۔ آپ اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ پہلے ایک بندے کو محبوب کی معیت ملتی ہے، پھر اس کے بعد اس کو ذات کا قرب ملتا ہے۔ قریب آنے کا دستور یہی ہے۔ سالک کے لیے بھی اسی طرح کا دستور ہے کہ پہلے لطائف کے اسباق کے وقت ذکر کرنے والے ذاکرین میں شامل ہوا۔ پھر مراقبۂ معیت میں معیت حاصل ہو گئی۔ بہت سارے لوگ معیت میں ہوتے ہیں، مگر اقربیت ایک درجہ اور آگے ہے۔ چنانچہ تین دائرے اور قوس اقربیت کے اسباق ہیں۔ پس معیت کے بعد اقربیت نصیب ہوگئی۔ ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورۂ ق:۸۵) کی کیفیت اقربیت کی سیر میں ہوتی ہے۔

وہم سے نجات

مکتوباتِ مجددیہ مکتوب دفتر دوم مکتوب ۳ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس مقام میں تجلی فعل، تجلی صفت اور تجلی ذات متحقق اور ثابت ہو جاتی ہے۔ اور وہم کے غلبہ اور دائرہ خیال سے اس جگہ نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ وہم و خیال کے غلبہ کو آفاق و انفس کے دائرہ سے باہر حکومت و تصرف میسر نہیں ہے۔ کیونکہ وہم کی حد ظل کی انتہا تک ہے، جس مقام پر ظل کا وجود نہ ہو وہاں وہم بھی نہیں ہوتا۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ولایتِ اصلی تو ولایت کبریٰ ہے، اس سبق میں اس دنیا ہی میں وہم و خیال کی قید سے خلاصی ہو جاتی ہے کہ سالک وہم کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے بعد اس کے قلب میں جو وساوس آتے تھے اور نفس جو پھونک مارتا تھا وہ سب چیزیں ختم ہو جاتی ہیں، حقیقی اطمینان اور سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا تھا، حضرت! آپ کو نماز میں دنیا کا خیال آتا ہے؟

کہنے لگے: نہ نماز میں آتا ہے اور نہ ہی نماز کے علاوہ آتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو ولایت کبریٰ سے فیض ملتا ہے، ان کے دل میں وہم اور وساوس نہیں آتے۔

اربع انہار میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ دائرۂ اولیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

کامل توجہ الی اللہ، خطرات و وساوس کا ازالہ، اسی طرح عروج ونزول اور قلب کی خاص کیفیات اس مقام کا نقد سرمایہ ہیں۔ بلکہ آہستہ آہستہ تمام بدن پر انجذابی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اس مرتبہ میں لطیفہ قلب کی یہ نسبت حالات و کیفیات بے رنگ اور بے مزہ ہیں، لطیفہ نفس میں اس مرتبہ کی نسبت جب قوی ہو جائے گی تو قلب فراموش ہو جائے گا۔

اقربیت کے بعد محبت کی سیر

جہاں پہلے دائرے میں اقربیت میں سیر ہوتی ہے، دوسرے اور تیسرے دائرے اور قوس کی سیر محبت میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے کسی کی معیت ملتی ہے، پھر اس کے بعد اس کو قرب ملتا ہے، اور پھر بعض کو قرب کے بعد محبت بھی نصیب ہوتی ہے۔ شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

سالک کو جب دائرہ اقربیت (یعنی پہلے دائرہ) سے عروج ہوگا، تو اسکی سیر اصل کے دائرہ میں ہوگی (یعنی دوسرے دائرے میں)، اور دائرہ اصل سے اصل کی اصل کے دائرے میں ترقی ہوگی (یعنی تیسرے دائرے میں)۔ اور اصل کی اصل سے تیسری اصل میں یعنی قوس کی طرف سیر ہوگی۔ اور اسی پہلے دائرے کے نصف تحتانی و نصف فوقانی میں استہلاک واضمحلال پورا

حاصل ہو جاتا ہے۔ جب حضرت پیر دستگیرؒ نے ان سہ گانہ دائروں میں مجھ عاجز پر توجہ فرمائی، تو میں نے دیکھا کہ ان دائروں سے میرے لطیفۂ نفس پر بے رنگ کے نور کا ایک پرنالہ بڑی شدّت سے گرایا گیا ہے اور میری ہستی کا تمام وجود گھل گیا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ حتی کہ میرے وجود کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور عین واثر کے زوال کا مقام میسر ہو گیا، اور لفظِ انا کا اطلاق میں نے اپنے اوپر بہت ہی دشوار سمجھا بلکہ انا کے لیے مجھے کوئی مورد نہ ملا، حتٰی کہ میں عدم کے دریائے ناپیدا کنار میں ڈوب گیا، اس وقت مجھے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ فنا کی حقیقت تو اسی ولایت میں حاصل ہوتی ہے اور جو کچھ پہلے کی ولایت میں حاصل ہوا تھا وہ صرف فنا کی صورت تھی۔ اور اس دو نیم دائرے (پہلے دائرہ کے نصف تحتانی اور نصف فوقانی) میں مراقبہ محبت یعنی آیت ﴿ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ ﴾ (المائدہ: ۵۴) (وہ دوست رکھتا ہے ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو) کے مفہوم کا خیال کرتے ہیں، اور ان دائروں میں موردِ فیض وہی لطیفہ نفس ہے کہ جس سے سالک کا انا مراد ہے۔ جاننا چاہیے کہ ان دائروں میں مراقبہ اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ خود کو اپنے خیال میں اس دائرے کے اندر داخل کر دیتے ہیں اور لحاظ وتصور کرتے ہیں کہ اصل اسماء وصفات کے دائرے سے میرے انا پر محبت کا فیض وارد ہو رہا ہے اور اسی طرح قوس (دائرہ اصل الاصل) سے جو کہ اصلِ ثالث ہے اس لطیفہ پر محبت کا فیض آ رہا ہے۔ اور ان دائروں میں تہلیل لسانی (کلمہ توحید کا زبانی ذکر) بلحاظ معنی بھی مفید ہوتا ہے۔

یعنی ولایت کبریٰ کے تین دائروں میں تہلیل لسانی کا ذکر ساتھ ساتھ اگر زیادہ کیا جائے تو اس سے سالک کی ترقی اور زیادہ ہوتی ہے۔

مکتوباتِ مجددیہ مکتوب دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان دوائر کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کے بعد اگر اسماء وصفات کے دائرہ میں جو کہ اس دائرہ ظل کا اصل ہے، سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہوجائے تو وہاں ولایتِ کبریٰ کے کمالات شروع ہوجاتے ہیں۔ اور یہ ولایتِ کبریٰ (بلا واسطہ اصلی طور پر) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی پیروی کے باعث ان کے اصحاب کرام بھی اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، اس دائرہ کے نیچے کا نصف حصہ اسماء وصفاتِ زائدہ کو متضمن ہے اور اس کا نصف بالائی حصہ شیون واعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔ عالمِ امر کے پنجگانہ (لطائف ومراتب) کے عروج کی انتہا اسماء وشیونات کے دائرہ کی نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر محض فضل ایزدی جل شانہ سے مقامِ صفات وشیونات پر ترقی واقع ہوجائے تو ان کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہوگی، اور اس دائرہ اصول سے گزرنے کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے۔ اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرۂ فوق سے ایک قوس (نصف دائرہ کے مانند) ظاہر ہوگی اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ اس دائرہ فوق سے قوس کے علاوہ اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کیا گیا۔ شاید اس جگہ کوئی راز ہوگا جس پر (عالمِ غیب سے) اطلاع نہیں بخشی گئی۔

فرماتے ہیں کہ ہمیں جب وہ قوس نظر آئی تو اس میں بھی کوئی راز ہوگا، مگر وہ راز کھولا نہیں گیا، اس لیے ہم اس کے بارے میں کوئی کلام نہیں کر سکتے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو قلب کی آنکھوں سے یہ دائرے اور یہ قوس دکھا دیتے ہیں۔ مشائخ کشف کی نظر سے دیکھتے ہیں پھر بات کرتے ہیں، جہاں نہیں دیکھتے وہاں کہہ دیتے ہیں کہ اس سے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ اللہ اکبر کبیرا۔

ولایتِ کبریٰ میں نفسِ مطمئنہ نصیب ہونا

آگے فرماتے ہیں:

اور اسماء و صفات کے یہ اصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے حضرت تعالیٰ و تقدس میں محض اعتبارات ہیں جو کہ صفات و شیونات کے مبادی ہوگئے ہیں۔ ان اصولِ سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس (نفس) کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔

یعنی ولایتِ کبریٰ کے انوارات ملتے ہیں تو پھر سالک کو اسلام کے بارے میں شرح صدر نصیب ہوتا ہے اور وہ اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی طبیعت بھی شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ یوں سمجھیں کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جاتی ہیں، چونکہ یہ انبیاء کی ولایت ہے۔ اور انبیاء کی ولایت میں تو نفس مطمئنہ ہی ہوگا۔ اس لیے اس مقام پر انسان کو نفس مطمئنہ حاصل ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:

یہی وہ مقام ہے جہاں نفس مطمئنہ صدارت کے تخت پر جلوس فرماتا ہے اور

مقامِ رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایتِ کبریٰ کی انتہا کا مقام ہے جو ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات التسلیمات کا مقام ہے۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ولایت کبریٰ کے کامل دائرہ کا طے ہونا اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ فیضِ باطن کا معاملہ جس کا تعلق دماغ سے ہے سینے سے متعلق ہوجاتا ہے، اور سینے میں اس قدر وسعت و فراخی حاصل ہوجاتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

یعنی ان دوائر کی سیر کرنے کے بعد شرح صدر حاصل ہوجاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ

وسعت صدر جو ولایت کبریٰ میں حاصل ہوتی ہے وہ عموماً تمام سینے میں اور خصوصاً لطیفۂ اخفیٰ کی جگہ ہوتی ہے۔

اور فرمایا کہ

شرح صدر کی پہچان وجدان کے طریقے میں یہ ہے کہ شرح صدر میں قضاء و قدر کے احکام سے چوں و چرا اور تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں اور اس مقام میں نفس بھی مطمئنہ ہوجاتا ہے اور عروج کر کے رضا کے ہر مقام پر وہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! اور بھی انہوں نے بات کو کھول دیا کہ جب شرح صدر ہوجاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سبق پر پہنچ کر قضاء و قدر کے بارے میں اعتراض سرے سے ہی ختم ہوجاتا ہے، اس لیے اس کو مقام رضا کہا جاتا ہے۔ جب رضا مل گئی تو پھر اعتراض کہاں، ہر حال میں محبوب کے ساتھ راضی ہیں۔ ؎

نہ تو ہجر ہے اچھا، نہ وصال اچھا ہے

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

تو مقامِ رضا کی یہ کیفیت اس ولایت کبریٰ کے سبق پر ملتی ہے۔

اسلامِ حقیقی کا تعلق ولایتِ کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم مکتوب ۹۷ میں فرماتے ہیں:

جان لیں کہ فنائے نفس اور اس کا اطمینان جو کہ اسلامِ حقیقی کے ساتھ وابستہ ہے اگرچہ اس کی ابتداء ولایتِ صغریٰ سے ہے لیکن اس کا کمال ولایتِ کبریٰ کے کمالات حاصل ہونے کے ساتھ وابستہ ہے، بلکہ اصول سہ گانہ جو کہ دائرہ اسماء وصفات وشیون واعتبارات سے اوپر ہیں کہ ولایتِ کبریٰ ان اصولِ سہ گانہ کے مجموعہ اور اس دائرہ سے عبارت ہے اور یہ دائرہ عالم امر کے پانچوں لطائف کے عروج کا منتہا ہے اس سے اوپر عالمِ امر کو اصالت کے طور پر (یعنی بلا واسطہ) گزر نہیں ہے۔

ولایت کبریٰ تک انسان کے عالم امر کے لطائف کی ترقی کی انتہا تھی۔ اس سے اوپر کے مقامات یعنی کمالات انبیا اور کمالات رسالت میں عالم امر کے لطائف پرواز نہیں کر سکتے۔ وہاں انسان کا نفس یعنی عنصرِ خاک ترقی کرتا ہے۔

ولایتِ کبریٰ میں کیا حاصل ہوتا ہے؟

اربع انہار میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یہ تین اصول ذات حق تعالیٰ وسبحانہ کے اعتبار ہیں کہ جو صفات وشیونات کے مبادی ہیں۔

ہر زمانے روی جاناں رانقابے دیگر است
ہر حجابے راکہ طے کردی حجابی دیگر است

ولایت کبریٰ کے مقام بلند میں سالک کو درج ذیل امور حاصل ہوتے ہیں۔ سینہ کھل جاتا ہے۔ صبر وشکر کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ کہ قضاء وقدر کے حکم پر چوں وچرا ختم ہوجاتی ہے۔ احکام شرعیہ کے قبول کرنے میں دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، جن چیزوں میں دلیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ سب کی سب بدیہی بن جاتی ہیں۔ ہر قسم کی شورش سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل ترین یقین ہوجاتا ہے۔ نفس کو استہلاک واضمحلال (ہلاک ہونا اور گھٹنا) ہوتا ہے۔ جس طرح کہ برف دھوپ میں پگھل جاتی ہے۔ توحید شہودی جلوہ گر ہوتی ہے۔ ''انا'' مرجاتا ہے۔ (یعنی انا کی برف توحید شہودی کی تجلی کے ملنے پر پگھل جاتی ہے۔ انا ختم ہی ہوجاتی ہے۔) سالک اپنے وجود کو حضرت حق جل مجدہ کے وجود کا پرتو اور اپنے وجود کے توابع کو حق تعالیٰ کے وجود کے پرتو کے توابع جانتا ہے۔ جب خود کے لئے لفظ انا استعمال کرتا ہے تو اس کو مجاز سمجھتا ہے۔ اپنی نیتوں کو تہمت زدہ اور اپنے عملوں کو ناقص سمجھتا ہے۔ اخلاق حمیدہ پیدا ہوجاتے ہیں، رذائل اخلاق یعنی حرص، بخل، حسد، کینہ، تکبر، حب جاہ وغیرہ سے تزکیہ (صفائی) ہوجاتا ہے۔

اسم الظاہر

مراقبہ معیت کے بعد دوائر اور قوس کے اسباق ولایت کبریٰ کے اسباق تھے۔ ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کا تعلق اسم ظاہر سے ہے۔ اسم ظاہر اللہ تعالیٰ کا ایک اسم ہے اور کائنات میں چیزوں کا ظہور اسم ظاہر کی برکت سے ہے۔ اس مبارک نام کی وجہ سے ہر چیز ظاہر ہے۔ چنانچہ ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ اسم ظاہر کے دائرے ہیں۔ اس لیے اس کے بعد اسم ظاہر کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۷۴ میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

> جاننا چاہیے کہ اسم کے ظلال میں وصول اور اس کے مراتب میں سیر کو ولایتِ صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ اولیاء کی ولایت ہے اور اسماء و صفات کے اصول میں سیر ولایتِ کبریٰ کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے اور یہ دونوں ولایتیں اسم الظاہر سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس اسمِ ظاہر میں مراقبہ کرنے کے بعد اس کے نیچے ولایت صغریٰ و کبریٰ کی ساری کیفیتیں جیسے شرح صدر، قضاء وقدر پہ یقین وغیرہ سب تام اور کامل ہو جاتی ہیں اور انا ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اسم باطن کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

اسمِ ظاہر اور زوجین کے درمیان محبتیں

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ فرمایا: ''اَصْبِرُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَلَا اَصْبِرُ عَنْهُنَّ ''میں کھانے اور پینے سے صبر کر لیتا ہوں، لیکن بیوی سے میرا صبر نہیں ہوتا''۔ یہاں ذہن

میں ایک بات آتی ہے کہ ایک دیندار انسان کے دل میں بیوی کی اتنی محبت کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ کھانے پینے سے صبر کر لے، لیکن بیوی کے معاملے میں اس سے صبر ہی نہ ہو۔ تو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب سن لیجیے۔ فرماتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ رب العزت کے اسم الظاہر کا مظہر ہے۔ جتنی چیزوں کا ظہور ہے، یہ اس اسم کی جلوہ گریاں ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے جمال کو دکھانے کے لیے ایسی چیزوں کو پیدا کیا جو بندے کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں، پھل، میوے ہیں، پھول ہیں۔ انسان کی رغبت ہوتی ہے کہ میں ان چیزوں سے لطف اندوز ہوا کروں۔ تو فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی چیزوں میں اللہ رب العزت نے رغبت رکھ دی، سب سے کامل رغبت اللہ نے مرد کے لیے عورت میں رکھی۔ چنانچہ عورت کے اوپر الظاہر اسم کی تجلی پڑتی ہے اور مرد بے اختیار ہو کر اس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب ادفتر ا میں لکھتے ہیں:

راہِ سلوک طے کرنے کے دوران (حق سبحانہ وتعالیٰ اس خادم پر) اسم الظاہر کی تجلی کے ساتھ (مختلف مظاہر میں) جلوہ گر ہوا، یہانتک کہ تمام اشیاء میں خاص تجلّی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوا، خاص طور پر عورتوں کے لباس میں بلکہ اُن کے اعضاء میں جدا جدا ظاہر ہوا، اور میں اس گروہ (عورتوں) کا اسقدر مطیع وفرمانبردار ہوا کہ کیا عرض کروں، اور میں اس طاعت وفرمانبرداری میں بے اختیار تھا۔ (اسم الظاہر کی تجلّی کا) جو ظہور کہ اس لباس (یعنی طبقۂ مستورات) میں ہوا ایسا اور کسی جگہ میں نہیں ہوا، جس قدر عمدہ و پاکیزہ خصوصیات اور عجیب وغریب خوبیاں اس لباس میں ظاہر ہوئیں اتنی کسی اور مظہر میں ظاہر نہیں ہوئیں۔ میں اُن کے سامنے پگھل

کر پانی پانی ہوا جاتا تھا۔ (اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ہے، قدرتِ کاملہ ہے کہ اللہ نے معاشرے کو قائم کرنے کے لئے مردوں کے دل میں عورتوں کی فطری محبت پیدا کردی ہے۔ مگر یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو اگر تم پر سکون زندگی گزارنا چاہتے ہو، تو نکاح کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ محبتوں بھری زندگی گزارو، دنیا میں بھی اجر پاؤ گے، اور آخرت میں بھی تمہیں جنتیں ملیں گی۔ پھر آگے فرماتے ہیں) اور اسی طرح اسم الظاہر کی تجلّی کا ظہور ہر کھانے پینے اور پہننے کی چیز میں الگ الگ ہوا، جو عمدگی و خوبی، لذیذ اور پُرتکلف کھانے میں تھی وہ کسی اور کھانے میں نہ تھی، اور میٹھے پانی میں بھی دوسرے (یعنی کھاری) پانی کے مقابلہ میں یہی فرق تھا بلکہ ہر لذیذ و شیریں چیز میں خصوصیاتِ کمال میں سے اپنے اپنے درجے کے مطابق الگ الگ ایک خصوصیت تھی، یہ خادم اس تجلّی کی خصوصیات کو بذریعہ تحریر عرض نہیں کرسکتا اگر آنجناب کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا تو شاید عرض کرسکتا۔ لیکن ان تجلّیات کی جلوہ گری کے زمانے میں یہ خادم رفیق اعلیٰ (یعنی محبوبِ حقیقی حق تعالیٰ جلّ شانہ) کی آرزو رکھتا تھا اور حتی الامکان ان ظہورات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا لیکن چونکہ مغلوب الحال تھا اس لیے (اس تجلّی کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر) کوئی چارہ نہیں تھا۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکتوباتِ مجددیہ کے ترجمے کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

”جو بعض عارفوں نے کہا: مَنْ عَرَفَ اللهَ طَالَ لِسَانُهٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہوگئی) یہ معرفت اسم الظاہر کے معارف

سے وابستہ ہے۔''

اسم الباطن

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے حالات کے بارے میں مکتوبات مجددیہ مکتوب دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں کہ

جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم وخیال میں آیا کہ سب کام مکمّل ہو چکا ہے، (اتنے میں عالمِ غیب سے) ندا آئی کہ ''یہ سب کچھ اسمِ ظاہر کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لیے ایک بازو ہے، اور اسمِ باطن کی سیر ابھی باقی ہے جو کہ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دوسرا بازو ہے، اور جب تو اس کو بھی مفصل طور پر انجام دیدے گا تو اس وقت تجھے پرواز کے لیے دو بازو عطا ہوں گے''۔ اور جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے اسمِ باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۷۴ میں فرماتے ہیں کہ

اور اس اسم (یعنی اسم الظاہر) سے گزرنے کے بعد اسم الباطن ہے جو کہ ملاءِ اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت ہے اور اسم الظاہر و اسم الباطن کا فرق حضرت قطب المحققین ہمارے مرشد قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مکتوبات قدسی آیات میں مذکور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اسم الظاہر ایک اسم ہے کہ جس میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہے اور اسم الباطن میں اسم کے پردہ میں ذات ملحوظ ہے۔

اسم الظاہر اور اسم الباطن میں بہت باریک فرق ہے، سمجھانا بھی مشکل ہے۔ بلکہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں کہ

اسمِ باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطن (در پردہ رہنے) ہی کے مناسب ہے۔ البتہ اس مقام کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ اسمِ ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ و تقدس ملحوظ ہو، اور اسمِ باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ ملحوظ ہے اور یہ اسماء پردوں کے مانند ہیں جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حجابات ہیں۔

اسم الظاہر میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہوتی، اور اسم الباطن میں اسم کے پردے میں ذات ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کو آسان لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ اسم ظاہر میں سیر علم میں سیر ہوتی ہے، اور اسم باطن میں سیر اسم علیم میں ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

باقی تمام صفات و اسماء کا حال بھی اسی پر قیاس کریں۔ یہ اسماء جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ علیا میں قدم رکھنا ہے جو کہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے۔

پھر ایک بہت عجیب بات فرماتے ہیں:

اگرچہ اسم الظاہر اور اسم الباطن کے درمیان فرق بہت باریک ہے، اسمِ ظاہر و اسمِ باطن کے بیان میں جو علم اور علیم کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، تم اس فرق کو تھوڑا نہ سمجھو اور نہ یہ کہو کہ "علم" سے "علیم" تک بہت کم

راستہ ہے، بلکہ وہ فرق ایسا ہے جیسا کہ مرکزِ زمین سے عرش کے درمیان تک ہے، نیز اس فرق کی نسبت ایسی ہے جیسے قطرہ کو دریائے محیط کی نسبت کا فرق ہے، کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں بہت دور ہے اور ان مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔

دفتر اول مکتوب ۷۴ میں ہی حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اسم الباطن سے گزرنے کے بعد عروج کی جانب میں انبیا اور مرسلین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتب کے فرق کے مطابق کمالاتِ نبوت پیش آتے ہیں اور ان کمالات کا حاصل ہونا اصالتاً تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے اور تبعیت و وراثت کے طور پر جسے چاہیں نوازیں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! فرماتے ہیں کہ عام بندے کی پرواز بس اسم ظاہر اور اسم باطن تک ہوسکتی ہے۔ اس سے اوپر انبیاء کے کمالات ہیں لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کے لیے دعائیں کی ہیں، لہٰذا جو نبی علیہ السلام کی اتباع کامل کرتا ہے، فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

''آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے''

وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ پھر محبوبوں کو بہت ساری باتوں کی رعایت دے دیتے ہیں۔ جب محبت ہوتی ہے تو سارے قانون ایک طرف رہ جاتے ہیں۔ اس

اتباع کے کمال کی وجہ سے پھر اس سالک کو بسا اوقات اس سے اوپر کے مقامات کی بھی سیر کروا دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے مقامات کی سیر کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں اس درجہ تک پہنچ گیا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک بھنگی کو بادشاہ نے اپنا تخت صاف کرنے کے لیے دربار میں بلالیا، اب تھوڑی دیر تو اس کو سارے دربار کی سیر نصیب ہوئی، حتیٰ کہ تخت بھی اس نے صاف کیا۔ لیکن جب واپس ہوا تو اس کا درجہ وہاں تھا جہاں سے چلا تھا۔ اس لیے اولیاء کو انبیاء کے ان مدارج و مقامات کی سیر تو کروا دیتے ہیں، مگر ہوتے تو وہ غلام ہی ہیں۔ آتے اپنی جگہ ہی ہیں۔ پس اپنی اوقات کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے۔

اسم الظاہر اور اسم الباطن دو پر ہیں جو پرواز میں مدد کرتے ہیں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوباتِ مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرمایا کہ

جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے اسمِ باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ اسم ظاہر کا سلوک ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ تھا، وہ ایک پر ہے۔ اور اسم باطن جو فرشتوں کا سلوک ہے، وہ دوسرا پر ہے۔ جب یہ دونوں پر مل جاتے ہیں تو پرندہ پرواز کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اور یہ پرواز اس کو کمالاتِ نبوت و کمالات رسالت میں ہوتی ہے۔

وہ آئے جب تو انساں کو فرشتوں کے سلام آئے

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ولایتِ علیا مغز ہے اور ولایتِ کبریٰ چھلکے کی مانند بلکہ ہر دائرہ تحتانی بھی دائرہ فوقانی کی نسبت یہ ہی مناسبت رکھتا ہے۔

ولایتِ کبریٰ چھلکا اور ولایت علیا (یعنی فرشتوں کی ولایت) اس کے مغز کی مانند ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ

ملا اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت (جو کہ اسم الباطن کے سبق پر نصیب ہوتی ہے) خواصِ بشر کی ولایت کے اوپر ہے اور (حالانکہ) ملائکہ کے حقایق سے عروج کے اعتبار سے خواصِ بشر کو فضیلت ہے اور ملائکہ کو اپنے حقایق سے عروج نہیں ہے، اور نیز عالمِ امر عالمِ خلق سے اوپر ہے اور فضیلت عالمِ خلق ہی کو ہے کیونکہ عالمِ خلق کا قرب اصلی ہے، اور عالمِ امر کا ظلی ہے، عنصرِ خاک عالمِ خلق و عالمِ امر کے لطائف میں سب سے پست ہے اور اس کی پستی اس کی بلندی کا سبب بن گئی ہے اور جو قرب کہ خاکیوں کو حاصل ہے وہ قدسیوں (ملائکہ) کو نہیں ہے۔

عام دستور کے مطابق ولایت ملاء اعلیٰ جس کو ولایت علیا بھی کہتے ہیں، ولایت انبیاء سے اوپر ہے۔ اس کو ایسے بھی سمجھایا گیا ہے کہ ولایت علیا کو ولایت انبیاء پر فوقیت ہے لیکن افضلیت نہیں۔ بلاشبہ بعض امور میں فرشتے بشر پر فوقیت رکھتے ہیں، لیکن کثرت ثواب کے لحاظ سے بشر کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ولایت علیا سے بھی ترقی عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا بشر کو ان مقامات سے اوپر بھی ترقی مل سکتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کی ولایت کا مقام متعین ہے۔

﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ (الصّٰفّٰت:۱۶۴)

''اور ہم میں ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے''

تو ان کی ولایت ایک درجہ کی ولایت ہے، اس سے اوپر ان کی ترقی نہیں ہے۔ یہ ترقی کا مادہ اللہ تعالیٰ نے خاک میں رکھا ہے۔ جب بشر کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ دے دیتے ہیں، اور شریعت کی غلامی عطا کر دیتے ہیں، شرح صدر نصیب فرما دیتے ہیں تو پھر نبی علیہ السلام کی اتباع کی برکت سے سالک فرشتوں کی ولایت کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ ع

'' فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں''

سبحان اللہ! قربان جائیں ہم اپنے آقا اور سردار پر کہ وہ امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے کیا کیا نعمتیں لے کے آئے، یہ پرواز ان کی غلامی کے صدقے ملتی ہے۔ سبحان اللہ! شاعر نے کہا: ؎

مقامِ شوق تیرے قدسیوں کے بس میں نہیں
انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیادہ

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

زمیں زادہ بر آسمان تاختہ
زمین و زماں راپس انداختہ

''زمین زادہ (یعنی انسان، جس سے مراد سرورِ کائنات حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) آسمان پر تشریف لے گئے اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گئے۔''

اَلْعُمْدَةُ فِیْ حُصُوْلِ الْوِلَایَتَیْنِ

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْعُمْدَةُ فِیْ حُصُوْلِ الْوِلَایَتَیْنِ الْاٰخِرَیْنِ اَلذِّکْرُ اللِّسَانِیْ بِالنَّفْیِ وَالْاِثْبَاتِ کہ آخری دونوں ولایتوں (ولایتِ کبریٰ و علیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) فائدہ مند ہے۔

پہلی ولایت ولایتِ صغریٰ تھی۔ ولایت علیا اور ولایت کبریٰ آخری دو ولایتیں ہیں۔ ان دونوں ولایتوں کے حصول کے لیے بہترین معاون چیز تہلیلِ لسانی ہے۔

فرشتوں کی ولایت کی تفصیل

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اس دائرے میں موردِ فیض ان تین عناصر (آب، آتش، باد) کی ولایت ہے۔ اس میں تہلیلِ لسانی (کلمہ توحید کا زبان سے ذکر کرنا) اور طویل قیام وقرأت والی نفلوں سے ترقی ہوتی ہے۔

چنانچہ فیض تین عناصر پہ آتا ہے، یعنی آگ، پانی، اور ہوا۔ اسمِ باطن میں فیض عنصر خاک پہ نہیں آتا۔ عنصر خاک کو اس میں سے نکال دیتے ہیں، چونکہ یہ فرشتوں کی ولایت ہے۔ جب اسم الباطن کی سیر مکمل ہو جاتی ہے اور کمالاتِ نبوت کا مقام آتا ہے تو پھر عنصرِ خاک کا کام شروع ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اس مقام میں بھی شریعت کی رخصت پر عمل کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ عزیمت پر عمل کرنے سے ترقی حاصل ہوتی ہے۔ (چنانچہ ولایت کبریٰ سے اوپر کے اسباق میں شرعی رخصت بھی مت لو۔ عزیمت پر ہی عمل کرنا ان

مقامات میں ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا!) اس کا راز یہ ہے کہ رخصت پر عمل کرنے سے آدمی بشریت کی طرف کھنچ جاتا ہے، اور عزیمت پر عمل کرنے سے ملکیت سے مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ پس جس قدر ملکیت سے مناسبت بڑھے گی اسی قدر اس ولایت میں جلد ترقی حاصل ہوگی۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقاماتِ مظہری میں فرماتے ہیں کہ

اس ولایت سے اوپر ملائکہ کی ولایت ہے۔ جسے ولایت علیا کہتے ہیں۔ یہاں ''کمالات ھُوَ الْبَاطِنُ'' کی سیر ہوتی ہے۔ اس ولایت کے حاصل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ تجلی ذات کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس سے بلند تر نبوت ورسالت کے کمالات ہیں۔

سبحان اللہ۔ فائدہ یہ ہے کہ ولایت علیا حاصل ہونے کے بعد اب سالک کے اندر تجلیات ذات کو برداشت کرنے کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لیے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسمِ باطن کے اسرار اظہار کے قابل نہیں ہیں

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اس ولایت میں جو اسرار معلوم ہوتے ہیں وہ توحید وجودی اور توحید شہودی کی طرح نہیں ہیں کہ بیان میں آسکیں، بلکہ یہ اسرار پوشیدہ رکھنے کے ہی زیادہ لائق ہیں اور کسی طرح بھی اظہار کے قابل نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اور بالفرض کسی راز کے اظہار کا قصد کیا بھی جائے تو وہ الفاظ کہاں سے آئیں جن میں یہ اسرار بیان ہوسکیں اور ان اسرار کا معلوم کرنا

بغیر اس شیخ کی توجہ کے ناممکن ہے جس نے اس ولایت میں کمال اتصاف پیدا کیا ہو اور ان اسرار کے فیض سے فیضیاب ہو چکا ہو ورنہ ان اسرار کی دریافت تو بالکل محال ہے۔ میں صرف اس قدر ظاہر کر دیتا ہوں کہ اس منزل میں سالک کا باطن اسم الباطن کا مصداق و مظہر ہو جاتا ہے (سمجھنے والے سمجھ گئے)۔ اور اس ولایت کے وقت سالک کے تمام بدن میں وسعت و فراخی پیدا ہو جاتی ہے اور لطیفے کی کیفیت تمام جسم میں ہوتی ہے۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکتوباتِ مجددیہ کے ترجمے کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ

یہ جو بعض عارفوں نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ اللهَ كَلَّ لِسَانُهُ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی) یہ معرفت اسمِ باطن کے معارف سے وابستہ ہے۔

ولایتِ صغریٰ و کبریٰ و علیا کے اسباق کے بعد کمالاتِ نبوت کا سبق آتا ہے۔ کمالاتِ نبوت کے اس مقام کے بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں:

اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے کمالات خواہ وہ ولایتِ صغریٰ ہو یا ولایتِ کبریٰ یا ولایتِ علیا سب کے سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام کمالات خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے مثال کی طرح ہیں۔ اور روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے (یعنی افضل ہے)۔

یعنی پچھلے سارے کمالات ایک طرف، اور اس سے آگے ایک نکتہ کو طے کر لیا تو اس کی فضیلت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ رب العزت خیر کا معاملہ فرمائے، ہم عاجز مسکینوں کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ عطا فرمائے اور ہمیں معصیت کی ذلت سے نکال کر اللہ رب العزت اپنی عبدیت کا مقام عطا فرمائے، اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

کمالاتِ ثلاثہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

خلاصہ اسباق

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سلوک کی ابتدا عالمِ امر کے لطائف سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد نفس اور قالب پہ ذکر کرتے ہیں جو کہ عالمِ خلق کے لطائف ہیں۔ جب سالک تمام لطائف پر ذکر کر لیتا ہے، تو اس کے بعد تہلیل کا سبق آتا ہے کہ یہ بندہ ماسوا سے تو کٹ گیا، لیکن جو اس کے اپنے اندر ذکر کے اثرات ہیں، اس کی بھی نفی کرے۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو کچھ دیکھا گیا، یا سنا گیا، یا جانا گیا، سب اللہ کا غیر ہے۔ کلمہ لا کے نیچے لا کر اس کی نفی کرنی چاہیے۔ چنانچہ تہلیل کر کے انسان اپنی کیفیات کی بھی نفی کر دیتا ہے۔ اس کے بعد مراقبہ احدیت کا سبق ہے جس میں سالک پر فنا کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ مشائخ نے فرمایا: **اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ** فانی واپس نہیں لوٹتا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ دین کی جڑ مضبوط کر دیتے ہیں۔ سالک پھر ہدایت پر ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہر اس کام سے بچاتے ہیں جو بندے کو اللہ سے دور کرتا ہے۔

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ﴾ (الحجر:۴۲)

''میرے جو بندے ہیں ان پر تیرا داؤ نہیں چلے گا''

والا معاملہ پیش آتا ہے۔

اسماء وصفات کے ظلال میں سیر

اس کے بعد اسماء وصفات کے ظلال میں سیر ہوتی ہے۔ چنانچہ لطیفۂ قلب پہ تجلیات افعالیہ......لطیفۂ روح پہ تجلیات صفاتِ ثبوتیہ......لطیفۂ سر پہ تجلیات شیوناتِ ذاتیہ......اور لطیفۂ خفی پہ تجلیات صفاتِ سلبیہ......اور لطیفہ اخفیٰ کے اوپر تجلیاتِ شان جامع وارد ہوتی ہیں۔ پھر سالک کو اللہ پہ توکل نصیب ہو جاتی ہے۔ بلکہ توبہ، انابت، زہد، ریاضت، صبر، توکل، تسلیم ورضا، جتنے مقام ہیں، یہ سولہویں سبق تک اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اپنی صفات ختم ہو جاتی ہیں اور اللہ کی صفات اس پر غالب آجاتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنی ذات کو بھی گم کر بیٹھتا ہے اور اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں، بس صرف اللہ ہے۔

اس مقام کے بعد بعض اکابر کی زبان سے ایسے الفاظ بھی نکلے جن پر علمائے کرام نے اعتراض کیا۔ ہم ان مشائخ کو معذور سمجھتے ہیں، اس لیے کہ غلبۂ حال میں اگر کوئی لفظ کہہ بیٹھے تو اللہ کی طرف سے معافی کی امید ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ نے مجنون سے قلم کو ہٹا لیا تو یہ بھی تو جنون کی ایک حالت ہوتی ہے، مگر علماء فتویٰ لگائیں گے۔ چونکہ علماء ظاہر پہ فتویٰ لگاتے ہیں اور باطن کے سرائر کو اللہ پہ چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے بزرگ تھے، لیکن ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ علماء نے ظاہر کو دیکھا کہ ان کا قول ٹھیک نہیں ہے، چنانچہ فتویٰ دے دیا۔ مگر ہم امید کرتے ہیں کہ سولی چڑھانے والے بھی جنتی ہوں گے اور سولی پر چڑھنے والے بھی جنتی ہوں گے۔

معیت کے بعد اقربیت

پھر اس کے بعد مراقبۂ معیت کا سبق ہوتا ہے، جس میں

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:۴)

''وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو''

کا دھیان کرتے ہیں۔ اس سبق پر سالک کو اللہ رب العزت کے ساتھ معیت کی حضوری نصیب ہوجاتی ہے۔ معیت کا علم تو سب کو ہے مگر اس کی حضوری ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی، اس سبق میں معیت کی حضوری نصیب ہوجاتی ہے۔ اور مقامِ احسان یعنی

﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ﴾

(بخاری شریف)

''تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ اسے دیکھ رہے ہو''

والی کیفیت سالک کو حاصل ہوجاتی ہے۔

پھر اس کے بعد اقربیت اور محبت کے اسباق ہیں۔ اقربیت میں ایک دائرہ اور محبت میں دو دائرے اور ایک قوس ہیں، جن میں اسباق کرتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر انبیائے کرام کی ولایت ہے تو اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ جو مراقبۂ معیت سے پہلے تھی وہ ولایت صغریٰ تھی۔ بعد میں جو ملی وہ ولایت کبریٰ ہے، چونکہ وہ انبیائے کرام کی ولایت ہے۔ ہر نبی علیہ السلام نبی بھی ہوتے ہیں، ولی بھی ہوتے ہیں۔ نبیؑ اس لیے ہوتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے درجے پہ فائز کیا ہوتا ہے۔ یہ وہبی چیز ہے۔ اور نبیؑ ولی ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کی محبت میں خود محنت کرتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں، مشقت اٹھاتے ہیں، اپنے آپ کو عبادت میں کھپا دیتے ہیں تو ان کا

ولایت میں بھی ایک مقام ہوتا ہے۔ لیکن ان کی ولایت کے ساتھ عام لوگوں کی ولایت کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ چونکہ وہ انبیاء کی ولایت ہے، اس کا نام ولایت کبریٰ رکھا گیا۔ جب سالک اس میں بھی سیر کر لیتا ہے تو اس کے بعد اسمِ ظاہر کا مراقبہ آتا ہے۔ اس کو ظاہر کا سلوک کہتے ہیں۔

اسمِ ظاہر میں جلال و جمال کا مظہر

اسم ظاہر تک جتنا سلوک ہے، ولایت اولیاء اور ولایت انبیاء، یہ سب اسم ظاہر کا سلوک کہلاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے مخلوق کو پیدا کیا، اب مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا ظہور ہے۔ ہر چیز میں ظہور ہے، کہیں جمال کی تجلیات کا ظہور، کہیں جلال کی تجلیات کا ظہور۔ اگر آپ دیکھیں تو پرندے کتنے خوبصورت ہوتے ہیں، کتنی پیاری آوازیں ہوتی ہیں، دیکھ کر محبت ہوتی ہے، وہ اللہ کے جمال کے مظہر ہیں۔ کچھ ایسے جانور ہیں جو اللہ کے جلال کے مظہر ہیں، جیسے شیر کو دیکھیں، چیتے کو دیکھیں یا اور کسی ایسے درندے کو دیکھیں تو انسان گھبراتا ہے، تو وہ جلال کے مظہر ہیں! اس لیے ہمارے اکابر ان چیزوں کو عبرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ امریکہ تشریف لے گئے تو خدام ان کو چڑیا گھر میں لے گئے۔ وہاں بہت سارے شیر تھے۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سارے شیر دیکھے تو پورا ایک گھنٹہ وہیں کھڑے رہے اور فرمانے لگے، مجھے اور کسی چیز کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیر کو ہی دیکھتے رہے۔ وہ اس کو اللہ کے جلال کا ایک نمونہ دیکھتے ہیں۔ اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔

اسمِ ظاہر ان چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی لیے کائنات میں جتنی لذت والی چیزیں ہیں، ان سب کا تعلق اسم ظاہر کے ساتھ ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کا ظہور ہے۔ چنانچہ

میٹھے پھل اور ذائقے دار میوے اور خوشبو دار پھول، یہ سب اللہ کے اسمِ ظاہر کا کمال ہے۔حتیٰ کہ اچھے کھانے میں بھی اسمِ ظاہر کا ہی ظہور ہو رہا ہوتا ہے۔اس میں دنیا میں سب سے زیادہ لذت والی چیز عورت ہے۔عورت کے اندر اللہ نے اس اسم کے ظہور کو نکتۂ کمال تک پہنچا دیا۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھانے سے بھی میں رک سکتا ہوں، پینے سے بھی رک سکتا ہوں، مگر یہ ایک ایسا تعلق ہے کہ عورت سے صبر نہیں کرسکتا۔اس لیے اشتہا والی جتنی چیزوں کا اللہ نے قرآن مجید میں ذکر کیا، ان میں سب سے پہلے عورت کا تذکرہ ہے۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (آل عمران، ۱۴)

''خوشنما معلوم ہوتی ہے اکثر لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی، مثلاً عورتیں''

یہ ''مِنَ النِّسَاءِ'' کا لفظ مہر لگا رہا ہے کہ عورت کو اللہ نے نکتۂ کمال تک جاذبیت عطا کی۔اگر عورت کو یہ مقناطیسیت نہ دی جاتی تو شاید معاشرہ قائم نہ ہو پاتا، یہ پورا معاشرہ ہی اس لیے بن گیا کہ اللہ نے مرد کے دل میں عورت کی اتنی محبت رکھ دی۔

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ)) (نسائی شریف: ۶۱/۱)

''مجھ کو تمہاری دنیا میں سے تین چیزوں سے محبت ہے۔''

فرمایا کہ، ایک خوشبو...... دوسرا نیک بیوی...... اور تیسرا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔اب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں کتنی گہرائی ہے، کتنا عمق ہے؟ قربان جائیں ان معارف پر جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلے۔

دیکھیں خوشبو کوئی میلا بندہ نہیں لگاتا۔عموماً نہا دھو کے خوشبو لگاتے ہیں۔ایسا نہیں کہ کوئی پسینے والا اور گندے کپڑوں والا اپنے اوپر خوشبو چھڑک رہا ہو، اس کو تو پھر پاگل ہی کہیں گے۔ایک اچھا انسان پہلے میل کچیل کو صاف کرتا ہے، پھر صاف کپڑے پہنتا ہے اور اس کے بعد خوشبو کا استعمال کرتا ہے۔خوشبو کے استعمال سے کیا چیز معطر ہوگئی؟ جسم معطر ہوگیا۔پھر جسم کے اندر دو چیزیں رہ گئیں، ایک انسان کا دماغ اور دوسرا انسان کا دل۔انسان کا دماغ خیالات کا مقام ہے، وساوس کا مقام ہے جبکہ دل جذبات کا مقام ہے۔جب بندہ صاف ستھرا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ ملتا ہے تو اس کے دماغ کے خیالات بھی پاکیزہ ہوجاتے ہیں۔اس لیے کہ وہ جو وسوسے تھے، وہ جو شہوت تھی، وہ ساری ختم ہوجاتی ہے۔ملاقات ہوگئی، تو اس سے دماغ پاک ہوجاتا ہے۔اور نماز پڑھنے سے انسان کا دل پاک ہوجاتا ہے۔تو محبوب ﷺ نے پوری شریعت کو تین نکتوں میں سمیٹ کے رکھ دیا کہ دیکھو یہ تین چیزیں مجھے پسند ہیں اور یہ تمہارے جسم کو بھی پاکیزہ کردیں گی، دماغ کو بھی صاف کردیں گی اور دل کو بھی پاکیزہ کردیں گی۔تو اس کو اسم ظاہر کہتے ہیں۔

ولایت ملاءِ اعلیٰ میں ملکوتیت پیدا ہونا

اس سبق کو کرنے کے بعد پھر اسم باطن کا سلوک ہے، جس کو ولایت ملاءِ اعلیٰ کہتے ہیں۔ولایت ملاءِ اعلیٰ کا فیض خاک کو نہیں ملتا۔وہ تین عناصر کو ملتا ہے۔آگ، پانی، اور ہوا۔ان تینوں عناصر کے اوپر ملاءِ اعلیٰ کا فیض آتا ہے۔چنانچہ اسم باطن تک کا مراقبہ کرنے سے اسم ظاہر کا سلوک بھی طے ہوگیا اور ملاءِ اعلیٰ کا سلوک بھی طے ہوگیا۔اب انسان کے اندر ولایت ملاءِ اعلیٰ تک کی استعداد آگئی۔چونکہ اس سے آگے اللہ کی ذاتی تجلیات آنی تھیں، اور تجلیات کے لیے ملکوتیت کی ضرورت تھی اور

اللہ نے وہ ملکوتیت بندے میں پیدا کردی۔ یوں سمجھیں کہ اسمِ ظاہر ایک پر تھا، اور اسم باطن دوسرا پر تھا۔ اللہ نے یہ دو پر دیے کہ تم ان پروں کے ذریعہ میری معرفت کی اس بارگاہ میں سیر کرو۔ چنانچہ اس سے آگے جو اسباق ہیں، وہ کمالات کے اسباق کہلاتے ہیں۔

دفتر سوم، مکتوب ۱۲۸ میں، ولایت علیا تک کے اسباق کے خلاصہ کے بارے میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''بیشک لطائف کا اپنے اصول سے ترقی کرنا ولایت کی شرط ہے ولایتِ صغریٰ میں لطائف کا عروج اسماء وصفات کے ظلال تک ہے اور ولایتِ کبریٰ میں اسماء وصفات کے اصول تک ہے، عالمِ امر کے لطائف کا عروج ولایتِ کبری تک ہے بلکہ ولایتِ کبری کے دائرہ اولیٰ تک زیادہ تر معاملہ عالمِ خلق کے ساتھ ہے ولایتِ کبریٰ کے باقی دائروں سے نفس کا حصہ ہے اور عناصرِ اربعہ کا حصہ ولایتِ علیا وکمالات نبوت سے ہے۔''

کمالاتِ نبوت میں قدم رکھنے پر ظلال سے رہائی

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۳۰۲ میں فرماتے ہیں:

'' جان لیں کہ ولایت سے مراد قرب الٰہی جل سلطانہ ہے جو ظلیت کی آمیزش کے بغیر ممکن نہیں، اور حجابات کے پردوں کے بغیر حاصل نہیں۔ اگر اولیاء کی ولایت ہے تو ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگرچہ ظلیت سے نکل چکی ہے لیکن اسماء و صفات کے حجابات کے پردوں کے بغیر متحقق نہیں ہے۔ اور ولایت ملأ اعلیٰ

علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ اسماء وصفات کے حجابات سے بلند و برتر ہے لیکن شیون واعتبارات ذاتیہ کے حجابات اس میں بھی موجود ہیں۔ یہ صرف نبوت و رسالت ہی ہے کہ جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہے اور صفات واعتبارات کے سب حجابات راستے ہی میں رہ جاتے ہیں، لہذا لازمی طور پر نبوت ولایت سے افضل ہوئی اور قرب نبوت ذاتی اور اصلی ہے۔''

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جاننا چاہیے کہ تجلیٔ ذاتی دائمی میں تین مرتبے مقرر کیے گئے ہیں۔

اصل تک وصول کے تین مراتب ہیں جن کو دائرۂ کمالاتِ نبوت، دائرہ کمالاتِ رسالت اور دائرہ کمالاتِ اولوالعزم سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ آج کی گفتگو انھی تین دوائر کے بارے میں ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ایسا ہے کہ پڑھ کر انسان کا دل خوش ہو جاتا ہے، سبحان اللہ۔

ہزار سال کے بعد کمالاتِ نبوت کا ظہور ثانی

کمالات کے اسباق کے معارف اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بخشے ہیں۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۳۰۱ میں فرماتے ہیں کہ

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب کے بعد بہت کم حضرات اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اگرچہ جائز ہے کہ کسی دوسرے کو بھی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے سرفراز کیا

جائے۔ پھر فرماتے ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے کبار تابعین پر بھی اپنا پرتو ڈالا ہے اور اکابر تبع تابعین پر بھی سایہ فگن ہوئی ہے۔ بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہوگئی حتیٰ کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے الفِ ثانی (دوسرے ہزار سال) کی باری آگئی اور اس وقت پھر وہ دولت تبعیت و وراثت کے طور پر منصۂ شہود میں آگئی اور آخر (زمانے) کے مشابہ بنادیا ہے۔

اگر پادشہ بردرِ پیرزن　　بیاید توائے خواجہ سَبلت مکن
(اگر بادشاہ آئے بُڑھیا کے گھر　　توائے خواجہ، ہرگز تعجب نہ کر)

دفتر اول، مکتوب ۲۶۰ میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ منصبِ نبوت حضرت خاتم الرسل وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات پر ختم ہو چکا ہے، لیکن اس منصب کے کمالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابعداروں کو بھی پورا پورا حصہ حاصل ہے۔ یہ کمالات طبقۂ صحابہؓ میں بہت زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی یہ دولت (یعنی کمالاتِ نبوت) کچھ نہ کچھ سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد یہ کمالات پوشیدگی میں چلے گئے اور ولایتِ ظلی (ولایت صغریٰ) کے کمالات کا غلبہ جلوہ گر ہوگیا۔ لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سرِنو تازہ ہو کر غلبہ وشیوع (عموم) حاصل کرلے اور کمالاتِ اصلی ظہور میں آئیں اور ظلی پوشیدہ ہو جائیں، اور مہدی علیہ الرضوان اس نسبت عالیہ کو ظاہر و باطن کے ساتھ رواج دیں۔

چنانچہ تبع تابعین کے دور کے بعد ان کمالاتِ نبوت کے معارف کو مخفی کر دیا گیا تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہزار سال کے بعد پھر رب کریم نے اس امت کے کمزوروں پر احسان فرماتے ہوئے ان کمالات کو امت کے اندر دوبارہ زندہ کر دیا۔ چنانچہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ جو مجدد الف ثانی کہلاتے ہیں، ہزار سال کے مجدد اس لیے بنتے ہیں کہ ان کے ذریعہ یہ کمالات پھر عام ہوئے۔ ورنہ اس سے پہلے سلسلہ نقشبندیہ کے سارے بزرگ سولہ سبق کرتے تھے۔ سلوک طے ہو جاتا تھا۔ اوپر کے معارف کا پتہ نہیں تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو انوارات حاصل نہیں تھے۔ انوارات تو سب کو اجمالاً حاصل تھے، لیکن تفصیل نہیں تھی۔ اور یہ تفصیل اور علم کا ہونا بھی ایک نعمت ہے، معرفت ہے۔ چنانچہ وہ تفصیل جو چھپی ہوئی تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر کھولی اور انہوں نے کمالاتِ نبوت کے معارف کو کھول کھول کر بیان فرمایا۔ اللہ رب العزت نے ان کمالات کو دوبارہ اس لیے بھیجا ہے کیونکہ امام مہدی نے آنا ہے اور انہوں نے کمالاتِ نبوت کے ساتھ دین کا کام کرنا ہے۔

کمالاتِ نبوت منصب نبوت سے مختلف ہیں

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۳۰۱ میں فرماتے ہیں:

نبوت سے مراد وہ قرب الٰہی ہے جس میں ظلیت کا کچھ بھی شائبہ نہیں۔ اس قرب کا عروج حق جل وعلا کی طرف رخ رکھتا ہے، اور اس کا نزول مخلوق کی طرف۔ یہ قرب بالاصالت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا نصیب ہے اور یہ منصب انہی بزرگوں علیہم الصلوات والبرکات کے ساتھ مخصوص ہے، نیز یہ منصب حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا

ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتحیۃ بھی نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کریں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ (جس طرح) متبعین اور خادموں کو اپنے مالکوں کی دولت اور ان کے پس خوردہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے (اسی طرح) انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی دولت قرب سے ان کے کامل متبعین کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے نیز اس مقام کے علوم ومعارف اور کمالات سے وراثت کے طریق پر کامل متبعین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

خاص کندہ بندۂ مصلحت عام را

''عام کے فائدے کو خاص آیا''

پس آنحضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کے متبعین کو تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ (آل عمران، ۶۰) (پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں)۔

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ان کمالات کو حاصل کرنے سے کوئی امتی نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچ جاتا، جیسا کہ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ۱۹۲ دفتر اول میں واضح کیا۔ فرماتے ہیں کہ

امت کے بعض خاص افراد کو تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کے حاصل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص فرد نبی ہوجائے یا نبی کے برابر ہوجائے کیونکہ کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے اور منصب نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق حضرت عالی

(مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے مکتوبات قدسی آیات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

لیکن انبیائے کرام کی اتباع کی برکت سے جو ان کے متبعین تھے، وہ ان کے وارث بنے۔ اب وارث کو مورث کی وراثت میں حصہ تو ملتا ہے۔ انبیائے کرام کی اس نعمت میں سے جو ان کو ملی، اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے متبعین کو بھی یہ نعمت عطا فرمادی۔

تبعیت ووراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھلنا

مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر اول مکتوب ۲۸۱ میں فرماتے ہیں:

اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلسلوں میں سات قدموں سے بہتر ہے یعنی سات قدم ترقی کرنے سے بہتر ہے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھل جاتا ہے جو اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے طریقوں کی انتہاء صرف کمالات ولایت کی نہایت تک ہے، اس سے آگے کمالاتِ نبوت کی طرف کوئی راہ نہیں کھلتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحریر کیا ہے کہ ان (نقشبندیہ) بزرگواروں کا طریقہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے، چنانچہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم وراثت کے طور پر کمالات نبوت سے حظِ وافر رکھتے ہیں، اور اس طریقہ کے منتہی بھی تبعیت کے طور پر ان کمالات سے کافی حصہ

پالیتے ہیں۔ وہ مبتدی اور متوسط جنہوں نے اس طریق کو (اپنے اوپر) لازم کرلیا اور اس طریقے کے منتہیوں کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں وہ بھی امیدوار ہیں (جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری: ۴/ ۴۸) (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے) دور پڑے ہوئے لوگوں کے لیے یہ ایک بشارت ہے۔

فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ کمالاتِ نبوت تو ان لوگوں کو ملیں گے جو کاملین ہوں گے۔لیکن جو مبتدی و متوسط ہیں، چونکہ وہ منتہی حضرات سے محبت رکھتے ہیں، اس محبت کے صدقے وہ بھی اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

شریعت تمام کمالات کی اصل ہے خواہ وہ کمالاتِ نبوت ہوں یا کمالاتِ ولایت

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۶۰ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''میرے مخدوم! کمالاتِ ولایت شریعت کی صورت (ظاہر) کا نتیجہ ہیں اور کمالاتِ نبوت شریعت کی حقیقت (باطن) کا پھل ہیں، پس ولایت ونبوت کے کمالات میں سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو شریعت کے دائرہ سے باہر ہو اور وہ اس (شریعت) سے بے نیاز ہو۔''

کمالاتِ ولایت شریعت کا ظاہر ہیں۔ اور کمالات نبوت شریعت کا باطن ہیں۔تصوف کے راستے میں کوئی چیز ایسی نہیں جو دائرۂ شریعت سے باہر ہوتی ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ طریقت شریعت کی خادمہ ہے۔شریعت اصل ہے۔فرماتے ہیں

کہ کوئی کمال ایسا نہیں ہے کہ وہ شریعت کے دائرے سے باہر ہو اور وہ اس شریعت سے انسان کو بے نیاز کرتا ہو۔

اس مقام میں صورتِ شریعت سے حقیقتِ شریعت کی طرف ترقی ہوتی ہے

دفتر اول مکتوب ۲۰۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ان تینوں ولایتوں (یعنی ولایت اولیاء و انبیاء و ملائکہ علیہم السلام) سے گزرنے کے بعد کمالاتِ انبیا علیہم الصلوات والبرکات میں سیر شروع ہوتی ہے جو کہ اصالت کے طور پر انبیاء علیہم البرکات والصلوات کا حصہ ہے اور تبعیت کے طور پر ان کے وارثین کو (بھی) اس میں سے حصہ ملتا ہے، اس مقام میں عارف صورتِ شریعت سے حقیقتِ شریعت کی طرف ترقی کرتا ہے اور صورتِ اعمال سے حقیقتِ اعمال تک پہنچتا ہے، پہلے ترقیات اعمال کی صورت کے ساتھ وابستہ اور ان کا نتیجہ تھیں اور اس مقام میں عروج (ترقی) اعمال کی حقیقت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور (عارف) حقیقت کے ثمرات و نتائج حاصل کرتا ہے، یہاں سے کمالاتِ ولایت اگرچہ وہ ولایتِ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات ہی کی ہو اور کمالاتِ نبوت میں فرق معلوم کر لیجیے کہ صورت کا حقیقت کے مقابلہ میں کیا قدر و اعتبار ہے۔

جتنا حقیقت میں اور ظاہر میں فرق ہوتا ہے، اتنا ہی فرق ان دونوں میں ہے کہ اس سے پہلے سالک ظاہرِ شریعت کے علوم جانتا تھا، اب باطنِ شریعت کے علوم کو

جانے گا۔ چنانچہ کمالاتِ نبوت ایک عجیب اور نیا میدان ہوگیا۔ ہر عمل کی حقیقت کا یہاں پتہ چلے گا۔ اس سے پہلے صرف ظاہر عمل کے بارے میں معلومات تھیں۔ مثال کے طور پر ایک بندہ عالم کے پاس جاتا ہے، نماز کے مسائل سیکھتا ہے، نماز یاد کرتا ہے، نماز پڑھنی شروع کرتا ہے۔ ان سب چیزوں کو نماز کا ظاہر کہیں گے۔ کیونکہ اس کو ابھی نماز کے باطن کی کوئی کیفیت نہیں ملی۔ اب جو نماز کی حضوری ہے، یہ نماز کا باطن کہلائے گی۔ اس سے پہلے پہلے جو کھلا وہ ظاہر کے بارے میں تھا اور اب کمالاتِ نبوت کے مقام میں حضوری کے بارے میں کھولیں گے کہ حضوری میں کمال کیا ہوتا ہے۔

ان کی آپس میں نسبت کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں کہ

روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے۔

یعنی کمالاتِ نبوت کے اس دائرے میں ایک نقطہ کی ترقی کامل جانا کمالاتِ ولایت کی تمام ترقیات سے زیادہ افضل ہے۔

کمالاتِ ولایت کلمہ طیبہ کے جزءِ اول اور کمالاتِ نبوت جزءِ ثانی کے ساتھ وابستہ ہے

انہی نکتوں کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر دوم، مکتوب ۴۶ میں بہت اچھے انداز سے کھولا ہے، سبحان اللہ۔ فرماتے ہیں:

پس کمالاتِ ولایت اس کلمۂ طیبہ کے جزوِ اول کے ساتھ کہ نفی (لا الہ) و

اثبات (الا اللہ) سے وابستہ ہوئے۔ (یہ کمالات ولایت ہیں۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا جو جزو اول لا الہ ہے اس کو نفی کہتے ہیں اور الا اللہ کو اثبات کہتے ہیں۔ نفی اثبات کے ساتھ ولایت وابستہ ہے۔ باقی رہا اس کلمۂ مقدسہ کا جزو دوم جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رسالت کا اثبات ہے، یہ جزوِ آخر شریعت کی تکمیل کرنے والا ہے اور جو کچھ کہ ابتدا یا وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم و رسم تھا، لیکن شریعت کی حقیقت کا حصول اسی مقام میں ہوتا ہے جو مرتبۂ ولایت کے وصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات جو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی تبعیت و وراثت کے طور پر ان کے کامل تابعداروں کو حاصل ہوتے ہیں وہ بھی اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں اور طریقت و حقیقت جو ولایت کے حاصل ہونے کا سبب ہیں گویا وہ حقیقت شریعت اور کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے لیے شرائط ہیں۔ (یعنی کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے لیے شرائط ہیں۔ اللہ اکبر۔) ولایت کو طہارت (وضو) کی طرح جاننا چاہیے اور شریعت کو نماز کے مانند۔ (سبحان اللہ! کن خوبصورت الفاظ میں بات کو کھولا ہے کہ اب تک تو بندے نے اپنے آپ کو پاک کیا کہ مجھے وہ کمالات ملیں جو حقیقت شریعت ہیں۔ اللہ اکبر!) گویا طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور حقیقت میں نجاسات حکمیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ (سالک) طہارتِ کاملہ کے بعد احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے لائق ہو جاتا ہے تا کہ ایسی نماز ادا کرنے کی قابلیت حاصل ہو جائے جو مراتبِ قرب کی نہایت، دین کا

ستون اور معراجِ مومن ہونے کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔ میں نے اس کلمۂ مقدسہ کے جزوِ آخر کو ایک بحرِ بیکراں پایا ہے (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معارف ہیں، اس کو بحرِ بیکراں پایا ہے)، اور اس کا جزو اول اس کے مقابلہ میں قطرہ معلوم ہوتا ہے۔ (جو کمالاتِ ولایت تھے، کمالاتِ ولایتِ انبیاء تھے، کمالاتِ ولایتِ ملاءِ اعلیٰ تھے، وہ سارے کے سارے قطرہ کی مانند تھے جبکہ کمالاتِ نبوت بحرِ بیکراں کی مانند ہیں۔) ہاں ولایت کے کمالات، نبوت کے کمالات کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور ذرہ کی آفتاب کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے۔

کمالاتِ نبوت حاصل ہونے کی علامت: حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

جب کمالاتِ نبوت کے اسباق کرتے ہیں تو ان میں انسان کو کمال کب حاصل ہوتا ہے؟ مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۳ میں فرماتے ہیں کہ:

کمالاتِ نبوت کے حاصل ہونے کی علامت اس حدیث کا مضمون ہے جو وارد ہوئی ہے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (سنن کبریٰ للبیهقی: ۲۰۹)۔ (تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک ہرگز کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے)۔ یہ حدیث مبارکہ بتارہی ہے کہ جب سالک کی کیفیت اس حدیث مبارکہ کے مطابق ہوجائے تب وہ احکامِ شرعیہ کا ماننے والا بن سکتا ہے۔ احکامِ شرعیہ یعنی اوامر و نواہی مقتضائے طبیعت بن جائیں اور

خواہشِ نفس ان سے موافقت کرے۔

یہ ان اسباق کے فیض حاصل ہونے کی دلیل ہے۔ یعنی ان اسباق میں انسان کا نفس ہی یہ چاہتا ہے کہ شریعت پر عمل ہو۔ دوسرے الفاظ میں مکروہاتِ شرعیہ مکروہاتِ طبعیہ بن جاتی ہیں۔ جو شریعت نے ناپسند کیا، طبیعت بھی اس کو ناپسند کرتی ہے۔ انسان کو بے حیائی بری لگتی ہے، فسق و فجور سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ظلم برا لگتا ہے، ناانصافی طبعاً بری لگتی ہے، طبیعت ہی ایسی ڈھل جاتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

بیشک کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کیا نسبت، کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کے زینے اور اس کے ظلال اور نمونے ہیں، اصل تک پہنچنے کے وقت میں ظل و نمونہ سے استغفار ہے۔

جس کو عالمِ خلق سے زیادہ مناسبت ہوگی، اس کا قدم کمالات نبوت میں زیادہ ہوگا

مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں:

جس عارف کو عالمِ امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالمِ خلق سے زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بہت زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ولایت میں بیشتر قدم رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم زیادہ تر نبوت میں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ میں (عالمِ) امر کی نسبت غالب ہے جس کی وجہ سے وہ روحانیوں سے ملحق

ہو گئے اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رخ عالمِ خلق کی طرف غالب ہے، لہٰذا انہوں نے مشاہدہ پر اکتفا نہ کر کے رؤیتِ بصری کی درخواست کی۔

کمالاتِ نبوت میں عالمِ خلق کا حصہ

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم کے مکتوب ۹۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے بھائی! کمالاتِ نبوت سے بہت زیادہ حصہ عالمِ خلق کے لئے ہے۔ عالمِ امر نے کمالاتِ ولایت سے اپنا پورا حصہ حاصل کرلیا ہے اور فناء وبقا کو پہنچ گیا ہے، اب عالمِ خلق کی باری آئی ہے اور اس کی پستی اس کی بلندی کا سبب بن گئی ہے۔

خاک شو خاک تا بروید گُل   کہ بجز خاک نیست مظہرِ گل

(بالکل مٹی ہوجا تاکہ پھول اگیں کیونکہ مٹی کے بغیر پھول پیدا نہیں ہوتا)

فنائے نفس کا کمال کمالاتِ نبوت سے وابستہ ہے

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم کے مکتوب ۸۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر اس معنی میں کہیں کہ فنائے نفس کی ابتداء ولایت صغریٰ میں ہے (یعنی فنائے قلبی کی تو انتہاء ہے لیکن فنائے نفس کی ابتدا ہے) اور اس کا کمال ولایتِ کبریٰ تک پہنچنے سے بلکہ عناصرِ اربعہ کے اعتدال کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ کمالاتِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں تو درست ہے کیونکہ ولایتِ صغریٰ میں

اگرچہ ایک گونہ فنا واطمینان حاصل ہوجاتا ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ نفس اپنے برے اوصاف سے بالکل مبرا ہوجائے اور اخلاق ذمیمہ سے پوری طرح خالی ہوجائے۔

توفنائے نفس میں کمال درحقیقت کمالاتِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔

۴ عنصرِ خاک کا عروج ونزول

مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں:

''اور لطائفِ انسانی کے درمیان عنصر خاکی کو بھی اصالت کے طور پر ان کمالات کا کافی حصہ حاصل ہے۔اور تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالمِ امر سے ہوں یا عالمِ خلق سے، سب کے سب اس مقام میں اسی عنصرِ پاک کے تابع ہیں اور اس کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے لازمی طور پر ''خواصِ بشر'' ''خواصِ ملائکہ'' سے افضل ہو گئے، کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو میسر ہوا ہے کسی کو بھی میسر نہیں ہوا۔''

اسی مکتوب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ جس طرح مراتبِ عروج میں عنصرِ خاک سب سے بالا جاتا ہے، اسی طرح منازلِ ہبوط میں بھی وہ عنصر (خاک) سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اور کیوں نیچے نہ آئے جبکہ اس کا مکان طبعی سب سے نیچے ہے اور چونکہ وہ (عنصر خاک) سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اس

لئے اس کے صاحب (بشر) کی دعوت اتم ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی اکمل ہوتا ہے۔

یعنی لطیفۂ نفس کا زیادہ مناسبت کی وجہ سے عروج بھی کامل ہوتا ہے اور جب نزول ملتا ہے تو نزول بھی کامل ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفس سب سے نیچے سے چلا تھا، سب سے گندہ تھا جبکہ باقی سب لطائف اوپر تھے۔ یہ نیچے سے چلا اور سب سے اوپر پہنچا۔ اب جب واپس آئے گا، سب سے نیچے جائے گا، پس اس کا نزول کامل ہوگا۔

لہٰذا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ دعوت کے کام کے لیے مخصوص فرما دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ذمے دعوت کا کام ہوتا ہے۔ ظاہر دیکھو تو بالکل عام آدمی کی طرح ہوتا ہے، لیکن باطن دیکھو تو اللہ کے ساتھ ایسا جڑا ہوتا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت کا امکان نہیں رہتا۔ یہ انبیاء کرام کی صفت تھی کہ وہ ظاہر میں اس طرح سادہ ہوتے تھے کہ لوگوں کے لیے پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ پوچھتے تھے کہ

مَنْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ؟

لوگو! تم میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں؟

اتنی سادہ اور عام زندگی تھی، حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے لوگ بہت دانا لوگ تھے، لیکن انہوں نے بھی دیکھا تو پہچان نہ کر پائے کہ آنے والے دو میں سے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ کافروں کو یہی تو دھوکہ لگتا تھا:

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۷)

''یہ کیسے رسول ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔''

اس لیے کہ ان کی ظاہری زندگی عام آدمی کی مانند تھی، اگر نہ ہوتی تو ان کی ہر سنت پر بندے کے لیے عمل کرنا ممکن نہ رہتا۔ تو یہ راز تھا جس وجہ سے نزول کامل

تھا۔ظاہراً بالکل عام بندے کی زندگی تھی۔لہٰذا ہر بندہ ان کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرسکتا ہے۔

کمالات میں کیا حاصل ہوتا ہے؟

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شہود و مشاہدہ ظلال کے ساتھ وابستہ ہے اور درک و وصل اس جگہ تک ہے کہ (جس پر) اصل کا اطلاق ہے اور جب معاملہ ظلال سے بڑھ جاتا ہے اور اصل بھی ظل کی مانند راہ میں رہ جاتی ہے تو معاملہ غیب الغیب سے جا پڑتا ہے اور سابقہ معاملات پراگندہ ہو جاتے ہیں اور ایمانِ شہودی ایمان بالغیب کے ساتھ بدل جاتا ہے اور لذت وحلاوت، ذوق وشوق کی بجائے بے کیفی اور درد وغم آ جاتا ہے۔ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَائِمَ الْحُزْنِ، مُتَوَاصِلَ الْفِكْرِ۔ شمائل ترمذی: ۲۲۵ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مغموم اور متواتر فکر مند رہتے تھے)۔

ولایتِ اولیاء اور ولایتِ انبیاء میں ایمان شہودی بن جاتا ہے۔ پھر طبیعت کے اندر انشراح ہوجاتی ہے اور انسان کو اطمینان ہوجاتا ہے۔طبیعت کو شریعت کے اوپر اطمینان ہوجاتا ہے۔ جب معاملہ آگے کمالاتِ نبوت میں جاتا ہے تو یہ طمانیت ختم ہوجاتی ہے۔اس کا تعلق ظلال کے ساتھ تھا، اب اصل میں آ گئے۔فرماتے ہیں کہ جب اصل میں آتے ہیں تو وہاں غیب الغیب کا معاملہ ہے۔جب غیب الغیب کا معاملہ ہے تو اب سالک کے اوپر جو خوشیاں تھیں، وہ ساری کی ساری اس کے غم میں تبدیل

ہو جاتی ہیں۔ یہ وجہ تھی کہ نبی علیہ السلام دَائِمَ الْحُزْنِ، مُتَوَاصِلَ الْفِکْرِ تھے، کہ وہ جو ہر وقت محزون رہا کرتے تھے یہ ان کا ایمان غیب الغیب تھا۔ یعنی غیب کی انتہا ان کو حاصل تھی۔ اور اسی کیفیت کے اوپر پھر بندے کی اس دنیا سے رخصتی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر وہ یقین کامل رکھتا ہے، مگر دل اس کا حزن میں ہوتا ہے، غم میں ہوتا ہے۔ غیب الغیب کی یہ ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں:

ان بزرگوں کی لذّت محبوب کی اطاعت میں ہے اور بس اور ان کا انس اس کی بندگی پر موقوف ہے قُمْ یَا بِلَالُ فَاَرِحْنَا بِالصَّلٰوۃِ۔ سنن ابی داؤد:۴۹۸۶ (اے بلال اٹھو اور ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ) اسی کی طرف اشارہ ہے اور قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (نسائی:۱/۶۱)۔ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اسی کا ایک رمز ہے، دوسرے حضرات شہود کی لذت کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں اور وصال کے خیال پر فریفتہ ہیں اور ان حضرات نے اس شہود سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور اس وصال کو خیال تصور کر کے غیب کے ساتھ جو کہ شہود پر ہزاروں درجہ فضیلت رکھتا ہے، مطمئن ہیں اور کمر ہمت کو اس کی بندگی پر چست باندھے ہوئے ہیں۔ تحریمہ اولیٰ (تکبیرِ اولیٰ) کو جیسے وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں، تجلیات و ظہورات سے بہتر جانتے ہیں اور خشوع (عاجزی) اور سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے کو کہ حدیث شریف مَتِّعْ بَصَرَكَ بِمَوْضِعِ سُجُوْدِكَ (تو اپنی نگاہ کو اپنے سجدوں کی جگہ پر رکھ) جس پر دال ہے اور آیت کریمہ ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (المومنون۔۱،۲) "وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں" جس کی مخبر ہے

شہود ومشاہدہ سے زیادہ تصور فرماتے ہیں۔

پہلے نماز کے اندر بڑا ذوق اور بڑی مستی کا حال تھا، آنکھیں بند ہیں اور نماز میں لطف آرہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب ظلال کے ساتھ معاملہ تھا۔ جب اس سے اوپر بندہ چلا جاتا ہے تو اذواق کا معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ اب ان کو فقط بندگی میں لذت ملتی ہے اور وہ بندگی چونکہ شریعت ہے، لہٰذا ان کے نزدیک بہتر ہوتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو بند کرنے کی بجائے اپنی نظر کو سجدے کی جگہ پر رکھیں۔ اپنی نظر کو رکوع والی جگہ پر رکھیں۔ اپنی نظر کو اس جگہ رکھنا جہاں شریعت نے حکم دیا ہے ان کے نزدیک زیادہ اہم ہوجاتا ہے بہ نسبت اس یکسوئی کے جو پہلے ولایت کے درجے میں حاصل تھی۔ شریعت کی حقیقت تو یہاں آکے کھلتی ہے کہ آخر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمل کیا تو اس میں کیا راز تھا؟

کمالات کے مقام پر شوق وحلاوت اور زبان کا گنگ ہونا

مکتوبات معصومیہ کے دفتر اول مکتوب ۸۴ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تک سالک کی سیر اصول (یعنی ولایت) میں ہے، شوق وحلاوت و معرفت اور اسرار معارف بیان کرنے میں زیادہ بولنے اور احاطہ وسریان و اصالت وظلیت اور مرآتیت (آئینہ ہونا) کی نسبت کے ثابت کرنے وغیرہ کی گنجائش ہوتی ہے اور جب معاملہ اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور (سالک) اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دیتا ہے تو كَلَّ لِسَانُهٗ (زبان گونگی ہوگئی) کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔ اور مذکورہ نسبت پوشیدہ ہوجاتی ہے۔ مَا

لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ، (خاک کو رب الارباب سے کیا نسبت؟) اور یہ معرفت وحلاوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں اگر علم اور لذت حاصل کرنا ہے تو وہ دوسری وجہ سے ہے، یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کو جہل وحیرت سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا)۔

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ

مکتوبات معصومیہ کے دفتر اول مکتوب ۱۰۹ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نسبتِ باطن جسقدر جہالت کی طرف لیجاتی ہے اسی قدر زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا ہے اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ (ادراک کے حاصل کرنے سے عاجز ہو جانا ہی ادراک ہے۔)

یہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہمارے سلسلہ کی بنیاد ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک یہ ہے کہ بندہ مقام طے کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ جہاں یقین ہو جائے کہ میں اللہ کا ادراک حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ کے ادراک سے عاجز آ جانا یہی اللہ کا ادراک ہے۔، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! میں تو آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا، فرمایا: یہی تو مقامِ شکر ہے کہ تم محسوس کرو کہ میری نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ تم شکر ہی ادا نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ! میری زندگی کے سارے عمل آپ کی اس چھوٹی سی نعمت کے مقابل میں نہیں ہو سکتے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلْاٰنَ شَكَرْتَنِيْ﴾ موسیٰ علیہ السلام اب آپ نے میرا شکر ادا کیا۔

تو شکر کے معاملے میں انسان جس طرح عاجز آ جاتا ہے کہ اے اللہ! میں تیرا شکر ادا نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب تو شاکر بن گیا۔ اسی طرح ادراک کے بارے میں بھی سالک مقام طے کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں کہتا ہے کہ نہیں، وہ پروردگار میرے ادراک سے بلند ہے۔ جب دل نے کہہ دیا کہ وہ ادراک سے بھی بلند ہے، اب اللہ کی بلندی کو ہم نے صحیح طرح سمجھ لیا، وہ انسان کے وہم و گمان سے، ادراک سے، ہر چیز سے بلند ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

<u>اور یہ ظاہر کا پیاسا ہونا اور نہ پانا اسوقت تک ہے جب تک کہ ظاہر کا</u> کارخانہ قائم ہے۔ (یعنی جب تک اسمِ ظاہر کے سلوک میں ہے، یہ حلاوت، یہ لذت، یہ شوق، یہ آہیں، یہ ساری چیزیں وہاں تک ہیں۔ اس کے بعد جہاں کمالاتِ نبوت ہیں وہاں معاملہ کچھ اور ہے۔) اور جب اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور الرحیل (کوچ) کی آواز پہنچ جاتی ہے تو باطن میدان خالی پا کر سینکڑوں آب و تاب کے ساتھ بے پردہ ظہور کے جلوہ میں آ جاتا ہے اور مدرک ہو جاتا ہے اور مطلوب کی نسبت کے ہم آغوش ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا حجاب جو کہ اس نسبتِ ظاہر کی وجہ سے تھا کوچ کر گیا اور نیز چونکہ موت قیامت کے مقدمات (پہلے آنے والی چیزوں) میں سے ہے، مشہود اس جگہ اتم و اکمل ہے اور ظلیت سے دور اور اصالت سے نزدیک تر ہے اور چونکہ نیند کو موت کے ساتھ بھائی چارہ اور مناسبت

ہے (اس لئے) بعض خوش نصیبوں کو نیند کے وقت میں ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو کہ موت کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے اور بیداری کی حالت پر فوقیت رکھتی ہوتی ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

جان لیں کہ جب برزخ صغریٰ (قبر) کا معاملہ انجام کو پہنچ جائے گا اور برزخِ کبریٰ (قیامت) ظاہر ہوگی اور منتشر اجزاء اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کریں گے اور معاملہ خلل سے رہائی پائے گا اس وقت میں قرب کی دولت بالاصالت بدنِ عنصری کے لئے ہوگی اور آیتِ کریمہ ﴿وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص۔۵) (اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین (ملک) میں کمزور کیا جارہا تھا اور ان کو پیشوا بنادیں اور ان کو وارث بنادیں) کے مصداق اس نامراد غمگین بدن کو جو کہ کتنی ہی دنیاوی محنتیں اور شدتیں دیکھے ہوئے اور مخلوق کی زیادتی اور ایذا رسانی برداشت کیے ہوئے اور اوامر و نواہی کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا اور موت کی تلخی چکھے ہوئے اور قبر کی خاکساری کے ساتھ موافقت کیے ہوئے اور فراق کی آگ اور شوق کی سوزش کے ساتھ جلا ہوا ہے، سینکڑوں خوبی و ناز کے ساتھ مخلوقات کے معرکہ میں تختِ سلطنت پر بٹھادیں گے اور نہایت عزت و جاہ کے ساتھ اس کو عالمِ امر کے لطائف کا امام و پیشوا بنادیں گے۔

فرماتے ہیں کہ یہاں تو عالمِ امر کے لطائف ہیں، لیکن جب ہم قیامت کے دن

پہنچیں گے تو اس وقت انسان کے عنصر خاک کی وجہ سے انسان کے بدن کو عالمِ امر کے لطائف سے بھی اونچا مقام عطا فرمادیا جائے گا۔

کمالات کی بے رنگی

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا قول مقاماتِ مظہری میں منقول ہے کہ

نسبت مجددیہ کی لطافت و بے رنگی لوگوں کے انکار کا سبب ہوتی ہے، لہٰذا جب سالک کی سیر کمالات کو پہنچتی ہے تو مجھے تردد ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ طریقہ ہی ترک کردے۔

یعنی ان مقامات میں اتنی بے حلاوتی ہوجاتی ہے کہ سالک محسوس کرتا ہے کہ شاید میرے پاس کچھ رہا ہی نہیں ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ

ان شاء اللہ تعالیٰ اگر عمر نے وفا کی تو سالکوں کو مقامات سافلہ سے مقامات عالیہ پر پہنچادوں گا، اصل مقصد تو خدا کا بننا اور متبع سنت ہونا ہے جو ہر مقام میں حاصل ہے۔

کمالاتِ نبوت میں کیا اعمال فائدہ دیتے ہیں

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

کمالاتِ نبوت کے اسباق میں قرآن مجید کی تلاوت ترتیل کے ساتھ اور نماز پورے آداب کے ساتھ اور وہ اذکار جو حدیث شریف سے ثابت ہیں، اس مقام میں ترقی بخشتے ہیں۔ علم حدیث کے شغل سے اور سنت رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے اس مقام میں قوت اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔

اور ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ ۔(النجم۔۹) (دو کمانوں کا فاصلہ بلکہ اس سے بھی کم) کے راز کی حقیقت اس دائرہ میں منکشف ہوتی ہے۔

کمالاتِ نبوت کے سبق کو کرتے ہوئے جو حدیث پڑھانے والے حضرات ہیں ان کو اس مقام کی بہت زیادہ کامل کیفیت نصیب ہوجاتی ہے اور قاب قوسین کی حقیقت ان پر کھلتی ہے۔اب بتائیں، آج تک تو بعض لوگ یہی سمجھتے رہے کہ تصوف تو قصے کہانیاں ہیں، وہ تو عجمی چیز ہے۔مگر یہ تو خالص عربی چیز نکل آئی چونکہ وہ فرماتے ہیں جو حدیث پڑھانے والے ہوں، ان کی ترقی اس مقام سے آگے ہوتی ہے، سبحان اللہ۔

مکتوبات معصومیہ کے دفتر اول مکتوب ۷۴ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب معاملہ ظلال اور اصول کے مراتب سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصل کو بھی ظل کی طرح چھوڑ دیتا ہے اور کمال بلندی اور عدم تمیز کی وجہ سے حیرت وجہل تک پہنچ جاتا ہے تو جو معاملہ کلمہ طیبہ کے ساتھ وابستہ تھا تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور اس مقام میں اس کلمہ کی تکرار کوئی فائدہ نہیں دیتی، اس مقام میں ترقی، درجات کے فرق کے مطابق، نماز اور تلاوتِ قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت قدسنا اللہ بسرہ الاقدس سے سنا گیا ہے کہ اس وقت میں اگر کلمہ طیبہ کا تکرار اس لحاظ سے کیا جائے کہ یہ بھی قرآن مجید کا لفظ ہے اور ابتدا تعوذ سے (اعوذ باللہ الخ پڑھ کر) کی جائے تو قرآن مجید کی تلاوت کا ثمرہ اور اس کا فائدہ دیتا ہے۔

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۹۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! قرآن مجید کی تلاوت اور نمازوں (نوافل) کا ادا کرنا اس مقام میں ترقی بخشنے والا اور فائدہ مند ہے، جیسا کہ دوسرے اذکار یعنی کلمہ طیبہ کا تکرار اور ذکر قلبی و مراقبہ سابقہ مقامات میں جو ولایتِ ثلاثہ (ولایتِ اولیا وانبیا وملائکہ) سے تعلق رکھتے ہیں نفع دینے اور نتیجہ بخشنے والے ہیں۔

جیسے ذکر قلبی اور اذکار پہلے اسباق میں بہت فائدہ مند تھے، ان اسباق میں قرآن پاک کی تلاوت اور نماز کی پابندی فائدہ دیتی ہے۔

فرماتے ہیں:

جب اس اعلیٰ مقام سے ترقی واقع ہوتی ہے تو اس مقام میں کمالات کا حاصل ہونا محض (اللہ تعالیٰ کے) فضل واحسان سے ہوتا ہے، اس مقام میں نہ عمل کا کوئی اثر ہے نہ اعتقاد کا۔ عارف اس مقام میں اپنے آپ کو شریعتِ منورہ کے دائرے سے باہر دیکھتا ہے، لیکن چونکہ شریعت اصل اور بنیاد ہے (اس لیے) اس سے بے نیازی متصور نہیں ہے، کیونکہ اگر بنیاد میں خلل واقع ہو جائے تو اس کے درخت اور اسکی عمارات میں خلل اثر کرے گا۔ اور جب معاملہ اس مقام سے بھی اوپر چلا جاتا ہے تو معاملہ فضل سے محبت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور کمالات کا حاصل ہونا محبت (کی راہ) سے ہوتا ہے، تفضّل واحسان اور بات ہے اور عشق ومحبت اور بات ہے۔

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

قلم اس جگہ پہنچا اور (اس کی) نوک ٹوٹ گئی

فرماتے ہیں کہ جب معاملہ اس مقام سے بھی اوپر چلا جاتا ہے، یعنی کمالاتِ

نبوت سے آگے کمالاتِ رسالت میں جب جاتے ہیں تو وہاں عملوں کا مسئلہ کوئی نہیں ہوتا۔ وہاں اللہ کا فضل ہوتا ہے اور بندے کے اندر جو اللہ کی محبت ہوتی ہے، بس وہ محبت ہے کہ جس کے صدقے اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرمائیں اور کمالاتِ رسالت میں سے بھی کچھ حصہ اس کو عطا فرمائیں۔

محبت کا مطلب ارادۂ طاعت ہے

مکتوباتِ معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۶ میں فرماتے ہیں کہ

کسی نے ایک سوال پوچھا ہے کہ جب عارف کا معاملہ فضل وکرم یا محض محبت سے پڑتا ہے تو اس مقام میں عارف کے لیے ظاہری اعمال یعنی ذکر لسانی وتلاوت وغیرہ زیادہ فائدہ مند یا ترقی بخش ہیں یا نہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ فائدہ مند ہیں اور آخرت کے درجات بلند کرتے اور گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں اور بشری کدورتوں اور جسمانی ظلمتوں کا ازالہ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے،، اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ حَتّٰى اَسْتَغْفِرَ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةً (مسلم: ۲۷۰۲) ''بیشک میرے قلب پر کچھ غبار آجاتا ہے، اور بیشک میں اللہ تعالیٰ سے دن اور رات میں ستر مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں۔'' لیکن جس مقام میں کہ وہ پہنچا ہے، ترقی ان اعمال کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ درجات کے فرق کے مطابق محض فضل یا صرف محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔

چونکہ کمالاتِ نبوت کے بعد کمالاتِ رسالت ہیں اور کمالاتِ رسالت کے بعد پھر حب صرفہ کا مقام ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

مکتوباتِ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر اول مکتوب ۳۰۲ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس مقام میں محبت کے معنی ارادۂ اطاعت ہے، جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے، نہ کہ اس سے اور کوئی اور زائد معنی جو کہ ذوق وشوق کا منشا ہیں، جیسا کہ بعض صوفیوں نے بھی ایسا گمان کیا ہے۔''

یعنی محبت سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اودھم مچائے، حال اس پر طاری ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس محبت کا تذکرہ کیا ہے، اس محبت سے مراد ارادۂ اطاعت ہے، جس کے اندر جتنا زیادہ اطاعت کا ارادہ ہوگا، پھر ترقی اس کو زیادہ ہوگی۔ یعنی اس مقام پہ گناہ کا ارادہ بھی رستہ کے اندر حائل ہوجاتا ہے، ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ اکبر۔ انسان وہاں جا کر اتنا پاکیزہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں وسوسہ ہی نہیں آتا۔

اس سے زیادہ اس بارے میں کیا لکھا جائے اور کیا سمجھایا جائے

مکتوباتِ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر دوم مکتوب ۹۹ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور نیز آپ نے مرتبۂ نبوت کے کمالات کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ فنا و بقا، تجلی اور تعین کا مبدأ ہونا سب کمالات ولایتِ ثلاثہ کے مراتب میں ہیں، اور نبوت کے کمالات کے مراتب میں سیر کس طرح ہے؟ فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ عروج کے مراتب میں جب تک وہ ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور ایک اصل سے دوسری اصل کی طرف جاتے ہیں وہ تمام کمالات دائرۂ ولایت میں داخل ہیں اور جب یہ تمیز اٹھ جاتی ہے یہ تفصیل

کم ہوجاتی ہے اور معاملہ اجمال واختصار سے بساطتِ صِرف تک پہنچ جاتا ہے تو مرتبۂ نبوت کے کمالات شروع ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ اس مرتبہ میں بھی بہت وسعت ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (سورۂ بقرہ۔ ۱۱۵) (بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا اور علم والا ہے) لیکن وہ وسعت دوسری وسعت ہے اور اگر تمیز ہے تو وہ بھی دوسری تمیز ہے۔ اس سے زیادہ اس بارے میں کیا لکھا جائے اور کیا سمجھایا جائے۔ ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ (سورۂ کہف: ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔

کمالاتِ رسالت میں فیض مجموعی ہیئت وحدانی پر ہوتا ہے

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جاننا چاہیے کہ تجلیٔ ذاتی دائمی میں تین مرتبے مقرر کیے گئے ہیں۔ پہلے درجے کو کمالات نبوت کہا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اس درجے میں اس ذات کا مراقبہ کرتے ہیں جو کمالات نبوت کا منشا ہے، دوسرا درجہ کمالاتِ رسالت کا ہے، اور اس میں اس ذات کا مراقبہ کرتے ہیں جو کمالاتِ رسالت کا منشا ہے۔ اس مقام کا فیض سالک کی ہیئت وحدانی پر وارد ہوتا ہے۔ اس ہیئت وحدانی سے مراد عالمِ امر وخلق کا مجموعہ ہے۔ (یعنی عالمِ امر اور عالمِ خلق کے سارے لطائف کو ملا کر سب کے مجموعہ کو ہیئت وحدانی کہتے ہیں۔) تصفیہ اور تزکیہ کے بعد ہر ایک کی ایک دوسری مجموعی ہیئت پیدا ہوگئی

ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص چاہے کہ مختلف التاثیر چند دواؤں کی ایک معجون مرکب تیار کرے تو وہ ہر دوا کو الگ الگ کوٹ چھان کر رکھ لیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح دوائیں مختلف ہوں اور ان کو کوٹ کے سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو اسی طرح کمالاتِ رسالت کے مراقبہ میں جا کے یہ سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد سب دواؤں کو شکر یا شہد کے قوام میں ملا دیتا ہے۔ اس طرح ان دواؤں کی ایک دوسری ہیئت اور خواص پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کا نام معجون ہو جاتا ہے۔ یعنی یوں سمجھیے کہ ہیئت وحدانی لطائف کی معجون کا نام ہے۔ اسی طرح سالک کے لطائف عشرہ سے ایک دوسری ہیئت پیدا ہو جاتی ہے جو اس مقام میں اور دوسرے بلند مقامات میں بڑی ترقی کرتے ہیں۔

دائرۂ کمالاتِ الوالعزم

پھر کمالات کا تیسرا دائرہ، دائرۂ کمالات اولوالعزم ہے۔ یہ تین دائرے تھے: پہلا دائرہ کمالاتِ نبوت، دوسرا کمالاتِ رسالت اور تیسرا کمالاتِ اولوالعزم۔ ﴿وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (۳۵:۴۶) تو آپ (ویسا ہی) صبر کیجیے جیسے اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا۔ {بیان القرآن}۔ تو یہ تیسرا دائرہ کمالاتِ اولوالعزم کا ہے۔ ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چونکہ اس مقام میں اس ذات کا مراقبہ کرتے ہیں جو کمالات اولوالعزم کا منشا ہے اس لیے اس مقام میں قرآنِ کریم کے حروف مقطعات و متشابہات کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض اکابر کو حبیب خدا کی اتباع کی وجہ سے

محبت اور محبوب کے معاملہ میں جیسا کہ اوپر گزرا، ان اسرار کا محرم راز بنا دیتے ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس خوردہ میں سے خاص نوازش نصیب فرماتے ہیں۔ جب حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر اپنے اس غلام کو اپنی خصوصی توجہ سے سرفراز فرمایا، تو انہی دنوں ان حروفِ مقطعات میں سے ایک حرف کے اسرار مکشوف ہوئے۔

یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے کمالاتِ اولوالعزم میں مجھ پر توجہات کیں تو اللہ رب العزت نے حروف مقطعات میں سے ایک حرف کو میرے اوپر ظاہر فرمادیا: ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (یہ اللہ کا خاص فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادیں)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میرے اوپر حروفِ مقطعات کے اسرار کھل رہے تھے تو اس وقت شہر سرہند کے باہر فرشتوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ اس لیے کہ شیطان شہر میں داخل ہی نہ ہوسکے۔ جب حروف مقطعات کا علم اللہ نے ان پر کھولا تو فرماتے ہیں کہ پورے شہر پر فرشتوں کا پہرہ تھا اور شیطان کو ان اوقات میں شہر میں ہی داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ سبحان اللہ۔ ان حروف مقطعات کا علم، متشابہات کا علم بھی کیا علم ہوگا! سبحان اللہ۔

خلاصۂ اسباق

اب تک کے سارے اسباق کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ، ولایت ملاءِ اعلیٰ کے اسباق تھے، پھر اسمِ ظاہر کا سبق پھر اسمِ باطن کا سبق تھا۔ یہ دو پر مل گئے، اور ان پروں کو لے کر اگلے میدان میں سیر ہوئی، جس کو کمالاتِ نبوت کہتے ہیں۔ پھر کمالات نبوت سے آگے اگر اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہیں تو

کمالاتِ رسالت ہیں، ان میں قرآن مجید کی تلاوت اور نماز بہت فائدہ دیتے ہیں۔ پھر اگر اللہ کا فضل شامل حال ہو جاتا ہے تو انسان کو کمالاتِ رسالت سے کمالاتِ اولوا لعزم میں لے کر جاتے ہیں اور وہاں پر قرآن مجید کے مقطعات و متشابہات کی بھی تفصیل جس کو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔ اب اتنے بڑے بڑے مشائخ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر صرف ایک حرف کھلا۔ اللہ رب العزت ہم عاجز مسکینوں کو ان تمام کمالات سے محروم نہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

حقائق الٰہیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ اسباق کا اجمالی خاکہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں انسان کو سب سے پہلے لطائفِ عالمِ امر کے اسباق کرنے پڑتے ہیں، پھر عالمِ خلق کے، پھر اس کے بعد تہلیل کے اسباق آتے ہیں اور مراقبۂ احدیت پر فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے۔

پھر اس کے بعد مشاربات کے اسباق شروع ہوجاتے ہیں۔ پہلے سبق پر تجلیاتِ افعالیہ، دوسرے پر تجلیاتِ صفاتِ ثبوتیہ، تیسرے پر شیوناتِ ذاتیہ، چوتھے پر صفاتِ سلبیہ اور پانچویں پر شانِ جامع کا مراقبہ ہوتا ہے۔ اس پر پانچوں لطائف میں فنائیت نصیب ہوتی ہے اور سالک کو اس میں اسرار و رموز ملتے ہیں۔ ان اسرار میں سے ایک تو یہ ہے کہ

......لطیفہ قلب پر سالک کو یقین کامل نصیب ہوجاتا ہے کہ فاعلِ حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے۔

......لطیفۂ روح پر اپنی صفات معدوم ہوجاتی ہیں اور اللہ رب العزت کی صفات سالک کے اوپر غالب آجاتی ہیں۔

......لطیفۂ سر پر اپنی ذات ہی نظر سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ ''من تو شدم، تو من شدی'' والا معاملہ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اس مقام پر کچھ بزرگوں نے غلبۂ حال میں باتیں کہی ہیں۔

...... چونکہ لطیفۂ خفی میں سلبی توجہات ہیں، اس میں سالک کے اندر ملکوتی صفات آجاتی ہیں۔ حتی کہ اس کے اندر بشریت کے تقاضے کم ہوجاتے ہیں۔ ہمارے بعض بزرگوں نے کہا کہ مجھے کھانے کی ضرورت ہی نہیں رہی، میں تو صرف سنت سمجھ کر کھاتا ہوں۔ یا کم کھانے پر بھی ان کا ساری ساری رات عبادت میں مشغول رہنا۔ یہ سب کیفیات لطیفہ خفی پر ملتی ہیں۔

لطیفۂ اخفیٰ پر پہنچ کر سالک کو اخلاقِ حمیدہ نصیب ہوتے ہیں۔

معیت میں حضوری کا نصیب ہونا

اس کے بعد مراقبہ معیت کرتے ہیں۔ مراقبہ معیت میں سالک کو حضوری مل جاتی ہے، استحضار نصیب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر وقت ہر حال میں میرے ساتھ ہے۔ معیت الٰہی کا علم تو سب کو ہے لیکن حضوری ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی ہے۔ اس سبق کا فائدہ یہ ہے کہ حضوری مل جاتی ہے۔ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، استحضار کی کیفیت ہوتی ہے۔

واقعات

کسی بزرگ کے پاس ایک نوجوان آئے، انہوں نے چند دن میں خلافت دے دی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو سالوں کے یہاں پڑے ہیں۔ مگر جو محبت کی نظر اس پر شیخ کی پڑی وہ ہم پر نہیں پڑی۔ پھر شیخ نے ان سے مرغیاں ذبح کروائیں۔ اس نوجوان

نے ذبح نہ کی۔ پوچھنے پر جواب دیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو وہاں مرغی ذبح کرنا۔ میں جہاں بھی گیا، خدا مجھے دیکھتا تھا۔ شیخ نے کہا کہ اس کیفیت کی وجہ سے اس نوجوان کو اجازت پہلے مل گئی ہے۔

ایک عورت اندھیرے والی جگہ میں تھی۔ کوئی مرد قریب آیا اور اس نے عورت کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ وہ کہنے لگی کہ ڈر اس پروردگار سے جو اندھیرے میں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح روشنی میں دیکھتا ہے۔ کتنی عظیم بات کی، کہ ڈر اس پروردگار سے جو اندھیرے میں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح روشنی میں دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان بنے ہوئے تھے۔ اللہ کی ذات پر یقین کامل تھا اور خلوت اور جلوت میں ان کے اعمال ایک جیسے ہوتے تھے۔ چونکہ ہمارا یقین نہیں بنا ہوتا، اس لیئے جلوت میں ہم بڑے نیک ہوتے ہیں، اور خلوت میں اپنے من مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس طرح کا بندہ جلوت میں اللہ کا دوست ہے اور خلوت میں شیطان کا دوست ہے، لہٰذا منافق ہے۔

ولایتِ کبریٰ، ولایتِ علیا اور کمالاتِ ثلاثہ

پھر اس کے اوپر اقربیت اور محبت کے اسباق ہیں، جو تین دائرے اور ایک قوس پر مشتمل ہے۔ یہ ولایتِ انبیاء ہے اور اس کو ولایتِ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس ولایت میں جو سفر کرتا ہے وہ پہلی ولایت سے بہت زیادہ بلندی حاصل کرتا ہے کیونکہ ولایتِ انبیاء عام ولایت سے بہت زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعد مراقبہ اسمِ ظاہر کا سبق ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اسمِ باطن کا سبق ہوتا ہے۔ اسمِ ظاہر کے مراقبہ میں سالک کو ایک پر مل گیا، اور اسمِ باطن کے مراقبہ میں

دوسرا پر مل گیا۔ ان دو پروں کا مل جانا، ایک نئے میدان میں پرواز نصیب ہو جانے کی ابتدا ہے۔ اس کے بعد کے معاملات اللہ کے فضل پر موقوف ہیں چونکہ وہ کمالاتِ نبوت سے، کمالاتِ رسالت سے اور کمالاتِ اولوا العزم سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم تہلیل کرنا، نماز پڑھنا اور تلاوت کرنا فائدہ دیتے ہیں۔ پہلے نبوت کے کمالات کھلتے ہیں۔ یہ اصالتاً تو انبیائے کرام کا مقام ہے۔ لیکن ان کی فرمانبرداری، اتباع، تبعیت کی وجہ سے ان کے ورثاء کو یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان تین اسباق میں اللہ تعالیٰ بندے پر عجیب اسرار و رموز کھولتے ہیں۔

حقائق کے اسباق

کمالات کے ان تین اسباق کے بعد دو راستے ہیں۔ جیسے آپ ایک سڑک پر چلتے جائیں تو سامنے ایک دوراہا آ جاتا ہے۔ آپ دائیں بھی جا سکتے ہیں، بائیں بھی جا سکتے ہیں۔ دونوں میں سے جو راستہ چاہیں اپنا سکتے ہیں۔ پہلے یہ ایک راستہ تھا جس کو حقائق کا راستہ کہتے تھے۔ چنانچہ اس میں حقیقتِ کعبہ ربانی، پھر حقیقت قرآنِ مجید اور پھر حقیقتِ نماز کے اسباق تھے اور اس کے بعد پھر معبودیتِ صرفہ کا سبق آتا تھا۔ سب مشائخ اسی کے ذریعے سالک کو لے کر چلتے تھے۔ لیکن آخری عمر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ منکشف ہوا کہ اس کا ایک متبادل راستہ بھی ہے۔ وہ متبادل راستہ حقائق انبیاء کا ہے۔ پہلے حقائق اعمال کے تھے جن کو حقائقِ الٰہیہ بھی کہا گیا ہے۔ اب حقائق انبیاء کا راستہ ہے۔ دونوں راستے ایک ہی منزل تک پہنچتے ہیں۔ دائیں طرف سے جائیں گے تو بھی ایک ہی جگہ پر پہنچتے ہیں اور بائیں طرف سے جائیں گے تو بھی اسی جگہ پر پہنچتے ہیں۔ کتابوں میں تو لکھا ہے کہ شیخ کی مرضی ہے کہ وہ سالک کو جس راستے سے چاہے چلائے۔ مگر ہمارے مشائخ کامل ہیں۔ وہ دونوں راستوں

سے گھما دیتے ہیں۔سالک کو حقائق الٰہیہ کے کمالات بھی مل جاتے ہیں اور حقائق انبیاء کے کمالات بھی مل جاتے ہیں۔الحمد للہ۔

آج جن اسباق کے بارے میں ہم بات کریں گے، وہ حقیقتِ کعبہ ربانی، حقیقتِ قرآن مجید اور حقیقتِ نماز ہیں۔ یہ ترتیب اس لیے ہے کہ حقیقتِ کعبہ ربانی بنیاد ہے اور حقیقتِ قرآن اس کے اوپر ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کی مثال امام کی سی ہے اور کعبہ کی مثال مقتدی کی سی ہے۔ حقیقتِ کعبہ ربانی میں انسان اپنے آپ کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسے میں کعبہ کی چھت پر ہوں، اور جو انوارات وہاں برس رہے ہیں وہ میرے اوپر بھی آرہے ہیں۔لیکن حقیقتِ قرآن میں اس سے اوپر ترقی ہوجاتی ہے۔اور حقیقتِ قرآن سے پھر اوپر حقیقتِ نماز ہے۔اصل تو حقیقتِ نماز ہے اور اس کے دو جزو ہیں، ایک کو حقیقتِ کعبہ ربانی کہتے ہیں اور دوسرے کو حقیقتِ قرآن مجید کہتے ہیں۔ جب یہ دو جزو ملتے ہیں تو نماز کی حقیقت نصیب ہوجاتی ہے۔ان شاء اللہ آج ہم حقیقتِ کعبہ کے بارے میں، حقیقتِ قرآن مجید کے بارے میں اور حقیقتِ نماز کے بارے میں عبارتیں پڑھیں گے۔

کمالات اور حقائق الٰہیہ کا تعلق

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

مرتبہ کمالات اور حقائق الٰہیہ ثلاثہ کے درمیان ایک نوع کی نسبت ثابت ہے بلکہ محققین نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ حقائق الٰہیہ کمالات کی بہ نسبت ایسی ہیں جیسے دریا کی موجیں۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ چونکہ کمالات میں تجلیات ذاتی دائمی کا ظہور ہوتا ہے اس لیے ضرور ہر وہ نسبت جو فوق سے

تعلق رکھتی ہے مرتبہ ذات سے خالی نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے لفظ امواج کا اطلاق یہاں پر بالکل صحیح ہے اور جو کچھ مجھ ناقص العقل کے فہم وادراک میں آیا، وہ یہ ہے کہ حقائق کے مقام پر جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں وہ کمالات کی نسبت کے مقام پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ مثلاً کعبہ معظمہ کی حقیقت میں عظمت وکبریائی کا ظہور ہوتا ہے، اور تمام ممکنات کی مسجودیت اس طرح ظہور کرتی ہے کہ اس کے ادراک میں عقل بھی عاجز اور لنگ رہ جاتی ہے۔

چنانچہ اللہ کے گھر کی حقیقت، اللہ کے کلام کی حقیقت اور پھر نماز کی حقیقت، ان سب کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے۔

کیا کعبہ معظمہ کی صرف ظاہری صورت ہے؟

مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ صورتِ کعبہ سے مراد (موجودہ) اینٹ پتھر نہیں ہیں کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہی ہے اور مسجودِ خلائق ہے۔ بلکہ صورتِ کعبہ باوجود اس کے کہ عالمِ خلق سے ہے لیکن دوسری اشیاء کی مانند نہیں ہے بلکہ ایک مُبطَن (پوشیدہ) امر ہے جو حس وخیال کے احاطہ سے باہر ہے اور اس کا تعلق عالمِ محسوسات سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں ہے اور (اگرچہ) تمام اشیاء کا متوجہ الیہا (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ایسی

ہستی ہے جو نیستی کا لباس پہنے ہوئے ہے اور ایسی نیستی ہے جس نے اپنے آپ کو ہستی کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور جہت میں ہو کر بے جہت اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے۔‘‘

بفرض تقدیر اگر کوئی بندہ ساری عمارت کو بھی ختم کردے تو بھی کعبہ وہی ہے۔ چونکہ ہم پتھر کو سجدے نہیں کرتے، اس کے اندر جو تجلیاتِ ذات اتر رہی ہیں، وہ ہماری مسجود ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں واضح فرق یہی ہے کہ ہندو پتھر کی بنی ہوئی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ ہم پتھر سے بنے ہوئے کعبہ پر جو تجلیات اتر رہی ہیں ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ اب فرض کریں کہ ایک آدمی خلا میں چلا جائے تو وہ بیت اللہ کی عمارت کی طرف تو رخ کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن چونکہ عرش کے اوپر سے تجلیات ذات آرہی ہیں اور آسمانوں پہ بیت المعمور بھی ہے، فرشتے جس کا طواف کررہے ہیں۔ اسی کے بالکل نیچے زمین پر انسان بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں۔ اور درمیان میں سب ستارے ان تجلیات کا طواف کررہے ہیں۔ اللہ کی عجیب شان ہے۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ

ایک مرتبہ ہم واشنگٹن میں تھے۔ ایک عالم کہنے لگے کہ حضرت! آپ کو ستاروں سے متعلق سائنسی معلومات دکھاتی ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں خلا سے متعلقہ عجائب گھر میں لے گئے۔ سائنسی معلومات پر مبنی ڈاکیومنٹری کا نام دی اسٹار (The Star) تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی بندہ جنگل میں گم ہو جائے یا سمندر میں گم ہو جائے اور اس کو وقت کا بھی پتہ نہ ہو، سمت کا بھی پتہ نہ ہو تو وقت اور سمت کو ستاروں کے ذریعہ سے کیسے معلوم کرسکتا ہے؟ ہم اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ

یعنی ''وہ ستاروں سے رہنمائی پاتے ہیں''

اس عاجز نے اپنے بچپن میں دیکھا بھی ہے کہ میرے والد صاحب رات کو باقاعدگی سے تہجد کیلیے اٹھتے تھے۔اس زمانے میں گھڑیاں عام نہیں ہوتی تھیں، ہاتھوں والی گھڑی کا رواج ہی نہیں ہوتا تھا۔نہ گھروں میں ٹائم پیس ہوتے تھے۔والد صاحب رات کو باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ میں پوچھتا تھا کہ ابو جی! آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ وہ مجھے سمجھاتے تھے کہ دیکھو یہ چند ستارے ملتے ہیں تو یہ شکل بنتی ہے۔وہ سمجھاتے تھے اور میں خاموشی سے سنتا تھا۔لیکن اس زمانے میں کم عمری کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔والد صاحب یہ بھی بتاتے تھے کہ دیکھو! یہ ستارے اب یہاں آگئے ہیں، لہٰذا اب فجر ہونے میں ایک گھنٹہ باقی ہے یا دو گھنٹے باقی ہیں یا پھر آج دیر ہوگئی لہٰذا آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ان کو ستارے دیکھنے سے وقت کا پتہ چل جاتا تھا۔الحمد للہ ہمارے بزرگ تو رات کے وقت ستاروں کو دیکھ کر تہجد کے وقت کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔جب ہمیں ستاروں کے متعلق سیکھنے کا موقع ملا تو ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

چنانچہ ہم نے دیکھا تو وہاں ایک پلانیٹیریم (planetarium) تھا جو کہ عجائب گھر کے ساتھ ایک گنبد نما عمارت تھی۔اس میں انہوں نے وہ ڈاکومینٹری چلائی۔اللہ کی عجیب شان ہے کہ لوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ہم نے اوپر دیکھا تو ایسے لگ رہا تھا جیسے آسمان کو دیکھ رہے ہیں اور پورے ستارے چمک رہے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ فلاں فلاں ستارے مل کر بچھو کی شکل بنتے ہیں (جس چیز کا ڈر جن کے دل میں ہو، ان کو وہی یاد آتا ہے۔آسمان میں بھی ان کو بچھو نظر آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو دکھا دیتے ہیں کہ تمہارے لیے ہم نے یہی تیار کر کے رکھے ہوئے ہیں،تم اسی کے انتظار میں رہنا)۔تو انہوں نے بتایا کہ فلاں ستارہ فلاں ہے۔پھر انہوں نے بتایا کہ اگر کسی نے

ٹائم کا اندازہ لگانا ہو تو یوں دیکھے، پتہ چل جائے گا آدھی رات ہوگئی، تھوڑی رات ہوئی یا زیادہ رات ہوئی، فجر قریب ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی بتایا کہ اگر کوئی شخص فلاں ستارے کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو جائے تو اس طرف مشرق ہوتی ہے، اس طرف مغرب ہوتی ہے۔ انہوں نے بہت اچھی معلومات بتائیں۔ لیکن اس کے اندر ایک خاص چیز ہم نے سیکھی تھی۔ انہوں نے کہا کہ عام آدمی سوچتا ہے کہ کچھ ستارے چلتے ہیں اور کچھ ستارے نہیں چلتے۔ حالانکہ یہ غلط بات ہے، سارے ستارے چلتے ہیں، مگر رفتار کا فرق ہے۔ جو تیز چلتے ہیں وہ چلتے نظر آتے ہیں۔ جو آہستہ چلتے ہیں وہ ہمیں چلتے نظر نہیں آتے لیکن اگر آپ روزانہ ان کا حساب رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ مہینے بعد وہ بھی اپنی جگہ سے ہلے ہوئے ہوں گے۔ لہذا سب ستارے حرکت کرتے ہیں۔

اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

پھر انہوں نے کہا کہ پورے آسمان پر صرف ایک ستارہ ہے جو نہیں چلتا۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ستاروں کی رفتار بڑھائی جائے، جہاں جہاں وہ چل رہے ہیں نظر آئیں گے۔ پھر انہوں نے ایسا کچھ کیا کہ پورے آسمان کے ستارے ہمیں چلتے ہوئے نظر آئے۔ اور ایک ستارہ بالکل ان کے بیچ میں تھا۔ اس کو دیکھتے ہی قدرتاً ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ عالم بھی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو کہا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمانوں پر بیت المعمور ہے جس کے گرد فرشتے طواف کرتے ہیں۔ اور اس کے نیچے نیچے بیت اللہ ہے جس کے گرد انسان طواف کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں یہ ستارہ ہو اور وہ تجلیات یہاں سے گزر رہی ہوں اور اس ستارے کے گرد آسمان کے سارے بقیہ ستارے طواف کر رہے ہوں۔ اگر یہ صورت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات میں ساری

مخلوق ہی طواف کر رہی ہے۔ سبحان اللہ! اللہ کی تجلیات بھی عجیب ہیں! اوپر بیت المعمور کے گرد فرشتے طواف کر رہے ہیں، زمین پر بیت اللہ کے گرد انسان طواف کر رہے ہیں اور درمیان میں جتنے ستارے ہیں، وہ سارے کی سارے انہی تجلیات کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سبحان اللہ! ہم سب اللہ تعالیٰ کے چاہنے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص خلا میں چلا جائے تو وہاں بیت اللہ شریف کی عمارت کی طرف رخ تو نہیں کر سکتا۔ بھلا وہ کیسے نماز پڑھے گا؟ صاف ظاہر ہے کہ تجلیات عرش سے فرش تک اتر رہی ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوگا، سامنے تجلیات ہوں گی اور وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح کوئی سمندر کی تہہ میں چلا جائے تو عمارت تو وہاں بھی سامنے نہیں آسکتی، مگر تجلیات تو تحت الثریٰ تک جا رہی ہیں۔ وہاں بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔ تو مقصود یہ بتانا تھا کہ ہم مُتَوَجِّهًا إِلَى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اس کو سجدہ نہیں کرتے۔ جو مسجود الیہ ہے وہ تجلیاتِ ذاتیہ ہیں جو کعبہ پر اتر رہی ہیں۔ کعبہ ایک جگہ ہے جس نے جہت کو متعین کر دیا ہے۔ اگر جہت نہ ہوتی تو لوگوں کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ ہم کس طرف رخ کریں۔ کوئی دائیں رخ کرتا کوئی بائیں رخ کرتا، کوئی آگے رخ کرتا، کوئی پیچھے رخ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔ ہمیں اس پریشانی سے بچا لیا۔ ایک جگہ کو متعین کر دیا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے۔ اب چاروں طرف سے سب بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

"اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہی ہے اور مسجودِ خلائق ہے۔ بلکہ صورتِ کعبہ باوجود اس کے کہ عالمِ خلق سے ہے

لیکن دوسری اشیاء کی مانند نہیں ہے بلکہ ایک مُبطّن (پوشیدہ) امر ہے جو حس وخیال کے احاطہ سے باہر ہے۔''

کعبہ کی حقیقت تمام مخلوقات کی مسجود الیہ ہے

مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۳ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ ربانی کی ظاہری صورت مخلوق کی صورتوں کے لیے خواہ وہ بشر ہوں یا ملک (یعنی فرشتے)، مسجود الیہا ہے، اسی طرح اس (کعبہ شریف) کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہا ہے۔ پس لازمی طور پر وہ حقیقت (کعبۂ ربانی) تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور اس (کعبۂ ربانی) کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے فائق تر ہیں۔ گویا حقیقتِ کعبہ ''حقائق کونی'' (یعنی کائنات کے جو حقائق ہیں) اور ''حقائق الٰہی'' جل سلطانہ کے درمیان ایک برزخ (متوسط) راہ ہے۔ اور ''حقائق الٰہی'' سے مراد عظمت وکبریائی کے پردہ ہیں، کیونکہ کوئی رنگ وکیف اس (تعالیٰ شانہ) کے ''دامانِ قدس'' تک نہیں پہنچتا، اور کوئی ظلیت اس تک راہ نہیں پاتی۔''

آگے فرماتے ہیں:

''جہتِ کعبہ ''حقائق الٰہی'' تعالیٰ وتقدس کے ظہورات کا مقام ہے، لہٰذا ''کعبہ'' دنیا میں ایک ''عجوبۂ روزگار'' ہے جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن

حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے۔''

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۴ میں حقیقتِ کعبۂ ربانی کے برزخ ہونے کو اس طرح بھی سمجھایا گیا کہ

''حقیقتِ کعبہ، حقائقِ مخلوقات اور حقیقتِ واجبی جل سلطانہ کے درمیان جو کہ مرتبۂ احدیت ذات تعالیٰ وتقدس ہے برزخ ہے کیونکہ کعبہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے (اسی لئے) اس کی حقیقت تمام مخلوق کے حقایق سے ضرور ممتاز ہونی چاہئے۔ چونکہ مسجود ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے (اس لئے) کعبہ کی خلقت بھی اس مقدس بارگاہ سے ہونی چاہئے۔ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدسؒ نے اس مکتوب گرامی میں جو کہ مکتوبات کی تینوں جلدوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہے لکھا ہے کہ'' حقیقتِ کعبہ ذاتِ واجبی تعالیٰ ہے اس لئے کہ مسجود حقیقت میں وہی مقدس مرتبہ ہے۔'' ہذا۔'' جاننا چاہئے کہ مسجود اگرچہ ذات بیچون ہے لیکن اعتبار مسجودیت کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے مرتبۂ احدیتِ ذات سے جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے پاک ہے نیچے کے درجے میں ہوگا اور دید ودانش وگرفتاری میں متمیز ہوجائے گا۔''

حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجوب ہے

مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اے بھائی! جب تم نے صورتِ کعبہ کا تھوڑا بیان سن لیا تو اب حقیقت

کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سا سن لو۔ حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجود (یعنی اللہ کی ذات) ہے کہ جس کو ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہیں پہنچی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان کے لائق ہے۔"

پھر آگے فرماتے ہیں کہ

"اس حقیقت جل سلطانہا کو اگر حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی افضلیت میں اس سے کس طرح قصور واقع ہوتا ہے۔ ہاں حقیقتِ محمدیؐ باقی تمام افرادِ عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقتِ کعبۂ معظّمہ عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کی طرف یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔"

سجدے کی شان تو اللہ ہی کی ہے۔ اسی کو سجتا ہے کہ لوگ سجدے کریں۔ اسی لیے اگر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور حقیقتِ کعبۂ ربانی میں کون افضل ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی حقیقت افضل ہے۔ اس لیے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ان کی تجلیات ہیں۔ اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے۔ بہرحال اگر حقیقت کو دیکھیں تو بیت اللہ کی تجلیات کو فوقیت ہوگی۔ اسی بات کو حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ مکتوباتِ معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱ میں سمجھاتے ہیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ

" ہمارے حضرتِ عالی (یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدیؐ کے اوپر ہے، اس سے حقیقتِ کعبہ کا حقیقتِ محمدیؐ سے افضل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ

آنسرورِ عالم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ لَوْلَاہُ لَمَا خَلَقَ الْاَفْلَاکَ وَلَمَا اَظْھَرَ الرُّبُوْبِیَّۃَ۔ {کشف الخفاء:۲۱۲۳} (اگر وہ نہ ہوتے تو (اللہ تعالیٰ) آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور (اپنے) رب ہونے کو ظاہر نہ فرماتا) جیسا کہ (حدیثِ قدسی میں) وارد ہوا ہے۔''

جواب میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اول یہ کہ حقیقتِ کعبہ رُبانی معبودیت ومسجودیت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے اور آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال عبدیّت و عابدیت (بندہ اور بندگی کرنے والا ہونے) کے مقام میں ہے، اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ حقیقتِ کعبہ ذات الٰہی جل سلطانہ ہو کیونکہ حقیقت میں معبود ومسجود وہی ہے یعنی وہ حقیقت جو اس صورت کی مسجودیت کا منشا (سبب) ہوگئی ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ وہ حقیقت ذاتِ حق عزّ برہانہ ہے۔ پس اگر اس حقیقت کو حقیقتِ محمدی پر فوقیت وفضیلت ہو تو کیا خطرے کی بات ہو۔''

یہاں کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ چونکہ کعبہ معظّمہ کی ظاہری صورت ممکنات میں سے ہے، تو کیا اس کی حقیقت ممکنات میں سے نہیں ہوگی؟ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ مکتوباتِ معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ا میں فرماتے ہیں کہ

''اور یہ جو (بعض حضرات) کہتے ہیں کہ ممکن جو کہ صورتِ کعبہ ہے اس کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہئے وہ ذات کس طرح ہوگی۔ جواب۔ ہم کہتے ہیں کہ اس بزرگ گروہ کے طریقے پر کسی چیز کی حقیقت اس چیز کی

ذات اور ما بہ الشیء ھو ھو (ماہیت) سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کے وجودی وتوابعِ وجودی فیوض کے مبدأ سے عبارت ہے اور وہ چیز اس کے لئے ظل کی مانند ہے۔''

ایک کعبہ معظّمہ کی ظاہری صورت ہے جوکہ ہمیں نظر آتی ہے اور یہ ممکنات میں سے ہے، عالمِ خلق سے اس کا تعلق ہے۔ اگر کعبہ معظّمہ کے ظاہر کی ذات اور ماہیت کو دیکھا جائے تو پتھر اور اینٹ نظر آئینگے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ممکن کی حقیقت بھی ممکنات میں سے ہو۔ بیت اللہ شریف کی حقیقت سے مراد یہ ظاہری ماہیت نہیں ہے جو ہمیں ظاہر کی آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے فیوض و برکات کی مبدأ یعنی اصل کیا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی ذات کی تجلیات ہیں، اللہ کی ذات ہی کعبہ معظّمہ کی حقیقت ہے جیسے کہ ہم نے اوپر پڑھا۔ اس لئے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجود (یعنی اللہ کی ذات) ہے۔''

حقیقتِ کعبہ ربانی کا تعلق ہیئتِ وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے

مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''بعض کامل مراد مند ایسے ہیں جن کو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے طفیل عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں جگہ دی جاتی ہے اور ان کو محرم بارگاہ بنایا جاتا ہے۔ فَعُوْمِلَ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ، ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو انبیاء کے ساتھ کیا گیا۔ اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئتِ

وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ ان سب کا سردار اس مقام میں عنصر خاک ہے۔''

چنانچہ اس سبق میں یہ نیت کرتے ہیں کہ ''اس ذات واجب الوجود سے جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں اور جو حقیقت کعبہ ربانی کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔'' ہیئت وحدانی کیا ہے؟ ہمارے مشائخ نے اس کو ایسے سمجھایا ہے کہ سالک کو جب فناء حاصل ہو جاتی ہے اور دس کے دس لطائف کا تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتا ہے تو لطائف میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے، ان لطائف کے مجموعہ کو ہیئت وحدانی کہتے ہیں۔ (کل ہم نے پڑھا تھا کہ) جس طرح دوائیں مختلف ہوں اور ان کو کوٹ کے سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو اسی طرح سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسری شکل پیدا کر کے اگلے مقامات پر عروج کرتے ہیں۔

حقائق ثلاثہ کے وصول کا تعلق اللہ کے فضل سے ہے

حقیقتِ کعبۂ ربانی، حقیقتِ قرآن مجید اور حقیقتِ نماز کو حقائقِ ثلثہ کہتے ہیں۔ جو دوسرا راستہ ہے، اس میں چار حقائق آتے ہیں جو کہ حقیقتِ ابراہیمی، حقیقتِ موسوی، حقیقتِ محمدی اور حقیقتِ احمدی ہیں۔ جب بھی حقائقِ ثلثہ کی بات کریں گے تو فوراً سمجھ لیں کہ ان سے حقیقتِ کعبۂ ربانی، قرآن مجید اور نماز مراد ہیں۔ مکتوباتِ معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

''آپ نے لکھا تھا کہ ''حقائقِ ثلثہ'' (حقیقتِ کعبہ و قرآن و نماز) تک وصول تفضّل (فضل و کرم) میں داخل ہے یا نہیں؟ (جواب) ان حقائق کا معاملہ کمالاتِ نبوت سے اوپر ہے (اس لئے) داخلِ تفضّل ہونا چاہئے۔''

ہر مسجد میں ظہور حقیقت کعبہ ربانی

ایک عجیب بات مصنفِ کنز الہدایات حضرت مفتی محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔ کنز الہدایات میں لکھتے ہیں کہ

"عبد ضعیف نے حضرت پیر دستگیر اپنے شیخ اور اپنے امام (یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم) قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ السامی کی موتی بکھیرنے والی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ہر مسجد میں کعبۂ معظّمہ کی حقیقت کا ظہور ہے۔"

یعنی اللہ رب العزت کی جو تجلیاتِ ذاتیہ وہاں وارد ہوتی ہیں، ان ہی کی شعائیں ہر مسجد کے اندر نازل ہوتی ہیں اور نماز پڑھنے والوں کے دلوں کو وہ منور کر دیتی ہیں۔ بلکہ نماز پڑھنے والا بندہ جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے، اس کے سامنے ذات منکشف رہتی ہے، چونکہ مسجد کے اوپر تجلیات وارد ہو رہی ہوتی ہیں کیونکہ اللہ نے اس کو اپنا گھر کہا ہے۔ اللہ اکبر۔ اسی لیے جب قیامت ہوگی تو زمین کے وہ ٹکڑے جو مسجد ہیں ان سب کو بیت اللہ کا حصہ بنا کر، جنت میں شامل کر دیا جائے گا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ فلاں جگہ پر اللہ کا گھر بن گیا، سبحان اللہ۔ بلکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ نماز اتنی اہم عبادت ہے کہ سالک جب نماز مکمل کر لیتا ہے تو جب تک بیٹھ کر اذکار کرتا رہتا ہے، اللہ کی تجلی اس کے سامنے جلوہ گر رہتی ہے۔ جب اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تب تجلی سمٹتی ہے۔ جتنی دیر بیٹھ کے نماز کے بعد تلاوت کرتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، مراقبہ کرتا ہے، ذات کی تجلی رہتی ہے، سبحان اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق یہ تھا کہ کوئی نبی علیہ السلام کو سلام کرتا تو نبی علیہ السلام ہاتھ پکڑے رہتے تھے، جب تک کہ وہ نہیں چھڑاتا تھا۔ اللہ کے خلق کا کیا کہیں! انہوں نے بھی فرما دیا کہ میرے بندے تم بیٹھے رہو گے تو اپنا جلوہ دکھانا میں ہرگز بند نہیں کروں گا۔ سبحان اللہ۔

حقیقتِ کعبۂ ربانی سے حقیقت قرآنِ مجید تک

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اس مقام (یعنی حقیقتِ کعبہ پر) حضرت حق سبحانہ کی عظمت اور کبریائی مشہود ہوئی اور میرے باطن پر ایک عظیم ہیبت طاری ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت پیر دستگیر نے اس عاجز پر قرآن مجید کی حقیقت میں توجہ فرمائی تو میں نے اس مقام پر عظمت و کبریائی کے شاہی پردوں کے اندر اپنے کو پایا اور عالمِ مثال میں ایسا دیکھا کہ گویا میں خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا ہوں اور وہاں ایک زینہ رکھا ہے میں اس زینے سے عروج کر کے حقیقتِ قرآنِ مجید میں داخل ہو گیا۔''

ابھی تک ہم نے حقیقتِ کعبۂ ربانی کے بارے میں باتیں کیں۔ اب حقیقت ِ قرآن مجید کے بارے میں کچھ بات کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

''حقیقت قرآنی سے مراد حضرت ذات کی بیچونی و بے کیفی کی وسعت و فراخی ہے اور حضرت ذات سبحانہ کی وسعت اسی مقام سے شروع ہوتی ہے، اور ایسے حالات و کیفیات ظاہر ہوتے ہیں جو وسعت کے مشابہ ہیں۔ ورنہ اس مقام پر لفظ وسعت کا اطلاق میدان کی تنگی ہے، اور محبوب حقیقی کے غنچہ دہنی کا شگفتہ ہونا اسی مقام میں معلوم ہوتا ہے۔ پس خوب سمجھ لو اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اس مقام پر کلام اللہ کے مخفی راز ظاہر ہوتے ہیں۔''

جیسے کہا جاتا ہے کہ لِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، پھر اس کے ہر باطن کے آگے سات باطن ہیں۔تو مشائخ صوفیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جو ظاہر کے معانی ہیں، یہ تو ہم سمجھتے ہیں۔اس کے آگے بھی معارف ہیں۔ ان معارف کے سمجھنے کا تعلق دل کی نورانیت کے ساتھ ہے۔جتنی نورانیت ہوگی، اس کے باطن کے معارف بھی اتنے زیادہ ہوں گے۔

آگے فرماتے ہیں:

''میں نے قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک بے پایاں سمندر پایا، جو کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔مگر ایک اور عجیب تر نکتہ سنو کہ باوجود ان تمام مختلف قصص و حکایات اور امر و نواہی کی قرأت کے وقت بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سے اسرار کھلتے ہیں اور حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت اور اس کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو! تمام عوام کی نصیحت و تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام کی قصص و حکایات کا کیوں ذکر کیا گیا ہے اور بنی آدم کی ہدایت کے لیے احکام شریعت کیوں بیان فرمائے گئے ہیں؟ اور قرآن کریم کے حروف کے اندر کیا کیا کیفیات اور معاملات ہیں کہ حیرت پر حیرت ہوتی ہے، اور وہ ہر حرف میں ایک خاص شان کے ساتھ ظہور فرماتا ہے اور اپنے جانبازوں کے دلوں کا شکار کرتا ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے!

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی''

ترجمہ۔ ”نہ اس کے حسن کی حد ہے، نہ سعدی کی زبان گونگی، نہ خالی ہوگا دریا
خواہ مرہی جائے مستسقی“

اللہ کی شان کہ ایک ایک حرف کے اندر ہمارے مشائخ پر کیا کیا اسرار کھلتے ہیں۔

اس مقام پر قاری کی زبان شجرہ موسوی کا حکم پیدا کرتی ہے۔

آگے حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

قرآن مجید کی قرأت کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجر موسوی کا حکم رکھتی ہے۔

یعنی جن کو حقیقتِ قرآن مجید کا مراقبہ کرنے کی سعادت ملے اور اسکو پورا فیض ملے تو وہ کئی مرتبہ قاری کے منہ سے نور کا اخراج ہوتا ہوا آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ جیسے شجر موسوی تھا کہ آگ نکلتی نظر آرہی تھی، ایسے ہی قاری کی زبان سے قرآن کا نور نکل رہا ہوتا ہے تو اہلِ کشف کو محسوس ہوتا ہے کہ شاید ایک روشنی ہے جو وہاں سے نکل رہی ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ قاری قرآن پڑھتا ہے تو حدیث پاک کے مطابق فرشتے اس کے قریب آتے ہیں، قریب آتے ہیں، حتی کہ قریب آتے آتے اس قاری کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے منہ کو بوسہ دیتے ہیں۔ جو نور قاری کے منہ سے نکل رہا ہوتا ہے، اسکو بوسہ دیتے ہیں۔ یہ انسان کتنا خوش نصیب ہے جس کے منہ سے ایسا نور نکلتا ہے۔ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت کیا ہو رہا ہوتا ہے، سبحان اللہ۔ اسی لیے فرمایا:

تَبَرَّكْ بِالْقُرْآنِ فَإِنَّهُ كَلَامُ اللهِ خَرَجَ مِنْهُ ۔ (کنز العمال:۲۳۲۶)

”قرآن سے تم تبرک پاؤ کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس سے ہی نکلا ہے۔“

فرماتے ہیں کہ

قرآن مجید کی قرأت کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجر موسوی کا حکم رکھتی ہے اور قرأت کے لیے تمام جسم زبان ہی زبان بن جاتا ہے۔

یعنی اگرچہ، الفاظ تو زبان سے نکل رہے ہوتے ہیں، لیکن اس وقت نور پورے جسم سے نکل رہا ہوتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ:

اس مقام پر حضرت ذات کی بیچونی جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے، اور ان مقامات کا مورد فیض سالک کی ہیئت وحدانی ہے۔

چنانچہ، حقیقتِ کعبہ ربانی والے سبق کی طرح اس سبق میں بھی ہیئت وحدانی پر فیض آتا ہے اور نیت کرتے ہیں کہ "اس کمال وسعت والی بے مثال و بے چون ذات سے جو منشاء حقیقت قرآن مجید ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔"

حقیقتِ کعبہ ربانی حقیقتِ قرآن سے بلند ہے؟

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۵۵ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "قرآن بحقیقت از مرتبۂ عین جمع است" (یعنی قرآن مجید حقیقت میں مرتبۂ عین سے جمع ہے) یعنی ذات تعالیٰ وتقدس کی احدیت سے ہے۔ لہٰذا جو کچھ رسالہ مبدا و معاد میں تحریر کیا گیا کہ "حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقتِ قرآنی سے بلند و بالا ہے" اس کے کیا معنیٰ ہوں گے؟۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! احدیت ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت وشان ملحوظ نہ ہو کیونکہ حقیقتِ قرآن کا منشا صفتِ کلام سے ہے جو صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے ایک صفت ہے اور حقیقتِ کعبہ کا مبدا و منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات وصفات کی تلوینات سے برتر ہے اس لئے اس کی فوقیت کی گنجائش ہوگئی۔

چنانچہ مکتوباتِ مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ

نورِ صرف (خالص نور) کے بعد کہ جس کو اس فقیر نے ''حقیقتِ کعبۂ ربانی'' پایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی عالی مرتبہ ہے جو کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ کے قرآن مجید کی حقیقت ہے اور اسی کے حکم سے قرآن مجید کے مطابق کعبۂ معظّمہ آفاق کا قبلہ بنا اور تمام (مخلوق) کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا، لہٰذا امام قرآن مجید ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیشِ قدم کعبۂ معظّمہ ہے اور یہ مرتبۂ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی بیچون وسعت کا مبدأ ہے اور اس بارگاہ کی بیچونی وبیچکونی کے امتیاز کا مبدأ بھی یہی درجہ عالیہ ہے۔ اس درجہ مقدسہ کی وسعت و عظمت اس کے طول وعرض کی درازی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ نقص و امکان کی علامات ہیں بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جبتک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جبتک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں ہوسکتا۔

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نسبت کی بلندی اس مقام پر (یعنی حقیقتِ قرآن مجید پر) تو اس درجہ کی ہے کہ گویا نہ صرف کمالات کی نسبت اپنی بلندی اور وسعت کے باوجود

بلکہ حقیقتِ کعبہ معظّمہ بھی (اپنی عظمت و کبریائی کے باوجود) حقیقت قرآن کے تحت میں نظر آتی ہے۔اس مقام پر حضرت ذات کی بے چونی جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ معصوم (رح) دفتر سوم مکتوب ۱۲۸ میں بھی فرماتے ہیں:

'' حقیقتِ قرآنی کا اُس مقام میں ظاہر ہونا جو کہ معبودیتِ صرف ہے محلِ تامل ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز حقیقتِ قرآنی ہمارے حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے مطابق حضرت ذات تعالیٰ کی وسعتِ بیچون کا مبداء ہے اور یہ حقیقت ذاتِ مجرد پر زائد ہے پس معبودیتِ صرف کے لائق نہیں ہوگی اور اس بارگاہِ عالی سے نیچے ہوگی۔اس بیان سے وہ شبہ ساقط ہوگیا جو کہ وارد کیا گیا کہ حقیقتِ قرآن صفتِ کلام یا شان کلام سے پیدا ہوتی ہے اس لئے ولایتِ کبریٰ میں داخل ہوگی اور اس کے کمالاتِ نبوت سے فوقیت رکھنے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ یہ معنی کہ وسعتِ بیچون کا مبداء حضرتِ ذات تعالیٰ ہے ولایتِ سہ گانہ وکمالاتِ نبوت وحقیقتِ کعبہ سے بالاتر ہے۔''

قرآن مجید کے انوارات کے انکشاف کی علامت دل پر ثقل

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

''اسی طرح قرآن کریم کی سماعت میں ہے کہ اگر خوش الحان شخص سے سنا جائے تو نسبتِ ولایت کا ظہور ہوتا ہے اور اگر درست پڑھنے والے سے سنا جائے تو فوق کی نسبت حقائق ظہور کرے گی کیونکہ خوش آوازی کو قلب

سے پوری پوری مناسبت ہے جو ضرور ظاہر ہوگی۔ اور اگر الفاظ کی فصاحت اور صحیح مخارج کی ادائیگی اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے خواہ خوش آوازی بھی نہ ہو، تب بھی وہ حقائق فوقانی جلوہ گر ہوں گے۔''

چنانچہ اس سبق پر اگر ترتیل، الفاظ کی صحت اور مخارج سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اللہ کے فضل وکرم سے حقائق نصیب ہوتے ہیں۔

مصنفِ کنز الہدایات حضرت مفتی محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی "موتی بکھیرنے والی زبان (مبارک) سے میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید کے انوار کے انکشاف کی علامت غالباً عارف کے دل پر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہونا ہے۔ گویا آیت کریمہ ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے۔''

یعنی جو حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرتا ہے، مراقبہ کے دوران اس کو ایک ثقل محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ قرآن مجید کا فیض مل رہا ہے، چونکہ نبی علیہ السلام کو بھی بوجھ محسوس ہوتا تھا، حتی کہ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تھے تو وہ بیٹھ جاتی تھی۔ جو بندہ قریب ہوتا تھا اگر اس کی ران پر ٹیک ہوتی تھی تو ٹوٹنے کو آتی تھی۔ تو یہ ثقل سالک بھی محسوس کرتا ہے۔

سالک حقیقت کی طرف متوجہ رہے یا صورت کی طرف؟

کسی نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ

''اگر کعبہ یا قرآن مجید کی طرف متوجہ ہو تو انکی حقیقت کی طرف متوجہ ہو یا

ان کی صورت کی طرف ہو۔ اگر ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہوتو جو شخص
کہ ان کی حقیقت تک نہیں پہنچا ہے وہ کس طرح ان کی حقیقت کی طرف
متوجہ ہوگا۔ اگر ان کی صورت کی طرف متوجہ ہوتو یہ بات قرآن مجید کے
بارے میں تو درست آسکتی ہے کیونکہ وہاں الفاظ و معانی وقصص ہیں لیکن
کعبہ میں ذرا بھی درست نہیں آتی کیونکہ محض سنگ وکلوخ کو قبلہ نہیں بنا سکتے
خاص کر اس کے سامنے نہ ہونے (کے وقت) میں''

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت معصوم رحمۃ اللہ علیہ جواب دیتے
ہیں،

''اے سعادت آثار! نمازی کو چاہئے کہ اس کو صورت کی طرف متوجہ
ہو، اگر وہ اہل حقیقت میں سے ہے تو وہ صورت سے حقیقت کی طرف
چلا جاتا ہے اور حقیقت کو صورت میں دیکھتا ہے اور اگر وہ اہل حقیقت میں
سے نہیں ہے تو صورت کی طرف متوجہ ہونا بھی اس کے لئے غنیمت ہے۔
اور یہ جو لوگوں نے پتھروں اور ڈھیلوں کو کعبہ کی صورت قرار دیا ہے
ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر پتھر اور ڈھیلے درمیان میں نہ ہوں اور چھت اور
دیواریں نہ ہوں کعبہ تب بھی کعبہ ہے اور مخلوقات کا مسجود الیہ ہے بلکہ
صورت کعبہ ایک ایسا معنی ہے کہ عقلیں اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں، یہ صورت
حقیقت کی صفت رکھتی ہے اور حقیقت کعبہ اس سے ماوراء ہے جبکہ عقلیں
اس کی صورت کو سمجھنے سے عاجز ہیں تو وہ حقیقت تک کیا پہنچیں گی، اور نیز ہم
کہتے ہیں کہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا یہی ہے کہ کعبہ کی جانب نماز پڑھے،
اس توجہ کے سمجھنے اور کعبہ کو خیال میں لانے کی کیا ضرورت ہے اس کی جہت

کی طرف توجہ کرنے سے ہی کعبہ کی برکات سے فیض یاب ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔

حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ قرآن، حقیقت نماز کا جزو ہے

اس کے آگے حقیقتِ نماز ہے۔ مکتوباتِ مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ

اس مرتبۂ مقدسہ (یعنی حقیقت قرآن مجید) کے اوپر ایک اور بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقتِ صلوۃ کہتے ہیں اور عالمِ شہادت میں اس کی صورت مصلیانِ اربابِ نہایت (منتہی نمازیوں) کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو معراج شریف کے واقعہ میں آیا ہے کہ قِف یا مُحَمَّدُفَاِنَّ اللهَ یُصَلِّی (اے محمدؐ! ٹھہر جایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ میں ہے) ممکن ہے کہ اس میں اسی حقیقتِ صلوٰۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔

آگے فرماتے ہیں:

اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیازِ بے چون ہے کیونکہ اگر "حقیقت کعبہ" ہے تو وہ بھی اسی (یعنی حقیقتِ نماز) کا جزو ہے اور اگر "حقیقتِ قرآن" ہے تو وہ بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ نماز مراتبِ عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہیں کیونکہ معبودیتِ صرف اسی کے لئے ثابت ہے۔

حقیقتِ قرآن اور حقیقت نماز

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے نام

مکتوباتِ معصومیہ میں دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

فرزند ارجمند شیخ عبدالاحد نے پوچھا ہے کہ حقیقتِ قرآنی مبدأ وسعتِ بیچونیٔ ذات تعالیٰ سے عبارت ہے آپ بیان کریں کہ حقیقتِ صلوٰۃ کس اعتبار وشان سے عبارت ہے۔ آپ جان لیں کہ حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے حقیقتِ صلوٰۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مقام میں کمالِ وسعتِ بیچونی ہے پس حقیقت قرآنی میں مبدأ وسعت ہے اور اس جگہ (حقیقت صلوٰۃ میں) کمال وسعت ہے لیکن اس کو ماننے کی صورت میں شبہ وارد ہوتا ہے کہ مبدأِ شیٔ کو شیٔ پر سبقت وفوقیت ہے پس حقیقتِ قرآنی کو حقیقتِ صلوٰۃ پر مقدم ہونا چاہئے اور حالانکہ انھوں (مجدد علیہ الرحمہ) نے حقیقتِ صلوٰۃ کو حقیقتِ قرآنی سے اوپر لکھا ہے۔

جواب میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ یہ مبدأ ہونا سالک کے عروج کی جانب میں ہو یعنی عروج کے مدارج میں وسعت کا شروع حقیقتِ قرآنی سے ہو اور اس کا کمال اوپر کی حقیقت میں ہو اور اس اعتبار سے مبدأ ہونے کو تاخر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تفوق دونوں جانب سے ہے (اور) دو اعتبار سے ہے۔ حقیقتِ قرآنی چونکہ حقیقتِ صلوٰۃ کا جزو ہے جیسا کہ حضرتِ عالی (مجدد قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ اگر حقیقتِ کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے اور اگر حقیقتِ قرآنی ہے تو وہ بھی اس کا جزو ہے کیونکہ نماز عبادت کے تمام کمالات ومراتب کی جامع ہے کہ اصل الاصل کی نسبت کے ساتھ ثابت ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ جزو کو کُل پر تقدم ہے اور کُل کو فضیلت (حاصل) ہے کیونکہ

کُل اُس جزو پر بھی مشتمل ہے اور دوسرے اجزا پر بھی۔ پس ظاہر کے اعتبار سے جزو کو اور باطن اور رُتبے کے اعتبار سے کُل کو فوقیت ہے۔

نماز کی لذت میں نفس کا دخل نہیں

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور خاص بات فرماتے ہیں کہ

وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ وفغاں میں ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ نفس کو اس میں لذت مل ہی نہیں سکتی، اگر ملتی ہے تو وہ دل کی لذت ہوتی ہے۔ اس مکتوب میں عجیب عبارت لکھی ہے کہ پہلے ذوق شوق ہوتا ہے جو ولایت کے درجات ہیں اور جو ولایت انبیاء کرام ہے، اس میں بے حلاوتی ہوجاتی ہے، حیرت ہوجاتی ہے اور قرب بڑھ جاتا ہے۔

حقیقتِ صلوۃ کے متعلق اشارات

مکتوباتِ مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْحُزْنِ، مُتَوَاصِلَ الْفِكْرِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مغموم اور متواتر فکر مند رہتے تھے)۔ ان بزرگوں کی لذّت محبوب کی اطاعت میں ہے اور بس اور ان کا انس اس کی بندگی پر موقوف ہے، أَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ (اے بلال مجھے راحت پہنچا) اسی کی طرف اشارہ ہے اور قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اسی کی ایک رمز ہے۔ دوسرے حضرات شہود

کی لذت کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں اور وصال کے خیال پر فریفتہ ہیں اور ان حضرات نے اس شہود سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور اس وصال کو خیال تصور کر کے غیب کے ساتھ جو کہ شہود پر ہزاروں درجے فضیلت رکھتا ہے مطمئن ہیں اور کمرِ ہمت کو اس کی بندگی پر چست باندھے ہوئے ہیں۔ تحریمۂ اولیٰ (تکبیرِ اولیٰ) کو جسے وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں تجلیات و ظہورات سے بہتر جانتے ہیں اور خشوع (عاجزی) اور سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے کو کہ حدیث شریف مَتِّعْ بَصَرَكَ بِمَوْضِعِ سُجُوْدِكَ (تو اپنی نگاہ کو اپنے سجدوں کی جگہ پر رکھ) جس پر دال ہے اور آیتِ کریمہ ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں) جس کی مُخبر ہے شہود و مشاہدہ سے زیادہ تصور فرماتے ہیں، نماز اسی (ظاہری) صورت پر موقوف نہیں ہے (بلکہ) عالمِ غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے شاید کہ حدیث شریف (قدسی) قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّيْ (اے محمدؐ! ٹھہر جایئے پس بیشک اللہ تعالیٰ نماز میں ہے) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جد و جہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اسی قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت زیادہ بہرہ ور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ شہود کی بندش اور ظہورات کی قید میں ہے اس حقیقت سے محروم و مستور ہے اسی بنا پر اس کی صورت کی تکمیل

کو جو کہ حقیقت کی طرف ایک راستہ رکھتی ہے مشاہدات وتجلیات سے بہتر سمجھتا ہے اور بلند ہمتی کے باعث ان پر قناعت نہیں کرتا۔

جب حقیقتِ نماز پالے تو کیا کیفیات حاصل ہوتی ہیں؟

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جو سالک اس حقیقت مقدس سے بہرہ ور ہوا وہ ادائے صلوٰۃ کے وقت گویا اس دنیا سے باہر آجاتا ہے اور دوسری دنیا میں (عالم آخرت میں) چلا جاتا ہے اور رؤیت اخروی کے مشابہ حالت حاصل کر لیتا ہے۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت دونوں جہانوں سے ہاتھ اٹھا کر دونوں جہانوں کو پس پشت ڈال کر اللہ اکبر کہتا ہوا حضرت سلطان ذیشان جل جلالہ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور حضرت حق جل جلالہ کی عظمت و کبریائی کی ہیبت سے خود کو محض ذلیل اور ناچیز سمجھ کر محبوب حقیقی پر قربان ہو جاتا ہے اور قرأت کے وقت موجود موہوب میں جو اس مقام کو سزاوار ہے موجود ہو کر حضرت حق سبحانہ کے ساتھ متکلم اور اس جناب مقدس سے مخاطب ہوتا ہے۔

یعنی جب قرأت کر رہا ہوتا ہے تو حدیث پاک میں بھی ہے کہ بندہ اپنے رب سے ہمکلامی کر رہا ہوتا ہے۔ بندہ جب کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ [مسلم ۳۹۵]: میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے تو اس کا تو حدیث پاک میں بھی تذکرہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

گویا اس کی زبان شجر موسوی بن جاتی ہے، جیسا کہ ابھی ابھی حقیقت قرآن کے سلسلے میں ذکر ہوا۔ اور جب وہ رکوع میں جاتا ہے تو حد درجہ خشوع ظاہر

کرتا ہے اور مزید قرب سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ اور تسبیح پڑھتے وقت ایک
خاص کیفیت سے مشرف ہوتا ہے اور اس نعمت پر شکر کرتا ہوا قومہ کرتا ہے،
اور پھر حضرت حق سبحانہ کے حضور میں سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے۔ قومے کا راز
جیسا کہ میری فہم ناقص میں آیا ہے یہ ہے کہ چونکہ اب ادائے سجود کا قصد
رکھتا ہے، اس لیے قیام کے بعد سجدے میں جانا مزید عاجزی کا موجب
ہے۔ جب وہ رکوع سے سجدے میں جاتا ہے تو سجدہ ادا کرتے وقت جو
قرب اسے حاصل ہوتا ہے، وہ بیان نہیں ہوسکتا، عقل اسکے ادراک سے
عاجز و قاصر ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے ساری نماز کا خلاصہ سجود ہی سجود ہے۔
حدیث قدسی میں ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دو قدموں پر سجدہ کرتا
ہے، اور یہ آیت کریمہ ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ العلق: ۱۹ (اور سجدہ کر اور
نزدیک ہو) اسی قرب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا
کہ: ؎

سر در قدمش بروں ہر بار چہ خوش باشد
راز دل خود گفتن با یار چہ خوش باشد

ترجمہ ۔ سر کو ہر بار اُس کے قدموں پر جھکانا خوب ہے، اس کے آگے
دل کی باتیں لب پہ لانا خوب ہے۔

نماز کے سنن و آداب بجالانے سے حقائق کا حصول

آگے فرماتے ہیں کہ

''جاننا چاہیے کہ جب نماز کے ادا کرتے وقت سنتوں کو اور نماز کے

آداب کو جیسا کہ چاہیئے بجالایا جاتا ہے مثلاً نماز کے آداب میں سے ہے کہ نماز میں قیام کے وقت سجدے کی جگہ پر اپنی نظر رکھے اور رکوع میں دونوں قدموں پر، سجدے میں ناک کے نرمہ پر، قعود (بیٹھنے) میں دونوں گھٹنوں پر، اور اسی طرح دوسرے تمام آداب کی بھی رعایت کرے تو ضرور حقیقتِ نماز جلوہ فرماتی ہے۔ اور یہ کہ بعض لوگ حضور اور جمعیت کے لیے قیام میں آنکھیں بند کر کے متوجہ ہوتے ہیں، ان چیزوں سے لطائف کا حضور تو البتہ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن فوق کی نسبتوں کے ظہور کے لیے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہاں ہر قسم کا حضور قالب ہی کے لیے ہوتا ہے، اور قالب کا حضور سنت کے مطابق آداب کی رعایت سے ہوتا ہے، اور نماز کے قیام میں آنکھوں کو بند کرنا بدعت ہے اگرچہ حضور کے لیے جائز کیا گیا ہے۔"

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو سمجھاتے ہیں کہ

"نماز اسی ظاہری صورت پر موقوف نہیں ہے بلکہ عالمِ غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے۔"

پھر آگے فرماتے ہیں:

"جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جدوجہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اس قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی

برکات سے بہت زیادہ بہرور ہوجاتا ہے۔''

حقیقتِ نماز سے اوپر معبودیت صرفہ کا مرتبہ

حقیقت نماز کے بعد معبودیتِ صرفہ کا مقام ہے۔ حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں ختم ہوجاتی ہے۔ صِرفہ کہتے ہیں خالص کو یعنی کہ یہ خالص معبودیت کا مقام ہے جو کہ حقیقتِ نماز سے بھی اونچا مقام ہے۔ اس مراقبہ کی نیت ایسے کرتے ہیں کہ

''اس ذات محض سے جو معبودیت صرفہ کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں:

''اور ''حقیقت صلوٰۃ'' جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ (یعنی نماز) اس مرتبہ مقدسہ کی بھی عبادت ہے جو اس سے اوپر ہے کیونکہ معبودیتِ صرف کا استحقاق بھی اسی مرتبہ فوق کے لئے ثابت ہے جو کہ ''اصلِ کُل'' ہے اور سب کی جائے پناہ ہے، اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بیچون و بیچگون ہو''۔

جس طرح حقیقتِ صلوٰۃ کے مرتبہ کی عبادت نماز ہے، اسی طرح معبودیتِ صِرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے۔

معبودیت صرفہ کا تعلق قدم سے نہیں نظر سے ہے

اگرچہ معبودیتِ صِرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے لیکن حقیقتِ صلوٰۃ میں اور معبودیتِ صِرفہ کے مقامات میں ایک بنیادی فرق ہے۔ وہ بنیادی فرق یہ ہے کہ تمام

انبیاء اور اولیاء کے قدم صرف حقیقتِ صلوٰۃ تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ حقیقتِ صلوٰۃ کے بعد معبودیتِ صرفہ کا مقام ہے، وہاں سیرِ نظری تو ہوسکتی ہے لیکن اس مقام پر سیرِ قدمی کسی کو بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ قدمی سیر ختم ہوگئی کیونکہ سیرِ قدمی عابدیت کے مقام تک تھی جو کہ حقیقت صلوٰۃ کا مقام تھا۔ اربع انہار میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"نظر یعنی فکر سے فیض لے سکتا ہے کیونکہ نظر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے"۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں:

"کامل انبیاء واکابر اولیا علیہم الصلوات والتسلیمات اولاً و آخراً کے اقدام کا منتہا "حقیقتِ صلوٰۃ" کے مقام کی انتہا ہے جو کہ عابدوں کے مرتبۂ عبادت کی نہایت ہے، اور اس مقام سے اوپر معبودیتِ صرف کا مقام ہے جہاں کسی کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں ہے کہ اس سے اوپر قدم رکھ سکے۔ کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عبادیت کی آمیزش ہے وہاں تک تو نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ "معبودیتِ صِرف" تک پہنچ جاتا ہے تو قدم بھی کوتاہی کرتا ہے اور سیر بھی انجام کو پہنچ جاتی ہے، لیکن اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا اور اس کی استعداد کے مطابق گنجائش بخشی ہے"۔

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

(ترجمہ) مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا

روایات میں منقول ہے کہ معراج کے واقعہ میں ایک ایسا موقع آیا تھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا تھا "قف یا محمدؐ" (اے محمدؐ، ٹھہر جائیے!)۔ فرماتے ہیں کہ

''ہوسکتا ہے کہ قِف یا محمدؐ (اے محمدؐ ٹھہر جایئے!) کے امر میں اسی کوتاہیٔ قدم کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی اے محمدؐ ٹھہر جائیں اور قدم آگے نہ رکھیں کیونکہ یہاں مرتبۂ صلوٰۃ سے بلند مرتبہ جو کہ مرتبہ وجوب سے صادر ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کا مرتبۂ تجرّد وتنزہ ہے جہاں نہ قدم کی جولانگاہ ہے اور نہ گنجائش ہے''۔

چنانچہ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے مرتبہ معبودیتِ صِرفہ میں توجہ فرمائی تو حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ

''پھر حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس عاجز پر اس عالی مقام میں توجہ فرمائی تو میں نے دیکھا کہ میں ایک مقام پر ہوں جس کے اوپر ایک بہت بڑا بلند اور بے رنگ مقام ہے۔ میں نے ہر چند چاہا کہ اس مقام میں پہنچ جاؤں لیکن نہ ہوسکا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مقام ''معبودیتِ صِرفہ'' ہے کہ وہاں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں مگر جہاں تک نظر پہنچے اس کو گنجائش ہے دیکھ لے۔''

پھر ایک شعر نقل فرماتے ہیں۔

تماشا کنانِ کوتہ دست
تو درختِ بلند بالائی

''تو وہ سروِ بلند وبالا ہے دیکھنے والے کیا بڑھائیں ہاتھ''

معبودیتِ صرفہ میں کلمہ طیبہ کی حقیقت متحقق ہوتی ہے

دفتر سوم کے مکتوب ۷۷ میں ہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام (یعنی معبودیتِ صرفہ) میں متحقق ہوجاتی ہے اور غیر مستحق معبودوں کی عبادت کی نفی میں صورت اختیار کرتی ہے اور معبودِ حقیقی کا اثبات یعنی اس (حق تعالیٰ) کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں اس مقام میں حاصل ہوجاتا ہے اور عابدیت اور معبودیت کے درمیان کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کماحقہ جدا ہوجاتا ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی منتہیوں کے حال کی نسبت سے لا معبود الا اللہ (نہیں معبود مگر اللہ) ہیں جیسا کہ شرع شریف میں اس کلمہ کے معنی مقرر ہو چکے ہیں، اور لا موجود ولا وجود ولا مقصود کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے اور لا مقصود کا مرتبہ لا موجود اور لا وجود کے مرتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ لا معبود الا اللہ کا دریچہ (کھڑکی) ہے''۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بھی ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں:

'' اسی مقام پر ''کلمہ طیبہ'' لا معبود الا اللہ کے معنی کا راز جلوہ گر ہوا، اور صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ فی الحقیقت ہر طرح کی عبادت کا حق سوائے اللہ تعالیٰ کی احدیت کے کسی کو نہیں پہنچتا اگرچہ اسماء وصفات ہی کیوں نہ ہوں اور تمام ممکنات کے لئے تو اس امر کی لیاقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چاہے جو بھی ہو۔ شرک کی یہاں کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی بلکہ وہ بیخ وبن سے اکھڑ جاتا ہے''۔

اس مقام میں نظر کی ترقی عبادتِ نماز سے وابستہ ہے

اسی مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''جاننا چاہئے کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور نگاہ میں تیزی صلوٰۃ (نماز) کی عبادت پر وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے دوسری عبادات بھی اس صلوٰۃ کی تکمیل میں شاید مدد فرمائیں اور اس کے نقصان کی تلافی کریں۔ اسی لئے نماز کو بھی ایمان کی طرح حَسَن لذاتہ (یعنی اصل اور ذات میں خوب اور بہتر) کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں حُسن لذواتہا (اپنی ذات میں حُسن) نہیں ہے''۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وصولِ نظری سے کیا مراد ہے؟

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کہیں کہ رویتِ بصری و مشاہدۂ قلبی دونوں دنیا میں واقع نہیں ہیں تو اُس بارگاہ میں وصولِ نظری کس معنی میں ہوگا، ہم کہتے ہیں کہ یہ نظر رویت و مشاہدہ سے ماوراء ایک بے کیف امر ہے جبتک تو اس کو نہ پہنچے اس کے معنی کو نہیں سمجھ سکے گا۔ گویا کہ متشابہات کی قسم سے ہے۔ ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ) نے تحریر فرمایا ہے کہ ''وصولِ نظری اور وصولِ قدمی اس معنی میں نہیں ہے کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کی گنجائش ہے اس جگہ تو بال کی (بھی) گنجائش نہیں ہے قدم کی کیا ہوگی بلکہ ایک مجہول کیفیت والا وصول ہے، اگر صورت مثالیہ میں نظر کے ذریعے سے منقش ہوا تو (اس کو) وصولِ نظری کہتے ہیں اور اگر قدم کے ذریعے سے ہے تو وصول قدمی ہے ورنہ نظر و قدم دونوں اس بارگاہ سے بیخود و حیران ہیں''

نماز تمام عبادتوں کی جامع ہے

مکتوباتِ مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۱ میں فرماتے ہیں:

''معلوم ہو کہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے ''نماز'' رکنِ دوم ہے جو تمام عبادات کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے کہ جس نے اپنی جامعیت کی وجہ سے کل کا حکم پیدا کرلیا ہے اور تمام مقرب اعمال پر سبقت لے گئی ہے اور وہ دولتِ رویتِ (باری تعالی) جو سرورِ عالمیان علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کو شبِ معراج بہشت میں میسر ہوئی تھی، دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ ﷺ کو وہ دولت نماز میں میسر ہوتی تھی۔''

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ((اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ اِلَی الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ)). (کنز العمال: ۳۳۲۸)سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے کو رب سے حاصل ہوتا ہے وہ نماز میں ہے۔ اب آگے نماز کی عظمت کے بارے میں چند الفاظ لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے کامل تابعداروں کو بھی اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے، اگرچہ حقیقی رویت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہان اس کی تاب وطاقت نہیں رکھتا۔ اگر (حق تعالی) نماز کا حکم نہ فرماتا تو مقصود کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی ہے جو غمگساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کو راحت دہ

ہے، اَرِحْنِیْ یَابِلَالُ اے بلال ؓ! مجھے راحت دے، اسی حقیقت کا رمز ہے۔ اور قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار والوان، تلوینات وتمکینات (بیقراری واطمینان) ،تجلیات متکیّفہ وغیر متکیفہ (کیفیت والی اور بے کیفیت والی تجلیات) اور ظہوراتِ متلوّنہ وغیر متلونہ (رنگارنگ و بیرنگ ظہورات) ان میں سے جو کچھ نماز کے علاوہ (اوقات میں) میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہوں ان سب کا منشا ظلال وامثال ہے بلکہ وہم اور خیال سے پیدا ہوئے ہیں۔ (بس نماز میں ذات کی طرف دھیان ہونا چاہیے، اس کے علاوہ جو کیفیات واردات ہیں، ان کی طرف سالک کو توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ سبحان اللہ، عجیب بات لکھی ہے۔) وہ نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالمِ دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا وہ اس وقت اس دولت سے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، حصہ کر لیتا ہے، اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ اٹھاتا ہے۔

بعض اولیاء نے سماع ونغمہ وغیرہ سے لذت پانے کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''ایسی باتیں ''حقیقتِ نماز'' سے عدم آگاہی (بے خبری) کی وجہ سے ہیں، بلکہ اس طائفہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بیقراری کی تسکین کو سماع ونغمہ اور وجد وتواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب

کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص اور رقاصی کو اپنا مسلک بنالیا ہے، حالانکہ انھوں نے سنا ہوگا: مَاجَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاء (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی)۔ ہاں، اَلْغَرِيْقُ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ حَشِيْش وَحُبُّ الشَّيْئِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے)۔ اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع اور نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔

وہ جو کہتے ہیں کہ ہم سماع اور نغمہ کی کیفیت میں مزے لینے والے لوگ ہیں، اس لیے کہ ان کو نماز کی حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ اگر نماز کی حقیقت کا پتہ چل جاتا تو وجد و تواجد کے پیچھے نہ جاتے۔

ایک بہت ہی عجیب بات کہی ہے، سبحان اللہ۔ امید ہے آپ اس بات کو دل میں جگہ دیں گے، یہ بہت اہم بات ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز سیکھنے اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ (شوق) آپ کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد اس طرف متوجہ ہو جائیں اور عمر کا ایک حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں۔"

وہ کہتے ہیں کہ نماز کے کمالات کی اہمیت سمجھ میں آگئی ہے تو پھر آپ اس طرف متوجہ ہوں اور میرے پاس آئیں اور عمر کا ایک حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی حقیقت نصیب فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

حقائق انبیاء سے مراقبہ لاتعین تک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد:

خلاصہ سلوک

پچھلی مجالس میں ہم نے پڑھا کہ اس راہ میں سالک سب سے پہلے لطائف عالمِ امر و عالمِ خلق پر اسم ذات اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ عالمِ امر کے پانچ لطائف، قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں۔ اور عالمِ خلق کے دو لطائف، نفس اور قالب ہیں۔ قالب چار عناصر، آگ، ہوا، پانی اور مٹی سے مرکب ہے۔ عالمِ امر اور عالمِ خلق دائرہ امکان میں ہیں اور اس دائرہ کے نیچے والے حصے میں سیرِ آفاقی اور اوپر والے حصے میں سیرِ انفسی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ عالمِ امر کے لطائف کے اصول عرش کے اوپر ہیں اور عالمِ خلق کے لطائف کے اصول عرش کے نیچے ہیں۔ اسکے بعد نفی اثبات یعنی تہلیل کے اسباق سے ترقی ہوتی ہے۔

نفی اثبات کے بعد مراقبہ احدیت کا سبق ہوتا ہے جو کہ فکر کا سب سے پہلا سبق ہے۔ مراقبہ احدیت کے بعد مشاربات کے اسباق شروع ہو جاتے ہیں جن میں عالمِ

امر کے پانچوں لطائف کی فنا حاصل ہوتی ہے۔ دراصل عالمِ امر کے ہر لطیفہ کی اصل عرش کے اوپر ہے۔ لطیفہ قلب کی اصل تجلی افعال الٰہی، لطیفہ روح کی اصل تجلی صفات ثبوتیہ، لطیفہ سر کی اصل تجلی شیونات ذاتیہ، لطیفہ خفی کی اصل تجلی صفات سلبیہ اور لطیفہ اخفیٰ کی اصل تجلی شان جامع ہے۔ جب تمام لطائف اپنی اصل تک پہنچ جاتے ہیں تو ہر لطیفہ کی فنا حاصل ہوجاتی ہے اور دائرۂ امکان کی سیر ختم ہوجاتی ہے۔ دائرہ امکان کے بعد دوسرا دائرہ ولایتِ صغریٰ کا دائرہ ہے اور اس میں معیت کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس سیر کا تعلق اسماء وصفات کے ظلال سے ہے۔

تیسرے دائرے یعنی دائرہ ولایت کبریٰ میں تجلیات خمسہ (افعالیہ، ثبوتیہ، شیون ذاتیہ، سلبیہ اور شان جامع) کے اصول میں سیر ہوتی ہے۔ ولایت کبریٰ کو ولایتِ انبیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو دائرہ اسماء وصفات وشیونات بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں اسماء وشیونات الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے۔ دائرہ ولایتِ کبریٰ تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے۔ پہلے دائرے میں مراقبہ اقربیت کرتے ہیں اور یہ دائرہ ولایتِ صغریٰ کی اصل ہے۔ باقی دو دائروں اور قوس میں مراقبہ محبت کرتے ہیں۔ دوسرا دائرہ پہلے کی اصل ہے، تیسرا دوسرے کی اور قوس تیسرے دائرہ کی اصل ہے۔ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ کی سیر کو اسمِ ظاہر کا سلوک کہتے ہیں اور یہ سیر مراقبہ اسمِ ظاہر پر ختم ہوتی ہے۔

اب تک تین دائرے مکمل ہوگئے ۔ پہلا دائرہ امکان، دوسرا دائرہ ولایتِ صغریٰ اور تیسرا دائرہ ولایتِ کبریٰ۔ اس کے بعد چوتھا دائرہ ہے جس میں ولایتِ علیا یعنی فرشتوں کی ولایت کی سیر ہوتی ہے۔ اس ولایت میں اسمِ باطن کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ جب سالک کو اسمِ ظاہر اور اسمِ باطن کے دو پر حاصل ہوگئے تو اب سالک کا معاملہ ظلال، صفات اور شیونات کی سیر سے نکل کر ذات سے وابستہ ہوجاتا ہے۔

لہٰذا سالک کو کمالاتِ ثلاثہ (یعنی کمالاتِ نبوت، کمالاتِ رسالات اور کمالاتِ اولوالعزم) میں تجلی ذاتی دائمی کی سیر نصیب ہوتی ہے۔

کمالاتِ ثلاثہ کے بعد ہمارے مشائخ نے سالک کو حقائق الٰہیہ کے چار مراقبے کروائے۔ چنانچہ پہلے دائرہ حقیقتِ کعبہ ربانی، پھر دائرہ حقیقت قرآنِ مجید اور پھر دائرہ حقیقتِ صلوٰۃ ہے۔ ان تینوں کو حقائق ثلاثہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد پھر دائرہ معبودیتِ صرفہ کا سبق آتا ہے جو کہ حقائق الٰہیہ میں سے آخری دائرہ ہے۔ حقائق الٰہیہ کے ساتھ ساتھ مشائخ کرام نے ایک اور راستے کی نشاندہی کروائی ہے جس میں حقائق الٰہیہ کے بجائے، حقائق انبیاء کے چار مراقبے کروائے جاتے ہیں، جن میں حقیقت ابراہیمیؑ، حقیقت موسویؑ، حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت احمدی ﷺ شامل ہیں۔ سلوک کی کتابوں میں جہاں کہیں حقائق سبعہ کا تذکرہ آیا ہے، ان سے مراد حقائق الٰہیہ ثلاثہ اور حقائق انبیاء کا مجموعہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ساتوں اسباق کروانے کو پسند فرمایا تا کہ ہر قسم کے فیض سے مستفید ہوا جا سکے۔

نقشبندی مجددی سلوک کی قرآنی ترتیب

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سلوک کی ترتیب ایسی کیوں ہے؟ حقائق آخر میں کیوں نصیب ہوئے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے ذکر کے اسباق تھے، پھر فکر کے اسباق تھے اور بعد میں حقائق کھولے گئے؟ اصل میں یہ قرآنی ترتیب ہے جو کہ اللہ پاک نے ہمارے مشائخ پر کھولی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بٰطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

جو لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور و فکر کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا، ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجیے۔

اس آیت کریمہ میں پہلے ذکر کا تذکرہ ہے، پھر فکر کا۔ چنانچہ انسان پہلے ذکر سے من کو صاف کرتا ہے، پھر فکر سے اپنے باطن کو منور کرتا ہے۔ جب من ذکر سے صاف اور فکر سے منور ہو گیا تب انسان کا دل ایسی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ حقائق کے دروازے کھولے۔ چنانچہ جب حقیقتیں کھلتی ہیں تو کہتا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بٰطِلًا﴾ اور عجیب بات ہے کہ قرآن مجید میں اس اقرار سے پہلے ''قَالَ'' کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ارشادِ خداوندی ہے ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بٰطِلًا﴾ چونکہ ان حقائق کے کھلنے کا تعلق قال سے نہیں، حال سے ہے، دل کی صفائی اور منور ہونے سے ان کا تعلق ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے حقائق کا راستہ کھول دیتے ہیں تو پھر ایک اور حقیقت بھی کھلتی ہے کہ ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ ان حقائق کے بارے میں جو بھی ہمارا تصور ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام حقائق سے بھی اونچی ہے، جیسے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وَهُوَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ

اس مقام پر سالک بے اختیار پکار اُٹھتا ہے ﴿سُبْحٰنَكَ﴾، آپ انسان کی سوچ سے بلند و بالا ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس میں انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الذَّاتِ اِدْرَاكٌ کہ اللہ کی ذاتِ حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک

ہے اور یہ کیفیت انسان کو کامل طور پر مقام لاتعین پر نصیب ہوتی ہے۔ جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف کامل طور پر رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ، آپ کی رحمت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ۔ میرے تمام مجاہدے، کوششیں ایک طرف اور آپ کی رحمت ایک طرف۔ لہٰذا آپ مجھے دنیا میں شرمندگی کی آگ سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے بچالیں۔ اللہ اکبر کبیرا!

حقائق انبیاء

مراقبہ معبودیت صرفہ کے بعد حقائق انبیاء کے اسباق آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی مکتوب ۲۳ (مکاتیب شریفہ) میں مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ کو حقائقِ انبیاء کے مراقبات کی تلقین دیتے ہوئے ان حقائق کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں:

تعین اوّل حبّ ذاتی ہے اور اس حبّ کے چند درجات اور اعتبارات ہیں۔ اپنی ذات پاک کی محبت اور اسے حقیقت احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں اور اپنی ذات پاک کی محبیت محبوبیت کے امتزاج سے، اس اعتبار کو حقیقت محمدی صلّی اللہ علی صاحبھا وبارک وسلّم فرماتے ہیں۔ اور اپنی ذات پاک کی محبیت۔ اس کو حقیقت موسوی (علیہ السلام) فرماتے ہیں۔ اپنی حضرت ذات پاک کی انس کو خلت کا مرتبہ فرماتے ہیں اور یہ خلّت حقیقت ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوۃ والسلام ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ

یہی حبّ ذاتیہ تمام کمالات کا سبب وآغاز ہے۔

یہاں اس بات کو سمجھ لیں کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کو ''مُحبّیت'' کہتے

ہیں اور دوسری قسم کو "مَحبُوبِیّت" کہتے ہیں۔ اور اس محبوبیت کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک محبوبیت ذاتی اور دوسری محبوبیت صفاتی و اسمائی۔ محبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہوا۔ محبوبیت صفاتی و اسمائی کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام میں ہوا۔ اور محبوبیت ذاتی کا ظہور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہوا۔ اس کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کرلیں تو آگے کی عبارتیں سمجھنا آسان ہوجائیں گی۔

اب یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سلوک کی کتابوں میں یہ کیوں لکھا گیا کہ حقائق انبیاء اصل میں ولایتِ کبریٰ میں داخل ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ولایتِ صغریٰ میں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور ولایتِ کبریٰ کے پہلے دائرہ میں اللہ رب العزت سے اقربیت نصیب ہوتی ہے۔ لیکن ولایتِ کبریٰ کے باقی دو دائروں اور قوس کا تعلق محبت سے ہے۔ چنانچہ سالک ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (مائدہ: ۵۴) کے مضمون کو دل میں ملحوظ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ تو جیسے ولایتِ کبریٰ کے اسباق کا تعلق اللہ کی محبت سے ہے، اسی طرح حقائقِ انبیاء کا تعلق بھی محبت سے ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ حقائق انبیاء اصل میں ولایتِ کبریٰ میں داخل ہیں۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ جس طرح حقائق الٰہیہ میں ترقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے محض فضل پر موقوف ہے اسی طرح حقائق انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام میں ترقی محبت پر موقوف ہے۔

بالخصوص ہمارے لیے حقائق انبیاء علیہم السلام میں ترقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

پر موقوف ہے۔

مراقبہ حقیقتِ ابراہیمیؑ

حقائق انبیاء میں پہلا مقام حقیقتِ ابراہیمیؑ کا ہے، جس کے مراقبہ میں یہ نیت کی جاتی ہے:

''اس ذات سے جو حقیقت ابراہیمی علیہ السلام کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

اس مقام پر کیا کیفیات نصیب ہوتی ہیں، اس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم کے مکتوب ۸۸ میں فرماتے ہیں:

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ جس بندے کو اپنی خُلّت کی دولت سے جو کہ بالا صالت حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایتِ ابراہیمی سے سرفراز فرما کر اس کو اپنا انیس وندیم بنا لیتا ہے اور انس والفت کی نسبت جو خلت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے اور جب خلت کی وہ نسبت جو انس والفت کے لوازم سے ہے درمیان میں آگئی تو پھر خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی قباحت وکراہت نظر سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ اگر برائی نظر میں رہے تو نفرت وبے الفتی کا باعث ہوگی جو مقامِ خلّت کے منافی ہے جو سراسر الفت ہے۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابوسعید فرماتے ہیں کہ

''جب ان کے شیخ نے اس مقام پر توجہ فرمائی حضرت کی عنایت سے اسی

ایک توجہ میں اس مقام کی کیفیت کا فیض ہوا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس عالی مقام (جس سے مراد خُلّتِ حضرتِ حق ہے) کے انوار و اسرار میں سے نزول ہوا۔ اس مقام پر حضرتِ حق سے ایک خاص اُنس اور مخصوص خلت ظاہر ہوئی اور یہی بات حضرتِ حق جلّت وعظمت کی طرف سے اس بندے پر ظاہر ہوئی۔''

آگے فرماتے ہیں:

اس مقام پر سالک کو حضرتِ ذات سے ایسا انس پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ دوسری طرف رُخ ہی نہیں کرتا اگرچہ وہ اسماء وصفات ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا خواہ مشائخ کبار کے مزارات ہی کیوں نہ ہوں۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا اگرچہ ارواح و ملائکہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس مقام پر درودِ ابراہیمی کا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے بار بار بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم کے مکتوب ۸۸ میں فرماتے ہیں کہ ''خُلّت بہت عالی مقام ہے اور کثیر البرکت ہے۔ اور عالمِ مجاز میں بھی جس شخص کو کسی دوسرے کے ساتھ انس والفت اور سکون اور آرام ہے وہ سب خُلّت کے مقام کے ظلال ہیں۔ مثلاً وہ محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے اور بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے، یہ سب اسی خلت کی جنس سے ہے۔ اور اسی طرح ہر حظ، لذت اور آرام جو حسین صورتوں اور مظاہرِ جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقامِ خلّت ہی سے ہے۔

حقیقتِ ابراہیمیؑ اور حقیقتِ محمدی ﷺ اور حقیقتِ احمدی ﷺ میں فرق

ہدایت الطالبین میں شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو کیفیت کہ اس مقام پر حاصل ہوئی وہ دوسرے مقاماتِ علیہ میں اس خصوصیت اور کیفیت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی۔ اور یہ چیز فضلِ الٰہی کی جزئی فضیلت کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ اس مقام پر محبوبیتِ صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محبوبیتِ ذاتی۔''

دوبارہ سن لیجیے کہ حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام پر محبوبیتِ صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے اور حقیقتِ محمدی ﷺ اور حقیقتِ احمدی ﷺ میں محبوبیتِ ذاتی جلوہ گر ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ متعالی جس طرح وہ اپنے آپ کو دوست رکھتی ہے اسی طرح اپنی صفات کو بھی دوست رکھتی ہے۔ پہلی قسم (یعنی ذات) میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور دوسری قسم (یعنی صفات) خلت کے نام سے موسوم ہے اور وہ حقیقتِ ابراہیمی کہلاتی ہے۔

پھر ان دو طرح کی محبوبیت کو سمجھانے کے لیے فرماتے ہیں:

''محبوبیتِ صفاتی ایسی ہے جیسے خط و خال و قد و خسار کی محبوبیت۔ اسی لئے اس مقام میں کامل بے رنگی نہیں ہے جیسی محبوبیتِ ذاتی میں۔''

اگرچہ صفاتی محبت کا مقام اونچا ہے لیکن ذات سے وابستہ محبت کا مقام اس سے

بھی اونچا ہے۔

خلّت اور محبت میں فرق کے بارے میں مزید وضاحت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم کے مکتوب ۸۸ سے ملتی ہے۔فرماتے ہیں:

''خلّت اور محبت کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے۔خُلّت عام ہے اور محبت اس کا ایک فرد کامل ہے، کیونکہ انس والفت کا حد سے زیادہ ہوجانا محبت ہے جو کہ گرفتاری کا باعث ہے اور بے قراری و بے آرامی پیدا کردیتی ہے، اور خلت سراسر انس والفت اور آرام ہے۔وہ محبت ہی ہے جو گرفتاری پیدا کرتی ہے اور خلت کے دوسرے افراد سے متمیز ہوئی ہے، گویا کہ وہ دوسری جنس ہوگئی ہے۔''

پھر ایک بہت عجیب بات فرماتے ہیں:

وہ ہُنر جو کہ محبت نے اس امتیاز میں خلت کے باقی تمام افراد کی نسبت زیادہ حاصل کیا ہے وہ درد وحزن ہے، اور نفسِ خلت سب کا سب عیش در عیش، فرح در فرح اور انس در انس ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

اور چونکہ محبت درد وحزن کا منشا ہوئی اس لیے جس فرد میں بھی محبت غالب ہوگی اس میں درد وحزن بھی زیادہ ہوگا۔اسی وجہ سے کہا گیا ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ وَ دَائِمَ الْفِكْرِ (شمائل ترمذی: ۲۲۵)، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مغموم اور دائم الفکر رہتے تھے)۔

مراقبہ حقیقتِ موسوی

محسبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہوا۔ چنانچہ حقیقتِ موسوی علیہ السلام کے دائرہ کو دائرۂ محبت ذاتیہ اور دائرہ محبت ذاتیہ صرفہ بھی کہتے ہیں۔ اس مراقبہ کی نیت یوں کی جاتی ہے:

''اس ذات سے جو خود اپنا محب اور حقیقت موسوی کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اس مقام کی کیفیت پوری قوت کے ساتھ وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات پاک سے محبت و دوستی جس سے حقیقتِ موسوی مراد ہے ظاہر ہوئی۔''

اس مقام پر بعض حضرات کی زبان سے بے ساختہ آیت کریمہ ﴿رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) جاری ہوگئی، کہ اے میرے رب! تو مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف دیکھوں۔ لیکن ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ متحمل ہونا اور کیفیات کو برداشت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے الفاظ کو ظہور کم ہی ہونا مناسب ہے۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اس مقام پر محبتِ ذاتی کے ظہور کے باوجود استغناء اور بے نیازی کی شان بھی ظاہر ہوتی ہے، یہ ضدّین کی اجتماع ہے اور اسی سے یہ راز ظاہر ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے بعض جرأت آمیز کلمات صادر ہوئے جو بظاہر بے ادبی معلوم ہوتی ہے تو وہ امر واقعہ ہے۔''

حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام کے مقام پر درودِ ابراہیمی علیہ السلام سے ترقی ہوتی ہے۔

حقیقتِ موسویٰ کے بارے میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
''اس مقام پر اس درود شریف سے ترقی ہوتی ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلٰی جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ خُصُوْصًا عَلٰی كَلِيْمِكَ مُوْسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ''

حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعین اول ''حب''

سلوک کی کتابوں میں تعیّن حبّی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعیّن حبّی کے کیا معنی ہیں۔ اگر سالکین تعیّن حبّی کو سمجھ لیں تو یہ بات بھی سمجھ آجاتی ہے کہ حقائق انبیاء کے ان اسباق کا تعلق حبّ سے کیوں ہے؟

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر اول مکتوب ۸۵ میں فرمایا کہ
ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق عزّ وجلّ نیچے اُتر آیا پس وہ حُبّ یا وجود ہوگیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاءِ کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں کہ حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے اس کے متعلّق مراتبِ ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہورِ حُبّی ہے جو مبدأ ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے: كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ

اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ (کشف الخفاء:۲۰۱۶) (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا)۔سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہ یہی حُبّ ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی۔اگر یہ حُب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کُھلتا اور عالَم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔اور حدیثِ قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔(کشف الخفاء:۲۱۲۳) (اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان کو پیدا نہ کرتا) کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات التسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہئے۔اور لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ۔(کشف الخفاء:۲۱۲۳) (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہئے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہوتے ہیں ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا کون سا اعتبار ظاہر ہوا؟ چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خدا کا پہلی بار مخلوق کو پیدا کرنے کا علم تعین اول ہے۔دیگر حضرات نے فرمایا کہ ارادۂ تخلیق تعین اول ہے ۔لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عجیب بات فرماتے ہیں کہ ’’حبّ‘‘ یعنی یہ چاہنا کہ مجھے پہچانا جائے ،تعین اول ہے، یہ سب سے پہلا اعتبار ہے جو ظاہر ہوا۔اب جب اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا تو سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہوئی۔شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہی حبّ ذاتیہ تمام کمالات کا سبب وآغاز ہے۔

پھر دوسرا اعتبار جو اللہ پاک نے ظاہر کیا وہ وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے۔ اس لئے تعین وجودی، تعین حبّی کا ظل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ (الاحزاب: ۷)

''اور جب ہم نے تمام انبیاء سے عہد لیا اور آپ سے اور اسی طرح نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے۔''

اس آیت میں عالمِ ارواح کی ترتیب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے مقدم کیا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ))

(کشف الخفاء: ۲۰۰۹)

کہ ''تخلیق کے لحاظ سے میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں۔''

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِیَّةَ

(کشف الخفاء: ۲۱۲۳)

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی عالم کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔''

اس لیے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبی

کریم ﷺ کا اسم مبارک عرش پر لکھا دیکھا تھا۔ حاکم نے اپنی مستدرک 2 / 672: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللهُ يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ قَالَ يَا رَبِّ لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلٰى اِسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ فَقَالَ اللهُ صَدَقْتَ يَا آدَمُ إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ اُدْعُنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ۔

''جب حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے وہ مشہور چوک سرزد ہوگئی تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے اللہ! میں آپ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، اس بات کا کہ آپ مجھے معاف فرمادیں، تو اللہ عزوجل نے دریافت فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کیسے جان لیا جب کہ میں نے ابھی ان کو پیدا ابھی نہیں کیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا: اے اللہ! وہ ایسے کہ جب آپ نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ تو میں نے جان لیا کہ یہ ضرور آپ کی کوئی محبوب ترین مخلوق ہوگی کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ اس نام کو جوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آدم! تم نے سچ کہا، بیشک وہ مجھے اپنی

مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، ان کے وسیلے سے مجھ سے مانگو۔ سو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر محمد ﷺ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔"

معجم الاوسط ۶ / ۳۱۳ میں طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے، اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تاریخ ۷ / ۴۳۷ میں حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اسی طرح دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

أَتَانِي جِبْرِيْلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ النَّارَ

"میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: اے محمد ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو نہ ہی جہنم کو پیدا کرتا۔" (رواہ الدیلمی عن ابن عمر)

پھر حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستدرک ۲ / ۶۷۲ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

أَوْحَى اللهُ إِلَى عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عِيْسَى اٰمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوْا بِهِ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ, وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ فَسَكَنَ۔

"اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ محمد ﷺ کی تصدیق کریں اور اپنی امت کو اس بات کا حکم دیں کہ ان میں سے جو انہیں پائے وہ

ان پر ایمان لائے۔ پس اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں جنت وجہنم کو بھی پیدا نہیں کرتا اور جب میں نے پانی پر عرش کو پیدا کیا تو وہ حرکت کرنے لگا، پھر جب میں نے اس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا تو وہ اپنی جگہ پر ٹھہر گیا۔''

اسی طرح دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند فردوس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ : وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا))

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میری عزت اور میری بزرگی کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہیں کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا''

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ملاعلي قاري رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الرد علی وحدۃ الوجود(۹)'' میں فرمایا:

ثُمَّ لَمَّا كَانَ نَبِيُّنَا أَكْمَلَ بَنِيْ آدَمَ بَلْ وَ أَفْضَلَ أَفْرَادِ الْعَالَمِ وَرَدَ فِيْ حَقِّهٖ: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ. فَهُوَ إِنْسَانُ الْعَيْنِ وَعَيْنُ الْإِنْسَانِ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

''حقیقتِ محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ظہورِ اول ہے اور حقیقت الحقائق اس معنی میں ہے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاءِ کرامؑ کے حقائق ہوں یا ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق

سب اس کے ظلال کی طرح ہیں اور وہ تمام حقائق کی اصل ہے جیسا کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ (کشف الخفاء:۸۲۷) (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور آپ علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں)۔لہٰذا لازمی طور پر حق جل وعلا اور تمام حقائق کے درمیان آپؐ واسطہ ہیں، اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک وصول محال ہے۔

چنانچہ ''حب'' نبی کریم ﷺ کا مبدأ تعین ہے۔ ہر نبی علیہ السلام کی رسائی ان کے مبدأ تعین تک ہی ہوتی ہے اور معراج میں آپ ﷺ کی رسائی بھی مقامِ حب تک تھی۔مخلوق کے لئے اس سے اونچا کوئی مقام نہیں کیونکہ اس سے اوپر لاتعین کا مقام ہے۔ اگر حب نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا!

تعین حُبی کا مرکز حُبّ ہے اور محیط خُلّت ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں کہ ''جاننا چاہیئے کہ تعینِ اول جو تعین حُبّی ہے جب دقّتِ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اللہ سبحانہ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حُبّ ہے جو کہ حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام ہے اور اس کا محیط جو کہ مثالی صورت میں ایک دائرہ کی مانند ہے اور وہ محیط اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے جو کہ خُلّت ہے جس کو حقیقتِ ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے

ہیں، لہذا حُبّ اصل ہوئی اور خُلّت اس کے لئے ظل کی مانند ہوئی۔ اور یہ مرکز ومحیط کا مجموعہ جو کہ ایک دائرہ ہے تعین اول ہے اور اس کے اشرف و اسبق اجزاء کے نام پر ہے جو کہ مرکز ہے اور اس سے مراد حُبّ ہے۔ اور نظرِ کشفی میں بھی اصالت کے اعتبار سے اور اس جزء کے غلبہ کی وجہ سے تعینِ حُبّی ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ دائرہ کا محیط اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے اور وہ مرکز اس کی اصل ومنشا ہے لہذا اس محیط کو اگر تعینِ ثانی کہیں تو گنجائش ہے۔ لیکن نظرِ کشفی میں دو تعین نہیں ہیں بلکہ ایک ہی تعین ہے جو کہ حُبّ اور خلّت پر مشتمل ہے کہ دونوں ایک ہی دائرہ کے مرکز ومحیط ہیں۔ اور نظرِ کشفی میں تعینِ ثانی تعینِ وجودی ہے جو تعینِ اول کے لئے ظل کی مانند ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اور چونکہ مرکز (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محیط (یعنی حقیقتِ ابراہیمیؑ) کی اصل ہے لہذا لازمی طور پر محیط کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں مرکز کے توسط سے چارہ نہیں ہے کیونکہ مطلوب تک وصول مرکز ہی کی راہ سے ہے جو دائرہ کی اصل اور اجمال ہے۔ اس بیان سے حضرت حبیب اللہؐ کے ساتھ حضرت خلیل اللہ علیہما وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوات والتسلیمات کی مناسبت اور اتحاد معلوم کرنا چاہئے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

وَ اِذَا اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ ،اَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُكُمْ (یَعْنِیْ نَفْسَهٗ) (مسلم:۱۷۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا اور فرماتے ہیں کہ نبی

علیہ السلام سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے نبی حضرت ابراھیمؑ ہیں۔اور ظاہر ہے کہ معراج میں جو زیارت ہوئی تھی اس کا صرف جسد سے تعلق نہیں تھا بلکہ عالم الارواح سے بھی تعلق تھا تو یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خَلقاً اور خُلُقاً، صورتاً اور سیرتاً حضرت ابراہیمؑ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مشابہت تھی۔اور اہل دل حضرات کے ہاں یہ بات مجرب ہے کہ اگر ظاہری مشابہت ہو تو روحانی مشابہت میں بھی اس کا اثر ہوسکتا ہے۔ایک روایت میں صحابی ابوجہم بن حذیفۃ القرشی العدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا رَاَیْتُ شَبِھاً کَشِبْہِ قَدَمِ النَّبِیِّ ﷺ بِقَدَمِ اِبْرَاھِیْمَ الَّتِیْ کُنَّا نَجِدُھَا فِی الْمَقَامِ

کہ میں نے کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی اتنی مشابہت رکھنے والے پاؤں نہیں دیکھے سوائے وہ پاؤں کے نشان جو ہمیں مقامِ ابراہیم میں ملتے ہیں۔

اللہ اکبر کبیرا!

اور چونکہ ظل کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں اصل ہی واسطہ ہے اس لئے لازمی طور پر حضرت خلیل اللہؑ نے حضرت حبیب اللہ علیہما و علی جمیع الانبیاء الصلوات والتحیات اتمہا و اکملہا کے توسط کی درخواست کی اور اس کی آرزو فرمائی کہ آپؐ کی امت میں داخل ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

چنانچہ حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے انبیاء اور ملائکہ کے حقائق کی اصل ہے اور دوسروں کے حقائق اس کے لئے ظل کی مانند ہیں۔اور اس مقام کے بارے میں ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ مقام حقائق انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے

اسرار کا جامع ہے۔

مراقبہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب تعین حبی کو سمجھ لیا تو اب ہم حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تفصیلی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت کے مراقبہ میں یہ نیت کرتے ہیں:

''اس ذات سے جو خود اپنا ہی محب اور اپنا ہی محبوب ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

اس مقام کے بارے میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

اس جگہ حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت و مہربانی سے محبیت جو محبوبیت سے ملی ہوئی ہے اس کا ظہور ہوا، اور اس دائرہ میں ان دو مرتبوں کے اجتماع کا بیان ایک خاص کیفیت رکھتا ہے جو کیفیت تحریر میں پورے طور پر نہیں آسکتی۔ اس لیے مشائخ نے اس کو دائرۂ محبوبیت ذاتیہ مُمتزِجہ بھی کہا ہے۔ اس مقدس مقام پر فنا اور بقا حاصل ہوئی اور دین و دنیا کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک خاص اتحاد میسّر ہوا، اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مجھے اس مرتبے پر پہنچایا گیا اور وہ اسرار ظاہر کئے گئے کہ ان کا اظہار فتنے کے بیدار کرنے کا موجب ہوگا۔ رفعِ توسط کے معنی جس کے اکابر اولیاء قائل ہیں اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس صاحبِ مقام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا تعلق ہوجاتا ہے کہ دونوں (صاحبِ مقام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایک ہی محبوب کے ہم کنار

وہم آغوش ہیں۔ اور اس سب کے باوجود اس کو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قسم کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور امام الطریقہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے اس قول کا راز بھی اس مقام میں کھلتا ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''خدائے جل شانہ کو میں اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار ہے''۔

اور اسی مقام پر ہر چھوٹے بڑے اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت اور مناسبت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ) خود بھی حدیث پر عمل کی پوری رغبت رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کا شوق اور ترغیب دلاتے ہیں۔ اس مقام میں علم حدیث شریف کی تعلیم کا شوق اور رغبت کلی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ درود شریف پڑھنا ترقی بخش ہوتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت میں سب سے افضل کیوں ہیں؟

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے روحانی کمال کی وجہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ حضرتِ صدیق کی حقیقت یعنی اسماءِ الٰہی جل شانہ میں سے ان کا رب جو ان کا مبدأ تعین ہے بغیر کسی امر کے توسط کے حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظل ہے اس نہج پر ہے کہ جو کچھ اس حقیقت میں موجود ہے وہ

تبعیت اور وراثت کے طریق پر اس ظل میں بھی ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ (حضرت صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل قرار پائے (جیسا کہ) آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا صَبَّ اللهُ شَيْئًا فِيْ صَدْرِيْ إِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهُ فِيْ صَدْرِ أَبِيْ بَكْرٍ۔ (کشف الخفاء: ۲/۵۵۳) (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا)۔

حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وصول کی تفصیل

مکتوبات مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۵۴ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اتباع سنت کے سات درجات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان درجات میں سب سے اونچا ساتواں درجہ ہے، جس کا تعلق حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد باقر عباسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کنز الہدایات میں فرماتے ہیں کہ

اِس مرتبہ کا حاصل ہونا حقیقۃ الحقائق جو حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، کے وصول کا ثمرہ ہے۔

اس کے بارے میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ سابقہ تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام میں نزول بھی تصدیقِ قلبی ہے اور تمکینِ قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی، اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان اور سرکشی سے باز آگئے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزا تھے اور یہ درجہ ان اجزا کے

کُل کی مانند ہے۔

مکتوبات کے دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں کسی نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال پوچھا:

سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ دوسروں کو بھی آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل اور وراثت سے حقیقۃ الحقائق (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ وصول اور الحاق کے ساتھ وصول اور الحاق و اتحاد ثابت ہے اور آپ کے خاص کمال میں شرکت موجود ہے۔ لہذا اس حالت میں متبوع اور تابع کے درمیان اور اصلی اور طفیلی کے درمیان اس کمال میں فرق جو کہ حجاب کے زائل ہو جانے اور واسطے کے ضمن میں ہے اور تمام کمالات سے فوق ہے وہ کیا ہے اور کونسی فضیلت و بزرگی ہے جو متبوع اور اصل میں ہے لیکن تابع اور طفیلی میں نہیں ہے؟

جواب میں حضرت نے لکھا:

دوسروں کا اس حقیقت (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ الحاق خادم کا اپنے مخدوم کے ساتھ اور طفیلی کا اصل کے ساتھ وصول کی مانند ہے۔ اگر کوئی واصل اخصِ خواص میں سے ہے جو کہ اقلِ قلیل (بہت ہی کم) ہیں تو وہ بھی خادم ہی ہے، اور اگر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے ہے تو بھی وہ طفیلی ہے اور ان ہی کا پس خوردہ خادم ہے اس کو اپنے مخدوم کے ساتھ کیا شرکت ہو سکتی ہے اور اس کے مقابلے میں اس کی کونسی عزت و آبرو ہے، طفیلی اگرچہ ہم جلیس و ہم لقمہ ہے لیکن طفیلی پھر بھی طفیلی ہے۔ خادم جو اپنے مخدوم کی پیروی سے اس عالی مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مخصوص

اولش (پس خوردہ) کھانے کھاتے ہیں اور عزت واحترام پاتے ہیں، یہ سب کچھ مخدوم کی بزرگی اور اس کی متابعت کی بلندی کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے علاوہ خادموں کے الحاق کی وجہ سے ایک اور عزت حاصل ہوجاتی ہے اور ان کی شان اور زیادہ بلندی کا باعث بنتی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۹۶ میں فرماتے ہیں کہ وہ فنا و بقا جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے وہ فنا و بقائے شہودی ہے، اگر فنا اور زوال ہے تو نظر کے اعتبار سے ہے اور اگر بقا اور اثبات ہے تو وہ بھی نظر کے اعتبار سے ہے۔ اس مقام میں صفاتِ بشری پوشیدہ ہوجاتی ہیں زائل اور فانی نہیں ہوتیں۔ لیکن اس تعین (محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) کی فنا ایسی نہیں ہے بلکہ اس مقام میں صفاتِ بشری کو زوالِ وجودی متحقق ہوجاتا ہے اور تعینِ جسدی کا پراگندہ ہونا اور تعینِ روحی کا ثابت ہونا ہے اور اس مقام میں بقا کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق تعالیٰ نہیں ہوجاتا اور بندگی سے خلاصی نہیں پالیتا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ نزدیک سے نزدیک تر ہوجاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ معیت پیدا کرلیتا ہے اور اپنے آپ سے دوُر ہوکر اس سے احکامِ بشری بالکل مسلوب ہوجاتے ہیں۔

حقائق ثلاثہ کے حصول کے بعد حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے لحوق کی بشارت

مکتوبات معصومیہ دفتر سوم، مکتوب ۱۴۴ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ

''کیا سبب ہے کہ آپ (خواجہ محمد معصوم قدس سرہ) کہتے ہیں کہ طالبین کے سلوک طے کرنے میں حقیقۃ الحقائق کے ساتھ لحوق کی بشارت حقائق ثلاثہ (یعنی حقیقتِ کعبہ ربانی، حقیقتِ قرآنِ مجید اور حقیقتِ صلوٰۃ) کے وصول کے بعد ہے اور حالانکہ یہ تینوں حقیقتیں مراتبِ وجوبی میں داخل ہیں اور حقیقۃ الحقائق حقائق امکانی میں سے ہے اس مقام کو حل کرنا چاہئے ایک مدت ہوگئی ہے کہ اس مسکین کا دل پریشان ہے۔''

چنانچہ مکتوبات معصومیہ دفتر سوم، مکتوب ۱۴۴ میں سوال کے جواب میں حضرت معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! کوئی اشکال نہیں ہے اور حقیقۃ الحقائق کے ساتھ لحوق اور حقائق ثلاثہ کے وصول میں کوئی ترتّب وتوقف نہیں ہے، یہ جائز ہے کہ لحوق مذکور ہو جائے اور حقائق کا وصول میسر نہ آئے اور نیز ہوسکتا ہے کہ وصول واقع ہو جائے اور لحوق نہ ہو اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خود اپنے حقائق سے حقیقتِ کعبہ اور اس کے اوپر تک پہنچے ہیں اور جو شخص کہ ان کے قدم پر ہے ہوسکتا ہے کہ ان کے حقائق (کے واسطے) سے پہنچ جائے اور حقیقت الحقائق درمیان میں نہ آئے اور وصول کے بعد اگر اپنے شیخ کے توسط سے حقیقۃ الحقائق کے ساتھ ملحق ہو جائے تو گنجائش رکھتا ہے جیسا کہ (حقائق ثلاثہ کے) وصول سے پہلے بھی جائز ہے کہ اس حقیقت تک پہنچ جائے اور یہ جو فقیر نے بعض دوستوں کو ان کے حقائق ثلاثہ تک پہنچنے کے بعد (حقیقت الحقائق سے) لحوق کی بشارت دی ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے یہ کلیہ نہیں بلکہ اتفاقیہ ہے کہ وصول کے بعد توجہ اس جانب میں واقع

ہوئی ہے ورنہ اگر وصول سے پہلے توجہ واقع ہوجائے تو ہوسکتا ہے کہ لحوقِ مذکور حاصل ہوجائے۔ ہاں محمدی المشرب کے حق میں اگر وصول سے پہلے لحوق کہا جائے تو گنجائش رکھتا ہے، کیونکہ اس کے لئے حقائق (ثلاثہ) تک وصول کا راستہ حقیقۃ الحقائق کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔

حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ کعبہ ربانی اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مبدأ و معاد، (منہا: ۴۷) میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حقیقتِ قرآنی اور حقیقتِ کعبۂ ربانی کا درجہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیٰ مظہر ہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ سے اوپر ہے۔ لہذا حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امام اور پیشوا ہوئی۔ اور حقیقتِ کعبۂ ربانی، حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجود ہوئی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حقیقتِ کعبہ ربانی کا درجہ، حقیقتِ قرآنی سے اوپر ہے۔ وہاں بالکل ہی بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہے۔ اور اس مقام میں شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس بارگاہ میں تو تنزیہ اور تقدیس کی بھی کوئی مجال نہیں ہے۔

آنجا ہمہ آنست کہ برترز بیان ست

(ترجمہ۔ وہاں ہر چیز ایسی ہے کہ بالاتر بیان سے ہے)

مبدأ و معاد کی اس عبارت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تو دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی نے دریافت کیا تھا کہ رسالہ مبدأ و معاد میں لکھا ہے کہ جس طرح صورتِ کعبہ صورتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مسجود ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا مسجود ہے۔ اس عبارت سے حقیقتِ محمدی علیٰ مظہرہا الصلوۃ والسلام والتحیہ پر حقیقتِ کعبہ کی افضلیت لازم آتی ہے۔

اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اے بھائی! حقیقتِ کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سا سن لو۔ حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجود ہے کہ جس کو ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہیں پہنچی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان کے لائق ہے، اس حقیقت جل سلطانہا کو اگر حقیقتِ محمدیؐ کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ کی افضلیت میں اس سے کسی طرح قصور واقع ہوتا ہے۔ ہاں حقیقتِ محمدیؐ باقی تمام افرادِ عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقتِ کعبۂ معظّمہ عالم کی جنس سے نہیں ہے تا کہ اس کی طرف یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔

یہی سوال حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کیا اور جواب میں انہوں نے فرمایا:

(مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۱) اول یہ کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی معبودیت اور مسجودیت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے اور آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال عبدیّت و عابدیت (بندہ اور بندگی کرنے والا ہونے) کے مقام میں ہے، اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ حقیقتِ کعبہ ذاتِ الٰہی جل سلطانہ

ہو کیونکہ حقیقت میں معبود و مسجود وہی ہے یعنی وہ حقیقت جو اس صورت کی مسجودیت کا منشا (سبب) ہوگئی ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ وہ حقیقت ذاتِ حق عزّ برہانہ ہے پس اگر حقیقت کو حقیقتِ محمدیؐ پر فوقیت و فضیلت ہو تو کیا خطرے کی بات ہے۔

پھر مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ

(حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے آخری قول میں تعینِ اول و حقیقتِ محمدی تعینِ حُبی ہے جو کہ تعینِ وجودی کے اوپر ہے۔ پھر فرماتے ہیں اور حقیقتِ کعبۂ ربانی اس تعینِ حُبی سے بھی فوقیت رکھتی ہے اور ان حقائق کی اجمال و تفصیل سے بھی برتر ہے جو کہ بشری اور مَلَکی حقایق کا منتہا ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کعبہ اگرچہ بیت اللہ ہے لیکن مؤمن کا قلب بھی یَسَعُنِیْ الحدیث کے بموجب اس کا حکم رکھتا ہے، پس اس کو اس پر فوقیت کس لحاظ سے ہوگی۔ ہم کہتے ہیں: وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ {النحل: ٦٠} (اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثال ہے)۔ عالمِ مجاز (دنیا) میں بادشاہوں کے لئے اگرچہ بہت سے مکانات اور نشستگاہیں ہیں لیکن گھر (پھر بھی) گھر ہے کہ وہ اغیار کی مزاحمت سے محفوظ ہے اور محبوب کی آرامگاہ ہے دوسری نشستگاہ کو گھر کے ساتھ کیا نسبت اور کونسی برابری ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ

سابقہ بیان سے واضح ہوگیا کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اوپر ہے کیونکہ حقیقتِ محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ مراتبِ

تعینات سے ناشی اور حقیقتِ کعبہ مراتبِ تعینات سے اوپر ہے۔

پھر پوچھنے والے نے پوچھا کہ
اس بیان سے لازم آیا کہ کعبۂ مکرمہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہو۔

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:
ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے کیونکہ ایک حقیقت کو دوسری پر فوقیت ہونا پہلی حقیقت والے کی دوسری حقیقت والے پر افضلیت کا موجب نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیچے کی حقیقت والے کو اوپر کی حقیقت پر عروجات حاصل ہوجائیں اور قرب کے مراتب پیش آئیں اور اوپر کی حقیقت والا اپنی حقیقت کا پابند رہے اور اپنی حقیقت سے عروج (ترقی) نہ کرے اور مراتبِ قرب کی کثرت کہ جس پر فضیلت کا مدار ہے حاصل نہ کرے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ملاءِ اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت خواصِ بشر کی ولایت کے اوپر ہے اور (حالانکہ) ملائکہ کے حقایق سے عروج کے اعتبار سے خواصِ بشر کو فضیلت ہے اور ملائکہ کو اپنے مقام سے عروج نہیں ہے۔

کیا حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوپر ترقی جائز ہے؟

کسی نے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:
حقیقتِ محمدیؐ جو حقیقۃ الحقائق ہے اور ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے، تو پھر کیا اس سے اوپر ترقی جائز ہے یا نہیں؟

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں اس کے جواب میں

فرماتے ہیں کہ

جائز نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ سے فوق مرتبہ لاتعین ہے کہ وہاں متعین کا وصول و الحاق محال ہے اور بے تکیف وصول و الحاق کہنا محض ایک زبانی بات ہے کیونکہ معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے سے پیشتر اس سے تسلّی کی جاتی ہے لیکن حقیقتِ کار تک پہنچنے کے بعد عدم وصول و الحاق کا حکم لازم ہے کیونکہ اس مقام میں شک وتردد کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

آگے اسی مکتوب میں سوال آتا ہے کہ

اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی اسی حقیقت سے ترقی واقع نہیں ہوئی۔

جواب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی علوشان اور جاہ وجلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہی ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں آسکتے۔ اور نہ وجوب کے ساتھ پیوست ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ امر اُلوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کو مستلزم ہے۔ تَعَالَى اللهُ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ نِدٌّ وَّ شَرِيْكٌ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا ہمسر اور شریک ہو)۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول کے مکتوب ۱۸۳ میں لکھتے ہیں:

(سوال پیدا ہوتا ہے کہ) حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے اس مکتوب میں جو کہ سب سے آخر میں اس مرض کی حالت میں لکھا ہے کہ تعینِ اول سے جو کہ تعینِ جبی ہے ترقی واقع نہیں ہے کیونکہ اس کے اوپر لاتعین ہے اس مقام

میں قدم رکھنا امکان سے باہر نکلنا اور وجوب کے ساتھ متحقق ہونا ہے جو کہ محال ہے اور یہ عروجات جو کہ واقع ہوئے ہیں سب تعینِ حُبّی کے اوپر ہیں اس کی کیا وجہ ہوگی۔

جواب میں فرماتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ ممنوع قدمی وصول ہو اور یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نظری ہو تو اس صورت میں کوئی منافات نہیں ہے شاید کہ (اس فقیر نے) اس معنی کو حضرت عالی قدس سرہٗ (یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) سے اسی مجلس میں استفادہ کیا ہے۔

حقیقتِ کعبہ کے مقام میں حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عروج:

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک حقیقتِ کعبہ سے متحد ہو کر حقیقتِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم بننے سے پہلے، جب حقیقتِ کعبہ ربانی کی حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت ہے۔ دوسری صورت حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقتِ کعبہ ربانی سے متحد ہونے کے بعد کی ہے جب وہ حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو جاتی ہے۔ اس وقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ حقیقت الحقائق ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہر حقیقت اس کی جزو ہے۔ چنانچہ جب حقیقتِ کعبہ ربانی سے حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم متحد ہو جاتی ہے، اس کے بعد اس حقیقت سے ترقی جائز نہیں ہے۔ مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ا میں فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے حضرت عالی (قدس سرہ) کے

کلام میں دو اقوال ہیں ایک وہ ہے جو حقیقتِ احمدی و حقیقتِ کعبہ رَبانی کے تقابل میں اوپر بیان ہو چکا ہے، دوسرا قول وہ ہے جو دونوں حقیقتوں کا جامع ہے اوران دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک اس کا جزو ہے اور اس کو حقیقة الحقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر یہ سمجھ لیا جائے تو بقیہ عبارات سمجھنا آسان ہو جائیں گی انشاء اللہ۔

مبدأ و معاد (منھا ۴۸) میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور میں ایک عجیب بات کہتا ہوں، جو اس سے پہلے نہ کسی نے سنی اور نہ کسی بتانے والے نے بتائی، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف مجھے بتائی اور صرف مجھ پر الہام فرمائی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ آں سرورِ کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانہ رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ حقیقتِ محمدیؐ اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام میں (رسائی پا کر اس کے ساتھ) متّحد ہو جائے گی۔ اس وقت حقیقتِ محمدیؐ کا نام حقیقتِ احمدی ہو جائے گا۔ اور وہ ذاتِ ''احمد'' جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی۔ اور دونوں مبارک نام (محمد و احمد) اس مسمّٰی (مجموعہ حقیقتِ محمدیؐ و حقیقتِ کعبہ) میں متحقق ہو جائیں گے۔ اور حقیقتِ محمدی کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے گا اور وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہاںتک کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نزول فرمائیں۔ اور نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدی علیہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے

حقیقتِ محمدیؐ کے اس مقام میں جو خالی چلا آ رہا تھا استقرار پائے گی (یعنی قیام پذیر ہو جائے گی)۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو یوں سمجھاتے تھے کہ دراصل کعبہ معظّمہ تجلیاتِ ذاتی کا مرکز ہے اور مومن کا قلب بھی تجلیاتِ ذاتی کا مرکز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ((لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ))۔ (کشف الخفاء:۲۲۵۶) (میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں مگر قلب مومن میں سما جاتا ہوں)۔ لیکن فرق یہ ہے کہ کعبہ معظّمہ پر یہ تجلیات دائمی ہیں اور قلبِ مومن پر کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب بھی آخر میں دائمی طور سے تجلیاتِ ذاتیہ کا مرکز ہو جائے گا، اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حقیقتِ کعبہ کے ساتھ مل کر ایک ہو جائے گی۔

کیا حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور باقی حقائق مخلوق ہیں؟

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ یہ تعینِ حُبّی جو کہ تعینِ اول حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، یہ ممکن ہے یا واجب، حادث ہے یا قدیم؟ مکتوبات مجددیہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں کہ

ہم کہتے ہیں کہ وہ تعین (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تعینِ امکانی اور مخلوق و حادث ہے جیسا کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا)۔ اور دوسری احادیث میں اس نور کی خلقت کے وقت کا تعین بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا: قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ بِاَلْفَیْ عَامٍ (آسمانوں کی پیدائش سے دو

ہزار سال قبل) اور اس کی مثل دوسری روایات بھی ہیں اور جو کچھ وہ مخلوق اور عدم کے ساتھ مسبوق ہے وہ ممکن وحادث ہے۔ لہذا جب حقیقۃ الحقائق جو کہ اسبقِ حقائق (سب سے پہلی حقیقت) ہے مخلوق اور ممکن ہوئی تو دوسروں کے حقائق بطریقِ اولیٰ مخلوق ہوں گے اور امکان وحدوث رکھتے ہوں گے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

ممکن مع اپنے تمام اجزا کے ممکن ہی ہے اور اپنی صورت وحقیقت سے بھی ممکن ہے۔ اور تعینِ وجوبی ممکن کی حقیقت کس طرح ہوسکتا ہے، ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہئے کیونکہ ممکن کے لئے واجب تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرکت اور مناسبت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور وہ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔

مراقبہ حقیقتِ احمدی ﷺ

نبی کریم ﷺ کے مبارک نام ''احمد'' کے بارے میں مکتوباتِ مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۹۶ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

احمد عجب بزرگ اسم ہے جو کہ کلمۂ مقدسہ ''احد'' اور حرفِ ''میم'' کے حلقہ سے مرکب ہے جو عالمِ بیچون میں اسرارِ الٰہی جل شانہٗ کے پوشیدہ رازوں میں سے ہے اور اس امر کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالمِ چون میں اس رازِ نہانی کی تعبیر حلقۂ میم کے بغیر کی جاسکے، اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی تعبیر ضرور فرماتا۔ اور احد وہ احد ہے کہ ﴿لَا شَرِيْكَ

لَہٗ﴾ (انعام: ۱۶۳) (اس کا کوئی شریک نہیں) ہے اور حلقۂ میم عبودیت کا طوق ہے جو بندے کو مولا سے متمیز کرتا ہے لہذا بندہ وہی حلقۂ میم ہے اور لفظِ احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے اور اس میں آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

چو نام این ست نام آور چہ باشد
مکرم تر بود از ہر چہ باشد

ترجمہ۔ ''جب ایسا نام ہو تو نام والا، سبھی سے ہو گا اعلیٰ اور اَولیٰ''

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس مقام (یعنی حقیقتِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم) پر محبوبیتِ ذاتی ظاہر ہوتی ہے۔''

اسی لیے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ مقام محبوبیت ذاتی سے پیدا ہوا اور اس کو دائرہ محبوبیت ذاتیہ صرفہ بھی کہتے ہیں جہاں بعض سالکین اپنے آپ کو بَیْنَ یَدَیِ الرَّحْمٰنِ دیکھتے ہیں۔

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اس مقام پر نسبت کی بلندی انوار کی شعاعوں کے ساتھ ظہور فرماتی ہے، اور یہاں محبوبیتِ صرف کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر یہ فرماتے ہیں کہ ایک مدت سے اس مسکین کے کمزور دل میں یہ خطرہ گزرتا تھا کہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ تحقیق فرمائی ہے کہ حقیقتِ کعبہ معظّمہ بعینہ حقیقتِ احمدیؐ ہے۔ یہ بات میری فہمِ ناقص میں نہ آتی تھی کیونکہ حقیقتِ کعبہ تو حقائق الٰہیہ میں سے ہے اور حقیقتِ احمدیؐ حقائق انبیاء میں سے ہے، پس یہ دونوں کس طرح ایک ہو سکتی ہیں۔ ایک روز میں حقیقتِ احمدیؐ میں متوجہ تھا کہ یکایک

میں نے دیکھا کہ حقیقتِ کعبہ کا ظہور ہوا اور آواز آئی کہ عظمت اور کبریائی بھی محبوبیت کا خاصہ ہے اور محبوبیت اور مسجودیت دونوں حضرتِ حق جل شانہ کے شیونات میں سے ہیں۔ پس حضرت صاحب الطریقہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔ فرماتے ہیں اس مقام پر محبوبیتِ ذاتی ظاہر ہوتی ہے جس طرح کہ مقامِ خُلّت میں محبوبیتِ صفاتی ہوتی ہے، اور محبوبیتِ ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ اپنے محبوب کو اس کی صفاتِ جمیلہ مثلاً خط و خال وغیرہ سے قطع نظر کر کے دوست رکھیں، فقط اس کی ذات میں ایسی بات ہوتی ہے جو موجبِ تعشق ہوتی ہے۔

اس سبق میں بھی یہ درود شریف پڑھنا ترقی بخش ہوتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور حقیقتِ احمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

مکتوباتِ مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۹۶ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام دو اسموں سے مسمّیٰ ہیں، اور وہ دونوں اسمِ مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ (فتح:۲۹) (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)۔ اور (حضرت عیسیٰؑ) روح اللہ کی بشارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾ (الصف:۶) (ان کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا)۔ اور ان دونوں مبارک اسموں کی ولایت علیحدہ ہے۔ ولایتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

ہی کے مقامِ محبوبیت سے پیدا ہوئی ہے لیکن وہاں محبوبیتِ صِرف موجود نہیں ہے بلکہ اس میں نشأ محبیّت (محبیّت کی کیفیت) کا امتزاج بھی ہے، اگرچہ وہ آمیزش اس کی اصالت کے ساتھ ثابت نہیں ہے البتہ مقامِ محبوبیتِ صرف کا مانع ہے۔ اور ولایتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محبوبیتِ صرف سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبیّت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور یہ ولایت پہلی ولایت سے پیشقدم (بلند) ہے، اور مطلوب سے ایک منزل نزدیک تر ہے اور محب کو بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جس قدر محبوبیت میں کامل تر ہوگا اس کو استغنیٰ و بے نیازی بھی کامل تر ہوگی اور محب کی نظر میں بھی اسی قدر زیادہ محبوب اور زیبا تر دکھائی دے گا اور محب کو اپنی طرف زیادہ جذب کرلے گا اور اس کو شیفتہ اور والاتر بنالے گا۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ا میں فرماتے ہیں:
آپ کے وجودِ عنصری اور آپ کے اس عالمِ ظلمانی کو ہدایت کرنے کے اعتبار سے آپ کا اسمِ مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہے اور اس مبارک اسم کی ولایت اس اسمِ الٰہی سے نشو و نما پانے والی ہے جو اس عالم سفلی کی تربیت کے ساتھ رکھتا ہے اور حقیقتِ محمدیؐ کے ساتھ مسمّٰی ہے اور آپ کے روحانی وجود کے اعتبار سے جو کہ عالمِ ملکوت اور روحانیوں کا مربّی (پرورش کرنے والا) ہے اور آپ وجودِ عنصری سے پہلے اسی وجود کے ساتھ نبی تھے اس لحاظ سے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: كُنْتُ نَبِيًّا وَّادَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ (مستدرک حاکم: ۶۰۹ / ۲) میں

(اس وقت بھی) نبی تھا جبکہ آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی (گارا) کے درمیان تھے)۔ آپ کا نام پاک احمد ہے اور اس نامِ پاک کی ولایت شانِ جامع سے نشو ونما پانے والی ہے جو کہ حقیقتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ کا مبدأ اور اصل ہے اور اس نورانی عالم کی تربیت کے لئے مناسب ہے جو کہ حقیقتِ احمد یہ کے ساتھ موسوم ہے اور حقیقتِ کعبۂ ربانیہ سے بھی تعبیر کی جاتی ہے اور جو نبوت کہ عالمِ عنصری سے تعلق رکھتی ہے وہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے صرف ایک حقیقت کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی اور اس مرتبہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب (مربّی) وہ شان (بھی) ہے اور اس شان کا مبدأ بھی، اس لیے اس مرتبہ کی دعوت پہلی دعوت سے کامل ترین ہوئی کیونکہ وہ دعوت عالمِ امر اور روحانیوں تک محدود تھی اور اس مرتبہ کی دعوت عالمِ خلق و امر دونوں کو شامل ہے اور ان دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک حقیقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دو اسمِ مبارک کے اعتبار سے آپ کے فطری مکان کے درجے میں ہے اور ان دونوں حقیقتوں کے اوپر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لا تعداد اور بے شمار عروجات ہیں کہ جن کی انتہا کو علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) ہی جانتا ہے اور فضیلت کا مدار اور برگزیدہ و برتر ہونے کا انحصار اسی پر ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حقیقتِ کعبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی حقیقتِ جامعہ کا ایک جزو ہے جو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی و روحانی و خلق و امر کے کمالات کی جامع ہے اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ فوقیت جس کے بارے میں بحث ہے در اصل آں سرورِ عالم

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعض کمالات کی آپ کے بعض کمالات پر فوقیت ہے۔

جاننا چاہئے کہ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے حضرت عالی (قدس سرہ) کے کلام میں دو اقوال ہیں ایک وہ ہے جو حقیقتِ احمدی و حقیقتِ کعبۂ ربانی کے تقابل میں اوپر بیان ہو چکا ہے، دوسرا قول وہ ہے جو دونوں حقیقتوں کے درمیان جامع ہے اور ان دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک حقیقت اس کا جزو ہے اور اس کو حقیقت الحقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور حقیقتِ احمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک ہو جانا

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی حیاتِ مبارکہ میں بعض حضرات نے سوال کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور حقیقتِ احمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ایک ہو جائیں؟ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکاشفاتِ عینیہ میں مکاشفہ ۲۶ میں لکھا ہے:

بعض فضلاء ان دو باتوں میں خدشہ رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہزار سال کے بعد حقیقتِ محمدی حقیقتِ احمدی ہو جاتی ہے۔ اور عبارت کا تتمہ لکھا جو کہ اس فقرہ کے بعد واقع ہے۔ اور دونوں اسم کا مسمیٰ متحقق ہو جاتا ہے۔ اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد دیکھیں کہ وہ خدشہ باقی رہتا ہے یا نہیں۔ کیا چیز مانع ہے کہ ایک مسمیٰ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق حقیقت) اپنے ان دو ناموں کے ساتھ جن سے دو کمالاتِ مخصوصہ مراد ہیں یکے بعد دیگرے طویل زمانہ کے بعد متحقق ہو۔ اور ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف ترقی کرے جو کہ بالقوۃ اس میں موجود تھا۔

پھر ایک روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس شخص کے دو دن برابر ہوں تو وہ خسارے میں ہے۔ اسی وجہ سے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کا نزول آنجناب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد (کسی وقت) ہوگا، آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو احمد کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور اپنی قوم کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری کی بشارت اس نام سے دی ہے جو کہ اس اسم کی دولت کا زمانہ ہے۔ ورنہ اس غیر مشہور نام کو یاد کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ ایک مخلوق اشتباہ میں پڑ جائے اور اسم سے مسمیٰ کی طرف راہ نہ پائے۔ نیز اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ آنجناب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام زمیں پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آسمان پر احمد کیونکہ کمالاتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اہل زمین کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور کمالاتِ احمدیؐ آسمان اور ملاء اعلیٰ سے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بننے کے لئے دعا کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "احمد" نام سے یاد فرمایا۔

وَذَكَرَهُ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ قَالَ لَهُ رَبُّهُ: تِلْكَ أُمَّةُ أَحْمَدَ ﷺ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ أُمَّةِ أَحْمَدَ فَبِأَحْمَدَ ذَكَرَهُ قَبْلَ أَنْ يَذْكُرَهُ بِمُحَمَّدٍ، لِأَنَّ حَمْدَهُ لِرَبِّهٖ كَانَ قَبْلَ حَمْدِ النَّاسِ لَهُ. فَلَمَّا وُجِدَ وَبُعِثَ كَانَ مُحَمَّدًا بِالْفِعْلِ

(اور موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام سے فرمایا، وہ اُمت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے امتِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بنا دیجیے۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اسم ''احمد'' کا ''محمد'' سے پہلے ذکر کیا، اس لیے کہ مخلوق سے پہلے اللہ عز وجل نے محبوب علیہ السلام کی تعریف کی، پھر جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور نبی بنائے گئے تو ''بالفعل'' بھی ''محمد'' ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک اس دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک آسمانی نام سے یاد کیا گیا۔

اور جب آنجناب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کو ایک ہزار سال گزر جائے جس مدت کو پورا دخل ہے اور امور کے تغیر و تبدّل کے باعث آپ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اہلِ زمین سے مناسبت کم رہے تو کمالِ احمدی طلوع کرے اور اس کمال کے علوم و معارف کا ظہور فرمائیں، تو خدشہ کیا ہے؟

پھر آگے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی سمجھاتے ہیں کہ تغیر و تبدل کا کیا مطلب ہے؟ فرماتے ہیں:

تغیر و تبدّل سے کیا مطلوب ہے؟ قلبِ حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت کا ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف تقلّب ہے۔ اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں رنگنا ہے۔ اس بیان سے وہ اشکالات حل ہو گئے جو ظاہر کیے گئے تھے کہ اس سے مراد اپنی حقیقت ہے ورنہ ہزار کی قید کیوں ہے اور کیوں کہا کہ ہزار سال کی دعا قبول ہو گئی۔ کیونکہ حقیقتِ احمدیؐ واقع ہو گئی۔

ہزار سال کے گذر جانے کے بعد جو تغیر پیش آتا ہے اس کے بارے میں دفتر سوم مکتوب ۹۶ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اُس ولایت کا معاملہ اِس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ولایت احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ انجام پا گئی اور کاروبارِ عبودیت دو طوقوں میں سے ایک طوق کے متعلق ہو گیا، اور پہلے طوق کی بجائے حرفِ الف جو اس کے رب کی طرف سے ایک رمز ہے متمکن ہو گیا یہاں تک کہ محمدؐ سے احمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام ہو گیا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوقوں سے مراد دو حلقۂ میم ہیں جو اسمِ مبارک ''محمدؐ'' کے اندر مندرج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دو طوق (م) سے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے دو تعین کی طرف اشارہ ہو، ان دو تعین میں سے ایک تعین جسَدی بشری ہے اور دوسرا تعینِ روحی مَلَکی ہے، اور تعینِ جسدی میں اگرچہ انتقال کے عارض ہونے کی وجہ سے سُستی اور نقص پیدا ہو گیا تھا اور تعینِ روحی نے قوت حاصل کر لی تھی لیکن پھر بھی اس تعین کا اثر باقی رہ گیا تھا اور اس کے لئے ہزار سال درکار تھے تا کہ اس کا اثر بھی زائل ہو جائے اور اس تعینِ (جسدی) کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اور جب ہزار سال پورے ہو گئے اور اس تعین کا کوئی اثر باقی نہ رہا تو ان دو طوقِ عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور اس پر زوال و فنا طاری ہو گئی اور الوہیت کا الف جس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا ہے اس کی جگہ بیٹھ گیا تو لازمی طور پر محمدؐ ''احمدؐ'' ہو گیا اور ولایتِ محمدی ولایتِ احمدی میں منتقل ہو گئی۔ لہٰذا محمدؐ دو تعینِ (م) سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین (م) سے کنایہ ہے

اور بس۔ لہٰذا یہ اسم (احمد) حضرتِ اطلاق سے زیادہ قریب ہوا اور عالم سے دور تر۔

دفتر اول مکتوب ۲۰۹ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتحیات تمام مخلوقات کی طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر سے مرکب ہیں اور وہ اسمِ الٰہی جل شانہٗ جو کہ عالمِ خلق کا رب ہے اس کی شان العلیم ہے، اور وہ جو عالمِ امر سے ان کی تربیت فرماتا ہے وہ اس کے معنی ہیں جو اس شان کے وجود اعتباری کا مبدأ ہے، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ اور ''حقیقتِ محمدی'' سے مراد ''شان العلیم'' ہے اور ''حقیقتِ احمدی'' اس معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس شان کا مبدأ ہے اور ''حقیقتِ کعبہ سبحانی'' سے بھی یہی مراد ہے۔ اور وہ نبوت جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی تخلیق سے پہلے آں سرور علیہ الصلوۃ والسلام کو حاصل تھی اور اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے کُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے)۔ یہ بات باعتبار حقیقتِ احمدی کے تھی اور اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ ہوئے ہیں اور عالمِ امر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور (جنھوں نے) آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری کی بشارت اسمِ ''احمد'' سے دی ہے اور فرمایا ہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف: ۶) (اور جو خوشخبری دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور

اس کا نام احمد ہے)۔ اور وہ نبوت جس کا تعلق نشاۃ عنصری (مادہ کی پیدائش) سے ہے وہ صرف حقیقتِ محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہ شان اور اس شان کا مبدأ ہے، لہذا اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت سے زیادہ مکمل ہے، کیونکہ اس مرتبہ میں ان کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی اور ان کی تربیت صرف روحانیین تک محدود تھی اور ان کی دعوت کے اس مرتبہ میں عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں شامل ہیں اور آپ کی تربیت ارواح واجساد پر مشتمل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی عنصری پیدائش کو آپؐ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تا کہ مخلوقات کے ساتھ کہ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے ان کے لئے وہ مناسبت جو افادہ واستفادہ کا سبب ہے زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حق سجانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے حکم فرماتا ہے: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (کہف: ۱۱۰) (آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں صرف یہ کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے) اور لفظ مِثْلُكُمْ کا لانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ وجودِ عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی روحانیت کی جانب غالب آ گئی اور آپؐ کی بشریت کی مناسبت کم ہوگئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ

والسلام کے زمانۂ رحلت سے جب ہزار سال گزر گئے جو بڑی لمبی مدت اور زمانۂ دراز ہے تو (آپ ؑ کی) روحانیت کی جانب اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتیٰ کہ عالمِ خلق نے عالمِ امر کا رنگ اختیار کر لیا۔ پس لازمی طور پر جو کچھ کہ آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی عالمِ خلق میں اپنی حقیقت سے رجوع ہو کر ظاہر ہوا وہی حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عروج فرما کر حقیقتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملحق ہوگئی اور حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حقیقتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متحد ہوگئی۔

اس جگہ حقیقتِ احمدی و حقیقتِ محمدی سے مراد آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے خلق و امر کا تعینِ امکانی ہے نہ کہ تعینِ وجوبی کہ تعینِ امکانی اسی کا ظل ہے، کیونکہ تعینِ وجوبی کا عروج کوئی معنیٰ نہیں رکھتا اور اس تعین کے ساتھ اس کا متحد کرنا معقول نہیں ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیٰ آلہ والصلوۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی پیروی کریں گے اور اپنے مقام سے عروج کر کے تبعیت کے طور پر حقیقتِ محمدی کے مقام میں پہنچ جائیں گے، اور آپ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تقویت فرمائیں گے۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ

جاننا چاہئے کہ پچھلے بیان سے اُس عبارت کے معنیٰ واضح ہو گئے جو رسالہ مبدأ و معاد میں اس عبارت سے پہلے تحریر کی گئی کہ ''حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدی کی مسجود ہوگی''۔ کیونکہ کعبۂ ربانی کی حقیقت بعینہٖ حقیقتِ

احمدی ہے جو فی الحقیقت حقیقتِ محمدی اس کا ظل ہے پس لازماً حقیقتِ محمدی کی مسجود ہوگی۔

اگر سوال کریں کہ کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کے طواف کے لئے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مقدم ہے۔ تو پھر یہ معنی کس طرح جائز ہوں گے؟۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حقیقت محمدی تنزیہ و تقدیس کی بلندی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاماتِ نزول کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ کعبہ عروجِ کعبہ کے مقامات کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مرتبۂ تنزیہ پر عروج کا خاص زینۂ اول "حقیقتِ کعبہ" ہے، اور اس (حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عروجات کی نہایت کو حق سبحانہٗ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ا میں حضرت خواجہ معصوم فرماتے ہیں کہ ان دونوں حقیقتوں (یعنی حقیقتِ محمدی علیہا الصلوات والسلام اور حقیقتِ احمدی علیہا الصلوات والسلام) کے اوپر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لاتعداد اور بے شمار عروجات ہیں کہ جن کی انتہا کو علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) ہی جانتا ہے اور فضیلت کا مدار اور برگزیدہ و برتر ہونے کا انحصار اسی پر ہے۔

مراقبہ حبِ صرف

حقیقتِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراقبے کے بعد حب صرف کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ اس مراقبہ کی نیت ایسے ہے کہ

''اس ذات سے جو حب صرف کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''

اس مقام میں سیر قدمی نہیں ہوتی بلکہ سیر نظری ہوتی ہے۔اس مقام کے بارے میں ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اس مقام پر نسبتِ باطن میں کمال بلندی و بے رنگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ مقام بھی حضرتِ اطلاق ولاتعین سے بہت ہی قریب ہے۔

قریب اس لیے ہے کیونکہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ حب ہے۔اس مقام سے متعلق حضرت شاہ ابو سعیدؒ كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (کشف الخفاء:۲۰۱۶) والی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ

<u>یہ حدیث شریف ہمارے اس مدعا پر نص قطعی ہے۔</u>

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں:

اور یہ بھی ہمارے آقا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص مقاموں میں سے ہے، دوسرے انبیاء کرامؑ کے حقائق میرے نزدیک اس مقام پر ثابت نہیں ہوتے کیونکہ حضرت امامِ ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حضرتِ لا تعین کے ساتھ جو پہلا تعین لاحق ہوا ہے وہ تعینِ حُب ہی ہے اور اسی پہلے تعین کو حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرار دیا گیا ہے۔

اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اصل میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے اور جو پہلے بیان ہوا وہ اس کا ظل ہے۔

مراقبہ لاتعین

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ان تمام مراتب کے بعد مرتبہ لاتعین وحضرتِ اطلاق کا مرتبہ ہے۔

اس مقام کو لاتعین اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ تعین اوّل یعنی حبی سے پہلے ہے اور اس مقام پر حضرت ذات کا اطلاق ہے اور اس ذات سے فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو تعینات سے پاک ومبرا ہے۔ اس مراقبہ کی نیت ایسے ہے کہ

"اس ذات بحت سے جو دائرہ لاتعین کے فیض کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے"

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یہ مقام بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاماتِ مخصوصہ میں سے ہے، یہاں پر بھی سیر قدمی نہیں ہوتی لیکن سیر نظری ضرور ہو جاتی ہے مگر نظر کہاں تک کام کرے گی۔

اسی لئے شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

اولیائے کرامؒ نے مراتبِ شہود کی انتہا تعینِ اول تک بیان فرمائی ہے اور اس سے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے۔ اور ان بزرگوں نے شہود کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں سمجھی ہے۔ جاننا چاہئے کہ اگرچہ یہ بزرگ مرتبۂ لاتعین میں شہود کو جائز نہیں سمجھتے لیکن شہود سے بالاتر بہت سے مراتب ہیں جو کہ سب کے سب اس مرتبۂ لاتعین میں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔

پھرآگے فرماتے ہیں کہ

شہود وصول کی دہلیز ہے، اور وصول کے مراتب اس سے اوپر ہیں۔لیکن ہر شخص کی فہم کی رسائی وہاں تک نہیں۔ بلکہ قریب ہے کہ وہ انکار کرگزریں۔ ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کے مخلصوں میں سے ایک درویش (غالباً حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی ذاتِ گرامی کی طرف اشارہ ہے) پر یہ حالت طاری ہوئی اوراس کی سیر مرتبۂ لاتعین سے بھی اوپر تک واقع ہوگئی۔ اور اُس کو اس مقامِ میں ایک استہلاک (فنائیت) پیدا ہوا جس کے بارے میں اُس نے اُن (حضرت خواجہ قدس سرہٗ) کی خدمت میں عرض کیا تھا۔آپ نے اس کو جائز قرار دیا اور قبول فرمایا تھا۔اُس درویش کی سیر اُس سیر سے کئی گنا زیادہ تھی جو کہ ابتدا سے تعینِ اول تک ہے۔ بلکہ اس سیر کی اُس سیر سے کوئی بھی نسبت نہیں تھی، گویا دریائے بے کنار سے ایک قطرہ کا حکم رکھتی تھی۔آیۃ کریمہ ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (البقرہ:۱۰۵) (اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ

جب تعینِ اول سے اوپر مرتبہ لاتعینِ محض ہے تو پھر لازماً اُس مقام پر امتیاز اور فرق معدوم ہوجائے گا لہٰذا اس مرتبہ میں سیر کے معنی کیا ہوں گے اور وہاں کی ابتدا اور انتہا کیا ہوگی؟

جواب میں فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ اس سوال کا حل نہایت گہرے اسرار میں سے ہے۔ اور عقل کی نظر کے دائرے سے ماورئی ہے۔ اس مقام کے متعلق بات کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ (پھر ایک بہت عجیب بات فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ!) جاننا چاہئے کہ آخرت میں جب دیدار ہوگا اُس کا تعلق مرتبہ لاتعین سے ہوگا اور تعینات کے تمام پردے اٹھ جائیں گے۔ کیونکہ اس جگہ (یعنی اس دنیا میں) تمام تعینات علمی ہیں خارجی نہیں ہیں۔ اور علمی تعین ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لئے پردے بن جاتے ہیں شہود دنیوی کے خلاف، کہ وہ بھی تعین کی ایک قسم ہے اور اس کا تعلق ذہن سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ علمی تعین اس کا حجاب بن جائے۔

آخر میں فرماتے ہیں:

نُؤمِنُ بِالرُّؤيَةِ الْأُخْرَوِيَّةِ وَلَا نَشْتَغِلُ بِكَيْفِيَّتِهَا لِقُصُوْرِ فَهْمِ الْعَوَامِّ لَا لِجَهْلٍ عَنْ كَيْفِيَّتِهَا فَإِنَّ الْأَخَصَّ الْخَوَاصِّ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ نَصِيْباً فِيْ هٰذِهِ النَّشْأَةِ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ وَإِنْ لَمْ نُسَمِّهِ رُؤْيَةً. فَافْهَمْ

(ہم دیدار آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ عوام کی فہم اس سے قاصر ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ کیونکہ اولیاء میں نہایت خاص خاص لوگ اس دنیا میں اس مقام سے بہرہ یاب ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہم اس کو رویت کا نام نہیں دے سکتے۔)

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری حصہ کے حالات کی تفصیل دی ہے۔ دفتر اول کے مکتوب

۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ وصال سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
وصال لایزال کے لئے پکارنے والے نے میرے سر میں ندادی کہ سلطان تجھ کو طلب کرتا ہے، میری بلند پرواز ہمت کے مرغ نے بارگاہِ قدس کا رخ کیا حتی کہ پہنچا جہانتک پہنچا، اس عالی مرتبہ بارگاہ سے ندا سنی کہ سلطان گھر میں نہیں ہے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مقام حقیقتِ کعبہ ربانی ہے میں اس کے ماوراء کی طرف دوڑا اور عروج کیا حتی کہ صفاتِ حقیقیہ (یعنی صفاتِ ثمانیہ، علم، قدرت وغیرہ) کے مقام تک جو کہ وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں پہنچا، صفات کا یہ مقام صفات کی علمی صورتوں کے ماوراء ہے جو کہ تعینِ وجودی وتعین حُبّی تعالیٰ وتقدس کے مرتبہ میں ہیں۔ میں اس مقام سے بھی اوپر متوجہ ہوا یہانتک کہ ان صفات کے اصول کے ساتھ واصل ہوا جو کہ شیونِ ذاتیہ ہیں اور ذات عز شانہ میں مجرد اعتبارات ہیں اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ہمراہ ہو، اس مقام سے اوپر کی طرف لے گئے اور ذاتِ بحت تک جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے مجرد ہے پہنچایا۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ

اس درجۂ کمال کا حصول اور اس بلند مرتبہ کا وصول حق سبحانہ وتعالیٰ کے کلام مجید کے ساتھ قوی تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے۔ میں قرآن مجید کے طفیل وتوسط سے اس مقام کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں کہ قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک ایسا دریا پاتا ہوں جو کہ کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا

ہے۔

آخر میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

محب کی بات محبوب کے لب پر کہاں پہنچتی ہے جیسا کہ (خود) اس کی بات کو اس کے ساتھ قرب ومنزلت ہے اس کی بات سے اس تک پہنچا جاسکتا ہے نہ کہ اپنی بات سے کیونکہ اُس (مُحب) کی بات کوتاہ اور راستہ ہی میں (رہ جانے والی) ہے، یہ حقیر کہتا ہے مَنْ عَرَفَ اللهَ كَلَّ لِسَانُه (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہوگئی) اس کے لئے گواہ ہے۔

دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک بہت پیاری بات فرماتے ہیں کہ

جب کمال عنایت سے ظلال کے منازل طے کر کے اصل تک پہنچتا ہے تو محض حق تعالیٰ کے فضل سے ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ وہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب احاطۂ ادراک اور وصل واتصال سے ماوراء ہے۔

اسی لئے ہمارے بزرگوں نے اس مقام کے بارے میں فرمایا:

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ. وَالْقَوْلُ بِدَرْكِ الذَّاتِ اِشْرَاكٌ

کہ ذات حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور ادراک ذات حق کا دعویٰ شرک ہے۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا جو کہ معرفت کی نقیض ہے معرفت

کیونکر ہوا۔ کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہے۔ پھر فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ (معرفت کے) ادراک سے عاجز ہونا ہی (اس کی معرفت کا) ادراک ہے) فَسُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلاً اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا اپنی مخلوق کے لیے کوئی راستہ نہیں بنایا)۔ اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں اور یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کی نہایت کی انتہا ہے اور قرب کے مدارج کی غایت درجے منتہا ہے۔ اور جب تک (سالک) نقطۂ آخر تک نہ پہنچے اور تجلیات وظہورات کے مراتب کو طے نہ کرلے اور وصل واتصال کو جس پر مدتوں خوش رہا تھا اس کو عین فصل وانفصال نہ پائے اس وقت تک اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہوسکتا، اور خدا ناشناسی سے خلاصی نہیں پاتا اور غیر حق کو حق نہیں جانتا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَ الْمُعَافَاۃَ الدَّائِمَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّۃِ وَالنَّجَاۃَ مِنَ النَّارِ

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَ الْجَنَّۃَ وَ نَعُوْذُبِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ النَّارِ۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ وَ تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ بِذِکْرِکَ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِصَالِحِيْ زَمَانِنَا وَ ارْزُقْنَا الْاَدَبَ مَعَهُمْ وَلَا تَحْرِمْنَا بَرَكَتَهُمْ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ حَبِيْبِكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ بَصَائِرَنَا وَبَصَائِرَ الْمُسْلِمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا وَوَفِّقْهُمْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

اللہ رب العزت ہمارے لئے قرب کی منازل طے کرنا آسان فرمائے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے آمین۔

⊙......اے اللہ سب تعریفیں صرف آپ ہی کے لئے ہیں، آپ آسمانوں، زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب کو اپنی تدبیر کے ساتھ قائم رکھنے والے ہیں۔

⊙......آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی آسمانوں، زمین اور ان سب کی ہر چیز کے مالک ہیں۔آپ ہی کے لئے حمد ہے۔آپ ہمارے دلوں کو معرفت کے نور سے روشن فرما دیجیے۔

⊙......اے اللہ! جس طرح آپ اپنی قدرت میں سب مہربانوں سے بڑھ کر ہیں اور اپنی عظمت میں سب بڑوں سے بلند ہیں اور جو چیز آپ کی زمین کے نیچے ہے اس کو آپ ایسے ہی جانتے ہیں جس طرح اپنے عرش سے اوپر کی چیز کو جانتے ہیں۔ پس سینوں کے وسوسے آپ کے نزدیک ظاہر کی طرح ہیں اور ظاہر کی باتیں آپ کے علم کی مخفیات کی طرح ہیں۔ ہر چیز آپ کی عظمت کے سامنے مطیع ہے اور ہر سلطنت کا مالک آپ کی سلطنت کے سامنے کمزور اور عاجز ہے۔ دنیا اور آخرت کے سارے معاملات آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔آپ ہمارے قلوب کو نیکی پر پھیر دیجیے۔

⊙......اے آسمانوں اور زمین کے نور! اے آسمانوں اور زمین کے قائم رکھنے والے! اے آسمانوں اور زمین کے سہارے! اے آسمانوں اور زمین کی زینت! اے آسمانوں اور زمین کے جمال! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! اے جلال واکرام والے! اے فریادیوں کی فریاد سننے والے! اے عبادت گزاروں کی رغبت کی منتہیٰ اور دکھیاروں کے دکھ دور کرنے والے! اے غمگینوں پر کشائش کرنے والے! اے چیخ و پکار کرنے والوں کی پکار کو سننے والے! اے لاچاروں کی چارہ گری کرنے والے! اے تمام جہانوں کے معبود! ہمیں اپنی معرفت میں کمال عطا فرما دیجیے۔

⊙......اے اللہ! میں آپ کے چہرے کے نور کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، جس سے آسمان اور زمین منور ہوئے، آپ مجھے اپنی حفظ وامان میں رکھیے اور اپنا قرب عطا فرما دیجیے۔

⊙......اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔ اے وہ ذات جو مانگنے والوں کی ضروریات کی مالک ہے اور خاموش رہنے والوں کے مخفی حالات کو جانتی ہے! کیونکہ آپ ہر مسئلہ کو بخوبی سنتے ہیں اور صحیح جواب دیتے ہیں میں آپ سے آپ کے سچے وعدوں کا اور آپ کی اضافی نعمتوں کا اور وسیع رحمت کا سوال کرتا ہوں، آپ مجھے اپنے عشاق کے ساتھ اعلیٰ درجہ میں جگہ عطا فرما دیجیے۔

⊙......اے اللہ! اے آوازوں کے سننے والے! اے دعاؤں کو قبول کرنے والے! اے لغزشوں کو معاف کرنے والے! اے آنسوؤں پر ترس کھانے والے! اے محدثات وممکنات کے قائم رکھنے والے! میں آپ سے حسنِ ظن رکھتا ہوں، اور آپ کی رحمت سے بڑی امید کرتا ہوں۔ آپ میرے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایئے۔

⊙......اے اللہ! اے عطیات کی بخشش کرنے والے اور رغبت کی چیزوں کو عطا

کرنے والے! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، وصول کے بعد نزول سے اور صفا کے بعد میل سے اور قرب کے بعد دوری سے اور علم کے بعد جہالت سے اور ہدایت کے بعد گمراہی سے اور عزت کے بعد ذلت کے ملنے سے۔

◉ ...... اے اللہ! اے وہ ذات جس نے اپنے خزانوں میں سب سے بہتر چیز ایمان ہمیں بن مانگے عطا فرمائی! پس آپ ہمیں اپنے خزانوں کی بقیہ نعمتوں سے محروم نہ فرمائیے۔

◉ ...... اے اللہ! میں ہر آفت و بلا سے اور رات اور دن کے چور سے اور دشمن سے اور حاسد سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! آپ ہی میری پناہ گاہ ہیں، میں آپ کے ساتھ پناہ لیتا ہوں، آپ ہی میرے فریاد رس ہیں، میں آپ سے ہی فریاد کرتا ہوں اور آپ ہی میرے محافظ ہیں، میں آپ کی حفاظت میں آتا ہوں۔

◉ ...... اے اللہ! اے وہ ذات! جس کے لئے جباروں کی گردنیں جھک گئیں اور فرعونوں کی گردنیں عاجزی میں پڑ گئیں۔ میں آپ کے سامنے رسوا ہونے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور آپ سے پردہ دری سے بھی اور آپ کا ذکر بھولنے سے بھی، اور آپ کا شکر ادا نہ کرنے سے بھی آپ کی پناہ اور حفاظت چاہتا ہوں اور میری رات اور دن بھی، نیند اور قرار بھی، چلنا اور پھرنا بھی، زندگی اور موت بھی آپ کی رضا کے لیے ہو، آپ کا ذکر میرا شعار ہو۔ اور آپ کی ثناء میرا لباس ہو، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ کے نام کی تعظیم ہو اور آپ کے چہرے کے جلال کی تنزیہ ہو، مجھے اپنے عذاب سے اور بندوں کے شر سے محفوظ رکھیے اور مجھ پر اپنی حفاظت کے پردے لگا دیجیے۔ یا ارحم الراحمین!

◉ ...... اے اللہ! آپ مجھ پر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دیجیے اور اکرام کے اونچے مقام تک میرے خالص حصہ کو بلند کر دیجیے اور اپنے ہاں کمال کے ساتھ میرے سرور کو

رونق عطا فرمایئے اور مجھے کوتاہ درجے سے اونچے درجے کی طرف لے جایئے اور میرے علوم کو نفس سے چھپا لیجیے۔

⊙......اے اللہ! اے اصفیاء کو منازلِ حق اور بلند مقامات عطا کرنے والے! میرے دل کو میل کچیل سے پاک کر دے اور میرے دشمن کو میری طرف توجہ کرنے سے روک دے اور جس صورت میں میرا سوال آپ تک نہ پہنچ سکے مجھے اس سے نجات عطا فرما، بلاشبہ آپ بہت مہربان ہیں۔

⊙......اے اللہ! اے وہ ذات جس نے میرے دل کو غموں کا ٹھکانا بنایا اور میرے سینے کو اندوہ کی کان بنایا! میری پیاس نہیں بجھے گی مگر آپ کے دیدار سے اور میری آرزو پوری نہیں ہوگی مگر آپ کے مشاہدے سے۔ الٰہی! میرے اور آپ کے قرب کے درمیان کب تک پردے پڑے رہیں گے، اس سبب سے میرے دل میں غم و اندوہ بھرا ہوا ہے۔ اے رب الارباب! آپ کے دروازے پر قبولیت کے انتظار میں اور پردوں کے اٹھنے کے لئے میرا ٹھہرنا طویل ہو گیا ہے۔

⊙......اے اللہ! میں آپ سے اہل ہدایت کی توفیق اور اہل یقین کے اعمال اور اہل ورع کی عبادت اور اہل علم کا عرفان طلب کرتا ہوں، حتیٰ کہ خلوت اور جلوت میں آپ سے ڈرنے لگوں اور میری زندگی معصیت سے خالی ہو جائے۔

⊙......اے اللہ! میں آپ سے خائفین کا علم مانگتا ہوں اور آپ سے علماء جیسا خوف چاہتا ہوں اور آپ پر توکل کرنے والوں کا یقین اور یقین کرنے والوں کا توکل طلب کرتا ہوں۔ اور آپ کے سامنے عاجزی کرنے والوں کا سا رجوع اور رجوع کرنے والوں جیسی عاجزی طلب کرتا ہوں۔ آپ کی رضا کے لئے صبر کرنے والوں کا شکر اور شکر کرنے والوں کا صبر طلب کرتا ہوں اور وہ زندہ حضرات جو آپ کے پاس سے رزق پاتے ہیں ان میں شمولیت چاہتا ہوں۔

⊙......اے اللہ! میں ضعیف ہوں، میرے ضعف کو اپنی رضا میں قوی کر دے اور میری پیشانی کو خیر کی طرف پھیر دے اور اسلام کو میری رضا کا منتہیٰ بنا دے۔ اے اللہ! میں ضعیف ہوں، مجھے قوی کر دے، کمزور ہوں، غلبہ دیدے، فقیر ہوں، غنی کر دے۔ اے ارحم الرحمین! میری عمر کے بہتر حصہ کو آخر میں کر دے اور میرے اچھے اعمال کو خاتمہ میں کر دے اور میرے بہترین دنوں میں سے وہ دن کر دے جس میں آپ سے میں ملاقات کروں۔

⊙......اے اللہ! اے حیّ وقیوم! میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ آپ مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کیجیے اور میرے سب حالات و ضروریات کو درست فرما دیجیے۔

⊙......اے اللہ! مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کرنا کہ میں اس کے سنبھالنے سے عاجز آ جاؤں اور مجھے مخلوق کے حوالے نہ کرنا کہ وہ مجھے ضائع کر دے۔

⊙......میرے مولیٰ! جب دنیا سے میرا نشان مٹ جائے اور مخلوق سے میرا ذکر محو ہو جائے اور میں بھولے بسرے لوگوں میں سے ہو جاؤں تو مجھ پر رحم فرما دینا۔

⊙......اے اللہ! میری حفاظت اپنی اس آنکھ کے ساتھ فرما جو سوتی نہیں اور میری حمایت اس قوت سے فرما جو زائل ہونے والی نہیں، اور جو قدرت آپ کو مجھ پر حاصل ہے، اس سے میری ہر گناہ سے حفاظت فرما۔

⊙......اے اللہ! آپ نے مجھے کسی چیز کے عذاب میں زندگی بھر مبتلا نہیں کیا۔ اسی انعام کے سبب مجھے اپنے حجاب کی ذلت کے عذاب میں بھی مبتلا نہ فرما۔

⊙......اے اللہ! اگر آپ میری مخفی غلطیوں کی مجھ سے تفتیش کریں گے تو میں آپ کی توحید کے وسیلہ سے مغفرت کا مطالبہ کروں گا۔ اور اگر آپ مجھ سے میرے علانیہ گناہوں کی باز پرس کریں گے تو میں آپ کے کرم سے ملتجی ہوں گا اور اگر آپ نے

مجھے دوزخیوں میں داخل کیا تو میں دوزخیوں کو آپ کے ساتھ اپنی محبت کی خبر کر دوں گا۔

⊙......اے اللہ! آپ نے مجھ پر دنیا میں گناہوں کی پردہ پوشی کی جبکہ میں آخرت میں ان کی پردہ پوشی کا زیادہ محتاج ہوں۔

⊙......اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اگرچہ میں غلبہ شہوت کی وجہ سے کبھی کبھی آپ کی نافرمانی کرتا ہوں، مگر اس کے باوجود آپ کے فرمانبردار بندوں سے صرف آپ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ پس آپ مجھے بھی اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل فرما لیجیے۔

⊙......اے اللہ! میرے اور آپ کی مخلوق کے درمیان حقوق کے متعلق بہت سی کوتاہیاں ہیں۔ اے اللہ! ان میں سے جو آپ کے حقوق ہیں ان کو بخش دے اور جو آپ کی مخلوق کے ہیں ان کو مجھ سے اتار دے اور مجھے اپنے فضل کے ساتھ غنی فرما۔ اے وسیع بخشش والے!

⊙......اے اللہ! میرے دل کو علم کے ساتھ منور فرما اور میرے بدن کو اپنی طاعت میں استعمال فرما، اور میرے باطن کو فتنوں سے محفوظ فرما اور میری فکر کو حصول عبرت میں مشغول فرما اور مجھے شیطان کے وساوس سے بچا اور مجھے ایسے محفوظ فرما کہ اس کی مجھ پر گرفت نہ ہو سکے۔

⊙......اے اللہ! ہمارے چہروں کو اپنی حیا سے مالا مال کر دے، اور ہمارے دلوں کو اپنے خوف سے بھر دے، اور ہمارے نفوس میں ایسی عظمت بٹھا دے جس سے ہمارے اعضاء آپ کی خدمت وعبادت میں جھک جائیں۔

⊙......اے اللہ! اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اے میرے دل کا سرور! اگر آپ کی آنکھوں کے سامنے مجھے کسی غلطی نے گرا دیا ہے تو اے گناہوں سے حفاظت کرنے کا عطیہ دینے والے! اور رحمت کو نازل کرنے والے! میری اس غلطی کو معاف

فرما دیجیے۔

⊙......اے اللہ! عبادت گزاروں نے آپ کے عذاب کا ذکر سنا تو ڈر گئے، گنہگاروں نے آپ کے حسن عفو کو سنا تو امید لگا بیٹھے۔ الٰہی! اگر میرے گناہوں نے مجھے آپ کے سامنے گرا دیا ہے تو آپ میرے حسن توکل کی وجہ سے مجھے معافی دے دیجیے۔

⊙......اے اللہ! ہر درخت آپ کی تسبیح کرتا ہے اور ہر کنکر آپ کو سجدہ کرتا ہے اور ہر پرندہ اپنے گھونسلے میں اور وحشی جانور وحشت ناک جنگل میں آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور مچھلیاں سمندروں کی تہہ میں دھیمی آوازوں میں اور غمگین نغمات میں آپ کی پاکیزگی بیان کرتی ہیں۔ آپ مجھے بھی اپنے ذاکرین میں شامل فرما لیجیے۔

⊙......اے اللہ! میں آپ سے ایسی رحمت کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل کی رہنمائی کرے اور میرے بکھرے ہوئے کاموں کو مجتمع کرے اور میری پراگندہ حالت کی اصلاح کر دے اور مجھ سے فتنوں کو دور کر دے۔ اور میرے غیب کی حفاظت کر دے اور میرے موجود دین کو بلندی عطا کر دے اور میرے عمل کو پاکیزہ کر دے اور میرے چہرے کو سفید کر دے اور میری رہنمائی کا مجھے الہام کر دے اور ہر برائی سے میری حفاظت فرما دے۔

⊙......اے اللہ! اے ہر دکھ کے دور کرنے والے! اے ہر مناجات کے سننے والے! اے ہر مصیبت کو دیکھنے والے! اے ہر تنہا سے انس کرنے والے! اے ہر بے وطن سے رفاقت کرنے والے! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ پاک ہیں۔ میں ہی ظالمین میں سے ہوں۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے دل میں اپنی محبت ڈال دیں حتیٰ کہ آپ کے سوا میرا کوئی شغل اور فکر نہ ہو اور یہ کہ آپ میرے لیے ہر دکھ میں کشادگی فرما دیں کیونکہ اے ارحم الراحمین! آپ مجھ پر بہت مہربان ہیں۔

⊙......اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر گناہوں اور قباحتوں کے ایسے بوجھ لاد لئے ہیں، جن کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا، حتیٰ کہ میں زمین میں دھنسا دیئے جانے اور مسخ کر دیئے جانے اور جہنم میں داخل کر دیئے جانے کا مستحق ہو گیا ہوں۔ اب میں زمین پر ہر فریاد کرنے والے کے پیچھے آپ کے سامنے یہ ارادہ اور امید لے کر کھڑا ہوں کہ ان حضرات میں سے جب کسی کو آپ بخشیں تو اس کی برکت سے مجھے بھی معاف فرما دیں۔

⊙......اے اللہ! آپ حق ہیں، آپ کا وعدہ حق ہے، آپ کی ملاقات حق ہے، آپ کی بات حق ہے۔ جہنم حق ہے، انبیاء حق ہیں اور محمد ﷺ حق ہیں، قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں آپ کے لئے اسلام لایا، آپ پر ایمان لایا، آپ پر توکل کیا، آپ کی طرف متوجہ ہوا، آپ کی وجہ سے میں نے (آپ کے دشمنوں سے) دشمنی کی اور (اپنی زندگی کے مسائل میں) آپ کے دین سے فیصلے لیے۔ آپ ہی میرے پروردگار ہیں اور انجام کار آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ آپ میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیں، پوشیدہ بھی اور ظاہری بھی، جن کو آپ مجھ سے جانتے ہیں، آپ مقدم بھی ہیں، اور مؤخر بھی، آپ میرے اللہ ہیں، آپ کے سوا کوئی اور اللہ نہیں، نہ حرکت ہے، نہ قوت، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔

⊙......اے اللہ تعالیٰ! میرے لئے ہر غم اور فکر سے، کشائش اور نکلنے کی سبیل عطا فرما۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہوں پر آپ کی معافی نے اور میری خطاؤں پر آپ کی درگزر نے اور میرے قبیح اعمال پر آپ کی پردہ پوشی نے مجھے طمع دلائی ہے کہ میں آپ سے اس انعام کا سوال کروں، جس سے میں اپنی کوتاہی کی وجہ سے محروم ہو گیا ہوں۔ میں آپ سے ایمان کی حالت میں دعا کرتا ہوں اور انس کی حالت میں سوال کرتا ہوں، کیونکہ آپ میرے محسن ہیں اور میں اپنے اور آپ کے درمیان اپنے

نفس کے ساتھ غلطی کر رہا ہوں، آپ مجھ پر نعمتوں کی عنایت کے ساتھ محبت کا معاملہ کرتے ہیں۔ میں آپ سے زیادہ کریم نہیں پاتا جو مجھ جیسے گھٹیا بندے پر مہربانی کرتا ہے، پس آپ پر میرے بھروسے نے آپ کے سامنے گناہوں پر جرأت دلائی ہے۔ پس اے اللہ! اپنے فضل و احسان کے ساتھ مجھ پر سخاوت فرمائیں۔ آپ رؤف و رحیم ہیں۔ آپ میرے گناہوں کو معاف کر دیجیے۔

◉......الٰہی! میری عزت کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں آپ کا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ میرے رب ہیں، آپ میرے لیے ایسے ہیں جیسا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، پس آپ بھی مجھے ویسا بنا دے جیسا کہ آپ چاہتے ہیں۔

◉......اے اللہ! اے ہر شکایت کے دور کرنے والے! اے ہر سرگوشی کو سننے والے! اے ہر مصیبت کو دیکھنے والے! اے موسیٰ علیہ السلام کو ظلم سے اور خلیل ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دینے والے! میں آپ سے اس شخص کی دعا کی طرح مانگتا ہوں جس کا فاقہ سخت ہو گیا ہو اور اس کی حرکت کمزور ہو گئی ہو، اس کا حیلہ کمزور پڑ گیا ہو۔ بے وطن غرق ہونے والے، اس فقیر کی دعا کی طرح جو اپنی مصیبت کو دور کرنے کی کوئی صورت نہیں پاتا سوائے آپ کے، اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

◉......اے اللہ! اے وہ ذات جو ایک ذرہ خیر کی مقدار پر خیر عطاء کرنے والی ہے۔ اور جو ایک ذرۂ شر کی مقدار پر سزا دینے والی ہے، اپنے بندے کو جہنم سے پناہ عطا فرما اور ہر گناہ جو جہنم کے قریب کر دے اس کی حفاظت فرما اور اسے رحمت کی وسعت میں داخل فرما۔

⊙......الٰہی! اگر چہ میرا عمل آپ کی فرمانبرداری کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہے، لیکن میری آرزو آپ کی امید کے سامنے بہت بڑی ہے۔ الٰہی میں ناکامی کے ساتھ محروم ہو کر کس طرح لوٹ جاؤں جبکہ آپ کی سخاوت کے ساتھ میرا گمان یہ ہے کہ آپ کے در سے کوئی خالی نہیں لوٹتا۔

⊙......اے اللہ! آپ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے اپنے متعلق گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "مضطر کی دعا کو جب وہ اللہ کو پکارتا ہے (میرے سوا اور) کون سنتا ہے۔" اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ (اے میرے رسول ﷺ! جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں۔ ہر ایک کی ہر وقت ہر طرح کی دعاؤں کو سنتا ہوں۔ پس جو لغزشیں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں آپ ان کو معاف کر دیں۔ آپ غنی و کریم ہیں اور میں محتاج ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں، میں آپ کے سوا کسی کو محسن نہیں پاتا، میں اپنے خطا اور قصور کا معترف ہوں اور عیب و فتور کا بھی اقرار کرتا ہوں، پس آپ میری امید کو نامراد نہ فرمائیں اور میری دعا کو مردود نہ کریں، مجھے موت کے وقت اور موت کے بعد اپنی گرفت سے محفوظ رکھیں مجھ پر موت کی سکرات کو آسان کر دیں، مجھ پر نزول موت کو خفیف بنا دیں، آلام و اسقام کے سبب مجھ پر سختی نہ کریں، آپ سب مہربانوں سے بڑے مہربان ہیں۔

⊙......اے اللہ! آپ کا کوئی شریک نہیں جو عطا کرے، کوئی وزیر نہیں جو رشوت سے بات منوائے، اگر میں نے آپ کی اطاعت کی تو آپ کے فضل سے، اس پر آپ کی حمد ہے۔ اگر میں نے آپ کی نافرمانی کی ہے تو اپنے جہل کی وجہ سے، اس پر میرے خلاف آپ کی حجت قائم ہے۔ پس آپ کے مجھ پر حجت قائم ہونے اور میرے آپ کے سامنے حجت منقطع ہونے کے سبب سے ہی مجھے معاف کر دے۔

......اے اللہ! اے وسیع مغفرت والے! اے رحمت کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلانے والے! میرے ساتھ ایسا معاملہ فرما جس کا تو اہل ہے، الٰہی! میں نے بعض اوقات گناہ کیے جبکہ میں کل اوقات حالتِ ایمان پر رہا، پس کس طرح سے میرے گناہ کی بعض عمر میرے ایمان کی کل عمر پر غالب آ سکتی ہے؟ الٰہی! اگر آپ نے مجھ سے میری نیکیاں مانگیں تو میں ان کو آپ کی بارگاہ میں پیش کر دوں گا، باوجود اس کے کہ مجھے ان کی سخت ضرورت ہے، حالانکہ میں ایک بندہ ہوں۔ میں آپ سے کس طرح سے یہ امید نہیں رکھ سکتا کہ آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیں باوجود اس کے جبکہ آپ غنی ہیں۔

......اے اللہ! میری آنکھیں آنسو نکالنے سے بخیل ہوگئی ہیں۔ میری زندگی گزر گئی اور موت کا وقت قریب آ گیا گویا کہ قبروں میں میری قبر کا اضافہ کر دیا گیا اور میری طرف کیڑے متوجہ ہو گئے اور میرے بدن میں ان کے لیے رزق مقدر کر دیا گیا۔ وہ جلدی سے دوڑ پڑے ہیں اور میرے کفن کی چادریں پھٹ گئیں، میرے چمڑے اور گوشت میں کیڑے پھیل گئے اور میرے جوڑوں ہڈیوں اور گوشت کو انہوں نے کھانا شروع کر دیا اے اللہ! مجھے ان سے بچا لیجیے اور میری سب کوتاہیوں کو معاف فرما دیجیے۔

......اے اللہ! آپ نے مجھے نعمتوں کے ذریعے اپنی کریمی دکھائی ہے۔ اب پنی رحمت و درگزر بھی دکھائیں۔ میرا جرم بڑا ہے اور آپ کی معافی بہت ہے، پس آپ میرے جرم کو اور اپنی معافی کو جمع فرما دیں۔

......اے اللہ! آپ کے مجھ پر بہت حق ہیں ان کو مجھ پر صدقہ کر دے اور تیرے بندوں کے بھی مجھ پر بہت حق ہیں۔ اپنے فضل سے ان کو اپنے ذمہ لے لے، بے شک مجھ پر آپ کا فضل کامل ہے۔

⊙......اے اللہ! آپ نے اس مخلوق کو ان کے علوم کے بغیر پیدا کیا ہے۔ اور ان کے ارادے کے بغیر ان کے ذمہ ایک امانت ٹھہرائی ہے، پس اگر آپ ان کی مدد نہیں فرمائیں گے تو ان کی مدد کون کرے گا۔

⊙......اے اللہ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ایسے عمل کرنے سے، جس کی وجہ سے میں مردوں کے درمیان اپنے مشائخ کو شرمندہ کروں۔

⊙......اے اللہ! میں آپ کی مدد چاہتا ہوں کہ آپ میرے ظاہری اعمال کو میری ظاہری آنکھوں میں عمدہ کر دے اور میرے مخفی حالات کو مخفی آنکھوں میں قبیح بنا دے۔

⊙......اے اللہ! جس طرح سے میں نے کوتاہی کی اور آپ نے مجھ پر احسان فرمایا، اگر میں پھر کوتاہی کروں آپ پھر بھی احسان کر دینا۔

⊙......اے اللہ! اے میرے مولیٰ! تپش سے میرے چہرے کے جلنے اور میرے قدم کے پھسلنے پر رحم فرما، اور میری غلطی کو اپنے احسان سے بخش دے، میں اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ اپنی غلطی کا معترف ہوں۔

⊙......اے اللہ! اگرچہ میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ آپ کی رحمت کی امید رکھوں، مگر آپ اہل ہیں کہ اپنے فضل اور مہربانی کے ساتھ گنہگاروں پر سخاوت فرمادیں۔

⊙......اے اللہ! آپ نے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے جبکہ آپ اس کے مامورین سے اس کے زیادہ لائق ہیں اور آپ نے سوالی کو خالی نہ لوٹانے کا حکم دیا جبکہ آپ خود مسئولین سے زیادہ بہتر دینے والے ہیں۔

⊙......اے اللہ! میں آپ سے بغیر عمل کے جس کو میں نے کیا ہو، جنت کا سوال کرتا ہوں، اور میں آپ سے بغیر گناہ کے جس کو میں نے چھوڑا ہو جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔

⊙......اے اللہ! نعمت کو اتنا کامل کر دے کہ مجھے زندگی اچھی لگے، اے اللہ! میرا

خاتمہ خیر پر فرما حتیٰ کہ میرے گناہ نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اے اللہ! میری دنیا کی مشقتوں کی کفالت فرما اور قیامت میں بھی ہر ہولناکی کی، حتیٰ کہ سلامتی کے ساتھ مجھے جنت میں داخل فرما دے۔

◉ ......اے اللہ! میرے لیے ایسا مہربان ہو جا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مہربان تھا۔

◉ ......اے اللہ! ہم سے راضی ہو جا اور اگر ہم سے راضی نہیں ہوا تو ہمیں معاف فرما دے کیونکہ مالک کبھی اپنے بندے کو اس حالت میں بھی معاف کر دیتا ہے جبکہ وہ اس سے راضی نہیں ہوتا۔

◉ ......اے اللہ! میں آپ سے گناہوں کے باوجود امید کرتا ہوں اور فرمانبرداری کے باوجود ڈرتا ہوں کیونکہ فرمانبرداری مجھے امان نہیں دے سکتی اور گناہ مجھے مایوس نہیں کر سکتے اور میں گناہوں کے باوجود آپ سے درگزر کی امید رکھتا ہوں، کیونکہ آپ درگزر کرنے میں معروف ہیں، اور میں فرمانبرداری کے باوجود آپ سے ڈرتا ہوں، کیونکہ میں آفات سے موصوف ہوں۔ الٰہی محتاج فقیر کی طرف سے دعا اور سوال ہوتا ہے اور معاف کرنے والے سخی کی طرف سے عنایت اور عطیہ ہوتا ہے۔

◉ ......اے اللہ! میں کل آپ کے کرم کے ساتھ آپ کی طرف پہنچوں گا جس طرح سے آپ نے آج اپنی طرف نعمت کے ساتھ دلالت فرمائی ہے۔

◉ ......اے اللہ! اگرچہ میرے گناہ آپ کی ممانعت کی وجہ سے بڑے ہیں، مگر آپ کی معافی کے سامنے چھوٹے ہیں، الٰہی! میں یہ نہیں کہتا کہ میں پھر غلطی نہ کروں گا کیونکہ میں اپنی خلقی کمزوری کو جانتا ہوں۔ الٰہی! اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو میرے گناہوں کو معاف کر دیں۔

◉ ......اے اللہ! شکر کے موقع پر تو میری عاجزی کو جانتا ہے۔ پس تو میری طرف

سے اپنی ذات کا خود ہی شکر کر لے کیونکہ یہ بھی شکر کی ایک قسم ہے اور کوئی چیز نہیں۔

......اے اللہ! جو شخص خیر کا ارادہ کرے، پس میرے لیے اس کی خیر کو آسان کر دے اور جو میرے ساتھ شر کا ارادہ کرے پس مجھے اس کے شر سے محفوظ فرما لے۔

......اے اللہ! اگر آپ نے اپنے نیک بندوں میں سے کسی کو مصیبت میں مبتلا کر کے بلند درجہ تک پہنچایا ہے تو مجھے اس مرتبہ تک عافیت سے پہنچا دے۔

......اے اللہ! میرے گناہ بڑے ہیں، اور تو ان سے بھی بہت بڑا اور جلیل القدر ہے۔ پس میرے ساتھ وہ معاملہ کر جس کا تو اہل ہے اور میرے ساتھ وہ معاملہ نہ کر جس کا میں اہل ہوں۔

......اے اللہ! آپ کے غلبہ اور جلال کی قسم، میں نے آپ کی نافرمانی میں آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، اور جب میں نے آپ کی نافرمانی کی میں آپ کے عذاب سے ناواقف نہیں تھا، اور نہ ہی آپ کی سزا کا مقابلہ کر رہا تھا، اور نہ ہی آپ کی نظر کی ہتک کر رہا تھا، بس میرے نفس نے مجھے پھسلا دیا اور میری بدبختی نے اس پر مدد کر دی تھی اور آپ کی مجھ پر پردہ پوشی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، پس میں نے آپ کی نافرمانی کی اور اپنی جہالت سے مخالفت کی۔ اب میں کس کا سہارا تلاش کروں؟ مجھے آپ کے عذاب سے کون چھڑائے گا؟ اور آپ کے زبانیہ (جہنم کے فرشتوں) کے ہاتھوں سے کون خلاصی دلائے گا؟ میں کس کے سہارے کو تھاموں گا؟ جب آپ مجھ سے اپنے تعلق کو توڑ لیں گے۔ ہائے شرمندگی و تباہی، جب ہلکے پھلکے لوگوں کو کہا جائے گا کہ (پل صراط سے) گزر جاؤ اور گناہوں سے لدے ہوؤں کو کہا جائے گا کہ جہنم میں گر پڑو۔ کاش مجھے آپ ہلکے پھلکے لوگوں کے ساتھ پل صراط سے گزار کر جنت عطا فرما دیجیے۔

......اے اللہ میں اپنی حاجت آپ کے سامنے رکھتا ہوں، اگر چہ میری رائے

ضعیف ہے اور حیلہ قلیل ہے اور عمل مختصر ہے اور میں آپ کی رحمت کا محتاج ہوں، پس اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اے سب کاموں میں کفایت کرنے والے اور سینوں کو شفاء بخشنے والے، جس طرح سے آپ سمندروں کے درمیان مخلوق کی حفاظت کرتے ہیں، مجھے بھی جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔

......اے اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ میں جس چیز کو ناپسند کرتا ہوں اس کو دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور جس کی امید رکھتا ہوں اس کے نفع کا مالک نہیں ہوں۔ معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اپنے عمل کا رہین ہوں۔ مجھ سے بڑا کوئی فقیر نہیں۔ آپ مجھے اپنے مقربین میں شامل فرمالیجیے۔

......اے اللہ! مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور میرے دوست کو مجھ پر نہ بگاڑ، میرے دین میں مجھ پر مصیبت نہ ڈال، دنیا کو میری سب سے بڑی فکر نہ بنا اور مجھ پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو مجھ پر رحم نہ کھائے۔ اور میرے دشمنوں پر میری مدد فرما، میرے دین میں کوئی مصیبت داخل نہ کر اور دنیا کو میری بڑی فکر نہ بنا اور نہ ہی اسے میرا مبلغ علم بنا اور مجھ پر کسی ایسے کو مسلط نہ فرما جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

......اے اللہ! میرے ساتھ اور ان مسلمانوں کے ساتھ دنیا اور آخرت میں ایسا معاملہ فرما جس کا تو اہل ہے۔ اے ہمارے مولیٰ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم اہل ہیں، بے شک تو پردہ پوش ہے، بردبار ہے، سخی ہے، کرم کرنے والا، مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ جن لحات میں ہمارے دل آپ کے خوف وخشیت میں نہیں روئے تو اس دن جب آپ اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے ہمیں معاف کر دینا۔

......اے اللہ! مجھ پر دنیا کو وسیع کر دے اور مجھے ترک دنیا عطا فرما اور مجھ پر دنیا کی تنگی نہ فرما اور مجھے اپنی طرف رغبت عطا فرما، اے اللہ! مجھے آج کے دن اس عمل میں

مشغول فرما جس کے بارے میں کل مجھ سے پوچھا جائے گا۔

⊙......اے اللہ! آپ نے مصیبت پر جزا دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور مجھ پر میرے نفس سے زیادہ کوئی مصیبت نہیں ہے، پس اے ارحم الراحمین! اس کے متعلق بھی مجھے عمدہ جزا عطا فرما۔

⊙......اے اللہ! آپ نے جن اعمال کا حکم دیا ہے ہم ان پر آپ کی مدد کے بغیر طاقت نہیں رکھتے، اور جن چیزوں سے آپ نے ہمیں روکا ہے آپ کے محفوظ رکھنے کے بغیر ہم ان سے رک نہیں سکتے، آپ کی حجت واقع ہونے والی ہے، جو کچھ ہمارے اور آپ کے درمیان معاملہ ہے، ہم اس میں معذور نہیں ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ آپ کی رضا کے لئے کیا ہے، اس میں نقصان اٹھانے والے نہیں ہیں۔ پس اے اللہ ہم پر رحمت کی نظر فرما اور اپنے دوستوں کے زمرے میں شامل فرما۔

⊙......اے اللہ! میری دنیا پر قناعت پسندی سے اور دین پر پاک دامنی سے مدد فرما۔

⊙......اے اللہ! ہم آپ سے پناہ چاہتے ہیں، ہر اس رزق سے جو ہمیں آپ سے دور کر دے۔ اے اللہ! ہمیں ہر خبث سے پاک کر دے اور ہم پر ظالموں کو مسلط نہ فرما۔ اسیروں کے ساتھ نرمی کرنا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

1
اسماء وصفات کے ظلال کی سیر
(یعنی تجلیات خمسہ میں سیر)
(انبیاء کرام اور فرشتوں کے علاوہ
تمام ممکنات کا مبداء تعین)
16 مراقبہ معیت
15 لطیفہ اخفیٰ کی فنا تجلیات شان جامع
(ولایت محمدیؐ)
14 لطیفہ خفی کی فنا تجلیات صفات سلبیہ
(ولایت عیسویؑ)
13 لطیفہ سر کی فنا تجلیات شیونات ذاتیہ
(ولایت موسویؑ)
12 لطیفہ روح کی فنا تجلیات صفات ثبوتیہ
(ولایت ابراہیمیؑ)
11 لطیفہ قلب کی فنا تجلیات افعالیہ
(ولایت آدمؑ)
دائرہ ولایت صغریٰ
ولایت اولیا
سیر انفسی
10 مراقبہ احدیت
9 ذکر تہلیل لسانی
8 ذکر نفی اثبات
نوٹ:
عالم امر اور عالم خلق کے سات لطائف
کے اسباق یہاں مکمل ہو جاتے ہیں
اعتبارات میں سیر
عالمِ امر
5 اصل اخفیٰ
4 اصل خفی
3 اصل سر
2 اصل روح
1 اصل قلب
عرش
عالمِ خلق
1 نفس
2 ہوا
3 پانی
4 آگ
5 خاک
دائرہ امکان
سیر آفاقی
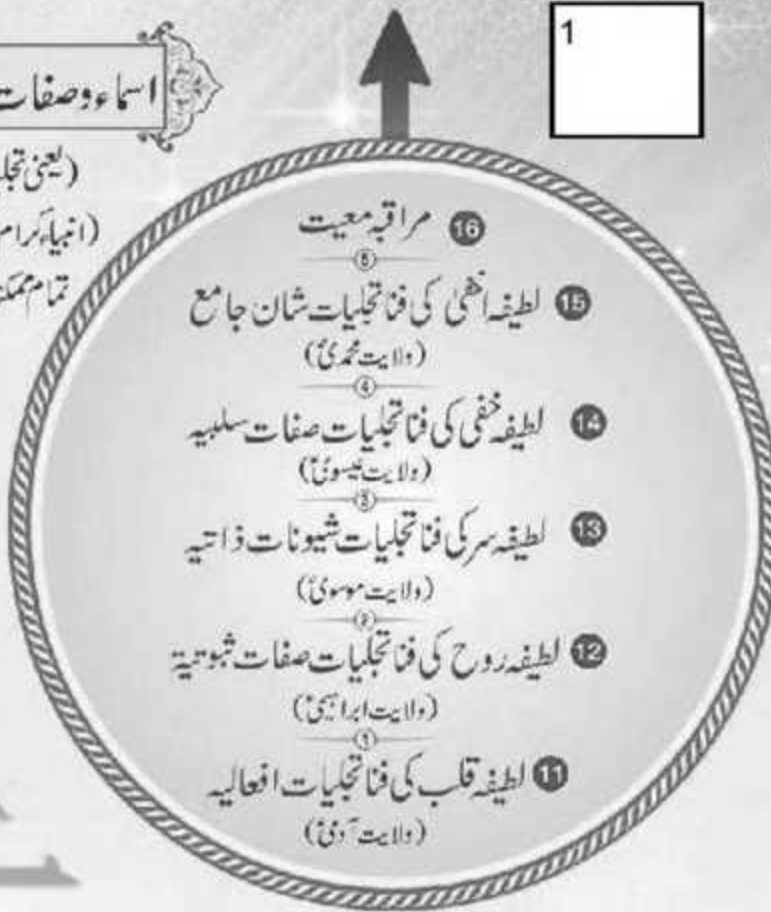
2

مراقبہ محبت
مورد فیض لطیفہ نفس

مراقبہ اقربیت
مورد فیض لطیفہ نفس و
عالم امر کے لطائف خمسہ

دائرہ
ولایت
صغریٰ

ولایت
اولیا

دائرۂ امکان

3
اسم ظاہر کا سلوک ایک پر کی مانند ہے اور اسم باطن کا سلوک دوسرے پر کی مانند ہے
جب یہ دونوں پر مل جاتے ہیں تو پرندہ پرواز کے لئے تیار ہوتا ہے۔
22 مراقبہ اسم الباطن
مورد فیض عناصر ثلاثہ
یعنی آگ ہوا پانی
21 مراقبہ اسم الظاہر
مورد فیض لطیفہ نفس
و عالم امر کے لطائف خمسہ
ملائکہ عظام کی تعینات کی ابتدا
دائرہ ولایت علیا
ولایت ملاء اعلیٰ
ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کا تعلّق اسم الظاہر سے ہے

دائرہ امکان

دائرہ ولایت صغریٰ
(ولایت اولیا)

دائرہ ولایت کبریٰ
(ولایت انبیاء)

دائرہ
ولایت علیا
(ملائکہ)

سمجھ لو کہ ولایت علیا مثل مغز کے ہے اور ولایت کبریٰ مثل پوست کے
بلکہ ہر نچلا دائرہ اوپر والے دائرے کے مقابلے میں یہی مناسبت رکھتا ہے۔

ہدایت الطالبین
از حضرت مولانا شاہ ابو سعید فاروقی مجددی قدس سرہٗ

اس مقام کی نسبت سابق مقامات سے اور اوپر والے (فوقانی) مقام کی نسبت نیچے والے (تحتانی) مقام سے ایسی ہے جیسے مغز اور پوست کی۔

25
دائرہ کمالات
اولوالعزم
تجلی ذاتی دائمی
کی سیر کا
تیسرا درجہ
مورد فیض
ھیئت
وحدانی
24
دائرہ کمالات
رسالت
تجلی ذاتی دائمی
کی سیر کا
دوسرا درجہ
مورد فیض
ھیئت
وحدانی
23
دائرہ کمالات
نبوت
تجلی ذاتی دائمی
کی سیر کا
پہلا درجہ
عنصر خاک مورد فیض
عناصر اربعہ میں اعتدال
اور فنائے نفس میں کمال

7
دائرہ
لاتعین
35
34
دائرہ محبت
صرفہ ذاتیہ
دائرہ
حقیقت
احمدی
33
دائرہ
معبودیت صرفہ
29
ان تمام اسباق کا مورد فیض
ہیئت وحدانی ہے۔
دائرہ
حقیقت
محمدی
32
دائرہ
حقیقت صلوٰۃ
28
دائرہ
حقیقت
موسوی
31
دائرہ
حقیقت
قرآن مجید
27
دائرہ
حقیقت
ابراہیمی
30
دائرہ
حقیقت
کعبہ ربانی
26
دائرہ کمالات
اولوالعزم
25
دائرہ کمالات
رسالت
24
دائرہ کمالات
نبوت
23

٥ اللهم یا قاضی الحاجات و یا کافی المهمات

و یا مسبب الاسباب و یا رفیع الدرجات

و یا حلال المشکلات و یا مجیب الدعوات

و یا شافی الامراض و یا خالق اللیل والنهار

و یا دلیل المتحیرین و یا غیاث المستغیثین

اغثنا ۔ توکلنا علیک ونفوض امورنا الیک

٥ اللهم انا نسئلک الشوق الی لقاءک

ولذة النظر الی وجهک الکریم